جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم-اے
شعبۂ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

دوسری جلد

۱۹۳۵

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy
ALLAHABAD

PRICE { Unbound Copy Rs. 8/-
Bound Copy—Rs. 8/8—

Printed by
Onkar Prasad Gaur at the K. P. Press
ALLAHABAD

فہرست

دیباچہ

ہندوستانی ایکیڈیمی صوبہ متحدہ نے اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا اور انتخاب کا کام مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کر دیا - موصوف نے کئی سال کی محنت میں یہ انتخاب تیار کرکے اُس کو چھہ جلدوں میں ترتیب دیا - اِس کے بعد اکیڈیمی کی جانب سے ہر جلد کے لئے ایک ایڈیٹر مقرر ہوا - چنانچہ اِس دور کی دوسری جلد پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی نظرثانی کرتے وقت میں نے زیادہ ترحذف و ترمیم سے کام لیا - شعرا کے حالات و سنین وغیرہ میں مولف کتاب کی تحقیق پر اعتماد کر کے صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں ' عبارت میں لفظی ترمیم کردی ' بیان کی ترتیب میں ضروری تغیر کر دیا ' اور بعض شعرا کے خصوصیات کلام از سر نو لکھے - کلام کے انتخاب میں بھی زیادہ ترحذف سے کام لیا - جو اشعار ذوق سلیم پر گراں معلوم ہوے ان کو نکال دیا ' جن شاعروں کے کلام کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں یا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے اِس دور میں شامل نہیں ہو سکتے اُنھیں خارج کر دیا - اس کانت چھانٹ کے بعد کتاب کی ضخامت نصف کے قریب رہ گئی پھر بھی یہ جلد تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل ہے -

کتاب کے مسودے میں سے جہاں بہت کچھہ حذف کر دیا گیا ہے وہاں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ہے - حضرت مہر سے مجھکو جو دلی عقیدت اور ان کے کلام کی میری نظر میں جو وقعت ہے اس نے مجھے مجبور کیا کہ اس شاعر اعظم کے جو بلند پایہ اشعار نظر انداز ہو گئے ہیں انھیں انتخاب میں شامل کر دوں ' مگر اِس کام کے لئے ضروری تھا کہ مہر کے ساتوں دیوانوں کا شروع سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کیا جاے - افسوس ہے کہ میری کم فرصتی نے اس کا موقع نہ دیا اور صرف ردیف الف میں کوئی سوا سو اشعار اضافہ کرنے کے بعد مجھے یہ خیال ترک کر دینا پڑا -

سودا کے قصیدے اور ہجویں ' میر کی مثنویاں اور واسوخت ' میر حسن کی مثنوی سحرالبیان ' اِن چیزوں کے جو انتخابات اِس کتاب میں شامل ہیں ان کا ذمہ دار زیادہ تر میں ہوں میرتقی میر کے حالات اور مقدمہ کتاب جس پر ' خصوصیات دور ' کی جگہ ' خلاصہ دور ' کا عنوان چھپ گیا ہے یہ دونوں چیزیں بھی میں نے از سر نو لکھی ہیں - اِن کے علاوہ شعرا کے حالات و منتخبات مولف کتاب کی محنت کا نتیجہ ہیں -

کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کرتے وقت میں نے کتابت وغیرہ کی بہت سی غلطیوں پر نشان لگا دئے تھے اور ترتیب وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کر دی تھیں - لیکن افسوس ہے کہ نہ سب غلطیوں کی تصیح ہوئی اور نہ کل ہدایتوں پر عمل کیا گیا بہر حال میں نے مطبوعہ نسخے پر ایک سرسری نظر ڈال کر غلطیوں کی فہرست بنادی ہے جس کے مکمل ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا - یہ فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے - ناظرین اس کو دیکھہ کر غلطیوں کی تصحیح کر لیں - چند غلطیاں جن کی اس فہرست میں جگہ نہ تھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں -

۱- میر کی ایک غزل کے پانچ شعر جو صفحہ ۳ میں موجود ہے صفحہ ۳۸ ۳۹ میں مکرر درج ہو گئے ہیں -

۲—مندرجہ ذیل شعر صفحہ ۴۶۹ اور صفحہ ۴۷۱ دونوں میں درج ہے :—

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا - قہر ہوتا جو باوفا ہوتا -

۳—ذیل کا شعر صفحہ ۴۷۴ میں بھی موجود ہے - اور صفحہ ۴۷۶ میں بھی :—

بے وفا تیری کچھہ نہیں تقصیر - مجھہ کو اپنی وفا ہی راس نہیں

۴--صفحہ ۴۴ میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہونا چاہئے : ...

ع آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا -

۵— صفحہ ۱۷۱ میں پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہونا چاہئے :—

ع جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے -

۶— صفحہ ۳۹۹ سطر ۹ میں لفظ 'مثنوی' کے بعد یہ عبارت چھپنے سے رہ گئی ہے :—

'' سحرالبیان ہے - نقادان سخن کی متفقہ رائے ہے کہ اُردو شاعری اِس مثنوی ''

۷— اصل کتاب میر کے حال سے شروع ہوتی ہے - اس لئے جس صفحے پر میر کے حالات کی ابتدا ہوئی ہے اسی سے کتاب کے صفحوں کا شمار شروع ہونا چاہئے تھا - مگر میر کے حالات جن صفحوں میں ہیں اُن پر '' خلاصہ دور '' کے سلسلے میں حروف ابجد لکھہ دئے گئے ہیں - اِس سے حالات میر مقدمہ کتاب کا جزو معلوم ہونے لگے ہیں حالانکہ وہ اصل کتاب میں شامل ہیں -

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اِس کتاب پر نظر ثانی کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا اور بہت کچھہ حذف و اضافہ کیا پھر بھی یہ انتخاب ایسا نہ ہوا جیسا میرا جی چاہتا تھا - میرا یہ کہنا مولف کتاب کی محنت کو کم کر کے دکھانا یا اُن کے مذاق سخن پر حرف رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف اُس اختلاف مذاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دو آدمیوں میں فطرتاً موجود ہوتا ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

کوہ منصوری ۴ جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

خلاصۂ دور

جلد دوم

مولف کتاب نے جس عہد کو اردو شاعری کا دوسرا دور قرار دیا ہے وہ تقریباً سنہ ۱۱۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے - اور کوئی ایک صدی تک قائم رہ کر سنہ ۱۲۵۰ھ کے قریب ختم ہوتا ہے - اردو شاعری کی تاریخ میں بعض حیثیتوں سے یہ دور سب سے زیادہ اہم ہے -

اس دور میں ایسے ایسے باکمال شاعر پیدا ہوے اور انہوں نے ہر صنف سخن میں ایسے ایسے شاہکار پیش کئے کہ اُردو شاعری بڑے بڑے مشکل پسند اور نکتہ چیں طبائع میں بھی مقبول اور معزز ہوگئی - اگر ایسے معجز نگار اور بلند فکر شعرا اس دور میں جمع نہ ہو گئے ہوتے تو اردو شاعری کو مقبول عام ہونے میں بہت زمانہ لگتا، اور ایک مدت دراز کے بعد شاید وہ اس قابل ہوتی کہ لوگ فارسی کی سی عزیز اور دلکش زبان کو چھوڑ کر اردو میں شعر کہنے کی طرف متوجہ ہوجائیں -

فارسی شاعری کی طرح اردو شاعری کی اہم صنفیں بھی یہی تین تھیں - غزل - قصیدہ - مثنوی - اس دور میں ان تینوں صنفوں کی تکمیل ہوئی - غزل کی تکمیل میر، سودا، درد، قائم اور مصحفی کی منت گزار ہے - قصیدہ اپنی تکمیل کے لئے

سودا ، انشا اور مصحفی کا مرہون منت ہے - مثنوی کی تکمیل میر - اثر - حسن اور مصحفی کے ہاتھوں ہوئی - رباعیاں بھی اس دور کے متعدد شاعروں نے خوب خوب لکھیں - مگر خواجہ میر درد نے اس صنف سخن کی طرف خاص توجہ کی -

اس دور میں مرثیے کو بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی - متعدد شعرا ایسے گزرے جنھوں نے اپنی عمر اسی صنف شعر کی خدمت میں صرف کردی - ان میں سکندر ، مسکین ، گدا ، افسردہ ، احسان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے علاوہ میر اور سودا کے سے باکمال شاعروں نے بھی اس صنف کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور بہت بہت سے مرثیے تصنیف کیے - سودا نے مرثیے کو شعر کی مشکل ترین صنف کہہ کر اس کی عظمت مسلم کردی - مرثیہ دوسرے اصناف سخن سے اس قدر الگ اور مقدار میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنا انتخاب علیحدہ چاہتا ہے اس لیے مرثیے اس جلد میں شامل نہیں کیے گئے ہیں -

بعض اصناف سخن جو اردو میں موجود ہی نہ تھے ان پر اس دور کے شعرا نے پہلے پہل طبع آزمائی کی - واسوخت اور مسمط کی بعض صورتیں میر نے اردو شاعری میں داخل کیں - ہجو گوئی کا راستہ میرضاحک اور مرزا سودا نے دکھایا - ریختی کی ایک نئی صنف رنگین اور انشا نے ایجاد کی -

اصناف سخن کے علاوہ اس دور میں شاعری میں بعض خاص کیفیتیں بھی پیدا کی گئیں - میر نے محبت اور انسانیت کا بلند ترین معیار پیش نظر کردیا اور غم و حسرت کے دریا بہا دیے -

درد نے صوفیانہ خیالات شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیے ۔ حسن نے منظر کشی اور سیرت نگاری کے بہترین نمونے پیش کیے ۔ جرات نے معاملہ بندی کا کمال دکھایا ۔ انشا اور رنگین نے ظرافت اور ہزل کو شاعری میں جگہ دی ۔ انشا نے مشکل زمینوں میں شعر کہنے کی ابتدا کی ۔ اور ایک نہایت مفید بات یہ ہوئی کہ ایہام گوئی متروک ہوگئی یعنی اردو کے قدیم شاعروں کے یہاں شعر کی بنیاد اکثر کسی خیال پر نہیں بلکہ کسی لفظ یا کسی صنعت پر ہوتی تھی ۔ یہ طریقہ اس دور میں ترک کردیا گیا ۔

زبان کی اصلاح اور توسیع کے لحاظ سے بھی یہ دور بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ مکروہ اور ثقیل لفظوں سے زبان کو پاک کرنا محاوروں میں تراش خراش کر کے ان کو سڈول بنانا ' نظم کی زبان سے زوائد یعنی بھرتی کے لفظوں کو نکال دینا ' اور زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کرنے کی کوشش کرنا اس دور کے شعرا کا شاندار کارنامہ ہے ۔ یوں تو کچھ زمانے کے بعد کچھ لفظ فطرتاً اور لزوماً متروک ہو ہی جاتے ہیں ' اور کچھ محاوروں کی شکل خود بخود بدل جاتی ہے ۔ لیکن اس دور کے شعرا نے اپنے ارادے اور کوشش سے زبان کو درست کیا ۔ بے شمار فارسی ترکیبوں ' محاوروں اور مثلوں وغیرہ کا خوبصورتی سے ترجمہ کر کے زبان کو وسعت دی ۔ اپنے فطری سلیقے اور غیر معمولی قدرت بیان کی بدولت اظہار خیال کے ہزاروں اسلوب پیدا کردیے ۔ اور اردو کو اس قابل بنادیا کہ اس میں باریک سے باریک خیال اور نازک سے نازک جذبات ادا کیے جاسکیں ۔ اس سلسلے میں میر ۔ سودا ۔ درد اور قائم کے خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان

حضرات کے مندرجہ ذیل دعوے خود ان کی اصلاحی کوششوں کا ثبوت ہیں :-

(میر)

ریختہ کاھے کو تھا اس رتبۂ عالی میں " میر "

جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے

معتقد کون نہیں '' میر '' کی استادی کا

(سودا)

کہے تھا ریختہ کہنے کو عیب ناداں بھی

سو یوں کیا میں کہ دانا ہنر لگا کہنے

(قائم)

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ

اک بات لچرسی بہزبانِ دکھنی تھی

اسی دور میں سید انشا نے دریائے لطافت لکھ کر زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کردیا - اِس معیار کی اشاعت میں رنگین نے سب سے زیادہ کام کیا - بچپن ہی سے اُن میں ایسی جرأت تھی کہ اپنے استاد معظم و محترم بوڑھے شاہ حاتم کو اُن کے شاگردوں مریدوں اور عقیدتمندوں کے مجمع میں ٹوک سکتے تھے سن کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ جرأت بھی بڑھتی

---

[1] دیکھو '' مجالس رنگین '' مجلس اول -

گئي - رنگین ایک خوشحال اور تجارت پیشه شخص تھے اکثر سفر میں رہتے تھے - جہاں جاتے تھے وہاں کے شاعروں اور شاعری سے دلچسپي رکھنے والوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے ' شاعری اور زبان کے مسائل پر بحثیں چھیڑا دیتے تھے - اِن بحثوں کے سلسلے میں بڑے بڑے اُستادوں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر کے اُس پر اصلاح دے دیتے تھے - اِس طرح وہ زبان کی صحت اور فصاحت کے معیار کي اشاعت شہروں شہروں کرتے پھرتے تھے - اُن کی اِس کار گزاری کی تفصیل دیکھنا ہو تو اُن کی کتاب مجالس رنگیں پڑھیے [۱] -

زبان کی اصلاح کے سلسلے میں یہ بات بھي قابل ذکر ہے کہ اِس دور سے پہلے شاہ حاتم کے وقت سے اُردو شاعروں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ هندي کے لفظ ترک کرکے اُن کی جگہہ فارسي اور عربي کے مانوس اور کثرالاستعمال الفاظ کو جگہہ دي جائے - اِس دور میں اِس رحجان کو برابر ترقي ہوتی رہي یہاں تک کہ اِس کے آخری حصے میں فارسي ترکیبوں کا اِستعمال کثرت سے ہونے لگا - '' ہوس '' اور '' ہدایت '' کے کلام میں یہ بات خاص طور پر نمایاں ہے - فارسي شاعري کی تقلید کا رجحان بھی اِس دور سے پہلے شروع ہو چکا تھا - یہ رجحان بھي اِس

---

[۱] یہ دلچسپ اور مفید کتاب سعادت یار خاں ' رنگین دھلوي نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں تالیف کی اس کا ایک اُڈیشن سنہ ۱۲۶۴ میں مطبع محمدی میں چھپا - ایک مدت تک یہ کتاب نہایت کمیاب رهي مذکورہ اڈیشن کے کوئي چوراسی برس بعد راقم حروف نے اس کو ایک مقدمے اور ضروري فہرستوں کے ساتھ ترتیب دیا اور کتاب گھر لکھنؤ نے اس کو سنہ ۱۹۲۹ میں شایع کیا -

دور میں ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ جو تھوڑی بہت خالص ہندی تشبیہیں - استعارے - تلمیحیں وغیرہ اِس دور کے ابتدائی شاعروں کے یہاں نظر آجاتی نہیں آئے چل کر وہ بالکل مفقود ہوگئیں اور انداز بیان اور پرواز خیال دونوں میں فارسی شاعری کی تقلید ہونے لگی -

شاعری اور زبان کی ترقی کے ساتھ خیالات میں نزاکت اور بیانات میں تکلف کا پیدا ہو جانا ضروری ہے - اِس دور کے شعروں کا بیان ابھی قدرتاً اُتنا صاف اور بے تکلف نہیں ہے جتنا اُن کے پیشرووں کا تھا - لیکن اس تکلف تصلع کی حدتک نہیں پہنچتا اِس لیے اُس سے کلام کی صوری خوبیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور معنوی خوبیوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی-

اردو شعرا کے تذکرے پہلے پہل اِسی دور میں لکھے گیے - 'میر' - 'مصحفی' - اور 'قائم' - کے سے کامل استادوں کے لکھے ہوے تذکرے اب بھی موجود ہیں جو اُردو شعر کی تاریخ اور تنقید کے لیے بہت قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں - اِن کے علاوہ اور بھی متعدد تذکرے اِس دور میں لکھے گیے جن میں سے بعض ہندوستانی اور اکثر برطانوی کتب خانوں میں محفوظ ہیں -

اِس دور کے شعرا کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرنے کے بعد اِس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اِن باکمالوں نے اپنی شاعری کو زیادہ تر اپنے پیشرووں کے مضامین میں محدود رکھا - ہاں اتنا ضرور کیا کہ پرانے مضامین کو نئے نئے پہلو نئے نئے اسلوبوں سے نہایت پرلطف اور پراثر انداز میں

پھن گیے - لیکن اِس دور کے آخری حصے کے اکثر شاعروں نے اپنا سارا کمال حسن بیان اور جدت ادا میں صرف کر دیا - البتہ ''رنگین'' اور ''انشا'' نے اتنی جدت ضرور کی کہ ظرافت بلکہ ہزل کو شاعری میں داخل کردیا - ریختی کا ایجاد بھی حقیقت میں ہزل کے لیے ایک نیا میدان تھا - اگر اِس صنف نظم میں عورتوں کے شریف و لطیف جذبات اُنھیں کی زبان میں ادا کیے جاتے تو اُردو شاعری میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہو جاتا -

اِس عہد کے اکثر شعرا بہت پرگو تھے - مثلاً ''میر'' - ''سودا'' - ''مصحفي'' - ''جرات'' - ''رنگین'' - اِس لیے اُن کا تمام کلام یکساں نہیں ہے - بلند اور پست خیالات صوفیانہ اور سوقیانہ جذبات - درباری اور بازاری محاورات اکثر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں -

بہر حال اِن شاعروں نے اُردو زبان اور شاعري کي وہ جلیل‌القدر خدمتیں انجام دیں کہ اُن سے اِن کو غیر فانی عظمتیں حاصل ہوئیں - اور بعض شعرا نے بعض اصناف سخن میں وہ درجہ حاصل کرلیا کہ اُن کي صنف خاص میں اُن کا کوئی نظیر نہ اب تک ہوا ہے نہ آئیندہ ہونے کی اُمید ہے - غزل میں میر کو قصیدے میں ''سودا'' کو - مثنوی میں حسن کو - صوفیانہ شاعری میں ''درد'' کو معاملہ بندی میں جرأت کو ' ہزل میں انشا کو ' وہ مرتبہ حاصل ہوا جو پھر کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا - مختلف اصناف سخن کے اتنے بڑے بڑے استاد کسي دور میں جمع نہیں ہوئے - اس دور کے باکمال شعرا کو جو عظمت اپنی زندگي میں حاصل تھي اس میں آج تک

کوئی کمی نہیں ہوئی اور جب تک اردو زبان باقی ہے ان کی یہی عظمت باقی رہے گی - مگر یہ فخر حضرت سلطان الشعرا میر تقی میر کے لیے مخصوص ہے کہ ان کے ہم عصروں سے لے کر آج تک کے تقریباً تمام ممتاز شعرا نے دل کھول کھول کر ان کی مدح کی ہے -

اس دور کی زبان میں بعض صرفی و نحوی خصوصیتیں ایسی نہیں جو بعد کو باقی نہیں رہیں اور بہت سے لفظ اور محاورے ایسے تھے جو آگے چل کر متروک ہوگئے یا ان میں کچھ لفظی یا معنوی تغیر ہوگیا - مثلاً اب جن حالتوں میں افعال متعدی کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری ہے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروری نہ تھا مثلاً 'میں دیکھا' میں کیا - میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے - فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضی تمنائی کے صیغوں پر 'ہے' اور اس کے اخوات کا اضافہ کرتے ہیں - اس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر 'ہے' وغیرہ بڑھاتے تھے - ''اور آتا ہے'' ''کہتے ہیں'' ''پوچھتے ہو'' ''مارتا ہوں'' کی جگہ '' آئے ہے '' '' کہیں ہیں '' پوچھو ہو '' ماروں ہوں بولتے تھے - اسی طرح کہتا تھا سکتا تھا کی جگہ کہے تھا سکے تھا کہتے تھے - جمع کی حالت میں مونث فعلوں کے ماضی کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کی آخری '' ی '' کے بعد الف نون بڑھاتے تھے اور '' آئیں '' - '' چلیں '' - '' دیکھیں '' کی جگہ '' آئیاں '' - '' چلیاں '' - '' دیکھیاں '' اور '' آتی ہیں '' '' بستی ہیں '' - '' ترستی ہیں '' کی جگہ '' آتیاں ہیں '' -

"بستیاں هیں" - "نرستیاں هیں" بولتے تھے - فارسی اسموں
کی جمع فارسی قاعدے سے الف نون بڑھاکر ترکیب فارسی کی
حالت میں اب بھی بولتے هیں - مگر اُس عہد میں بغیر
ترکیب کے بھی لاتے تھے یعنی خوباں - محبوباں - یاراں -
بلبلاں وغیرہ انفراداً بھی اِستعمال کرتے تھے - "آکے" "هوکر"
وغیرہ کی جگہہ "آئے کے" "هوے کے" وغیرہ کا اِستعمال قدیم
زمانے میں عام تھا اِس دور میں بھی "میر" نے "ڈھاکر"
کی جگہہ "ڈھاے کر" نظم کیا ہے مگر یہ صورت اِستعمال اِس
عہد میں بہت شاذ تھی - جب مونث اسم جمع کی حالت
میں موصوف واقع هوتا تھا تو اُس کی صفت بھی کبھی کبھی
جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر
میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً "کڑیاں ساعتیں" - "بھاریاں"
"بیڑیاں" - "کو" کے محل پر کے "تئیں" تو اب تک
لوگوں کی زبان پر ہے لیکن "تک" کی جگہہ "تئیں" کا
کا اِستعمال اس دور سے مخصوص تھا مثلاً "کب تئیں"
"یہاں تئیں" کبھی کبھی "تک" کی جگہہ "لگ"
بھی لاتے تھے مثلاً "کب لگ" جن حروف معنوی کے آخر
میں اب "واو" یا "ی" ہے ان کے آخر میں اکثر
نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً "کو" "سو" "نے" "سے" کی
جگہ "کوں" "سوں" - "نیں" - "سیں" بولتے تھے - ضمیر
حاضر "تو" کی جگہ "توں" اور کبھی کبھی "تیں" بھی
استعمال کرتے تھے - بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً
"اِدھر" - "اُدھر" - "جدھر" - "کدھر" - "لہو" - "جنگ"
"لگا" - "بجنا" - "پھٹنا" - مٹی - پھر کو "اِدھر" - "اُدھر"

"جدھر" - "کدھر" - "لوھو" - "جاگہ" - "لاگا" - "باجنا" - "پھاٹنا" - "ماتی" - "پھیر" - بھی کہتے ھیں- بعد کو ان لفظوں کي صرف پہلي صورتیں جو مختصر تھیں باقی رہ گئیں اور دوسری صورتیں متروک ھو گئیں - بعض لفظوں کے تلفظ میں صرف زرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً "هلنا" - "گھسنا" اُس زمانے میں "هلنا" اور "گھسنا" تھے - بعض لفظوں کے استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا مثلاً "اُن کو" "جن کے" کي جگہ "اُنھوں کو" "جنھوں کے" اور "میرے" "تیرے" کی جگھ "مجھ" "تجھ" بھي بولتے تھے - "جس" کا صلہ "تس" اور "جدھر" کا "تدھر" رائج تھا - اب ان کی جگھ "اُس" اور "اُدھر" لاتے ھیں - "کسو" - "کبھو" "جیو" "جیوں" - "سیتي" کہ "تو" اب "کسي" "کبھي" - "جي" - "جوں" - "سے" کب "تب" ھو گیے ھیں - "اُس نے" "جس نے" کي جگھ اُس زمانے میں "اُن نے" "جن نے" بولتے تھے - لفظوں کی تذکیر و تانیث میں بھي کہیں کہیں اختلاف تھا مثلاً "مزار" کو مونث اور "خلش" کو مذکر بولتے تھے -

اب تک جن لفظوں کا ذکر دیا دیا وہ تھوڑے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اب بھي بولے جاتے ھیں - اِن کے علاوہ اُس دور میں ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو بالکل متروک ھوگیے اور اُن کی جگھ نئے لفظوں نے لے لی - مثال کے طور پر اِس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ھیں - ندان - آخر - آخرکار" - "بستار - پھیلاؤ" - "اُور - طرف" -

'' نگر - شہر '' - '' تک - ذرا '' - '' نت - ہمیشہ'' - '' تلک - ذراسا '' - '' باس - بو - خوشبو '' - '' پون - ہوا '' - '' بچن - بات - قول '' - '' مکھ - منہ '' - '' زور - خوب '' - بہت '' - '' ٹھور - ٹھانوں - جگھہ '' - '' وے - وہ کی جمع '' - '' انکھیاں - آنکھیں '' - '' کنے - کے پاس '' - '' کے بیچ - میں '' - '' موندنا بند کرنا '' - '' گہنا - پکڑنا '' - ان میں کے بعض لفظوں کا استعمال اُسی دور میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ دور کے آخر میں بالکل ترک ہو گیے - بعض زیادہ مدت تک رائج رہے - بعض جن کی تعداد بہت کم ہے آج تک کسی کسی کے زبان پر جاری ہیں مگر لکھنے میں مدت سے نہیں آتے مثلاً '' کسو '' - '' کد '' - '' کدھی '' - '' آتیاں ہیں ''-

سید '' انشا '' نے چند لفظ مثلاً جھمکڑا واچھوے - بھلرے - ایسے نظم کردیے ہیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے - اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ متین شاعروں کی سنجیدہ شاعری کے لیے اِس طرح کے لفظ جس قدر نامناسب تھے ظریف طبع انشا کی ہزل آمیز شاعری کے لیے اُتنے ہی مناسب تھے - وہ اپنی شاعری سے سامعین پر جس طرح کا اثر ڈالنا چاہتے تھے اُس کے لیے اِن لفظوں سے اُن کو مدد ملتی تھی -

اس دور کی خصوصیتوں اور اس کے نمایندوں کے کارناموں سے تفصیلی بحث کرنا یہاں منظور نہیں ہے - اِن چیزوں کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا مقصود ہے اس لیے اس اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

میر

بارھویں صدی ھجری کی پہلی چوتھائی گزرنے کے بعد اکبرآباد کی زمین پر ایک ستارہ نمودار ہوا جو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا - کون اُردو داں ہوگا جو میر محمد تقی میر سے واقف نہ ھو -

خدائے سخن حضرت میر کے والد بزرگوار ایک صوفی منش ' درویش صفت بزرگ تھے ' نام محمد علی تھا مگر اپنے زھدواتقا کی بدولت علی متقی کہلاتے تھے - ایک مرتبہ اثنائے سفر میں اُن کی نظر کیمیا اثر نے بیانہ کے ایک نوجوان کو ایسا متاثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اُن کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا - آخر شوق کی رھنمائی سے اُس کو منزل مقصود کا پتا مل گیا - اکبرآباد پہونچ کر اُس نے میر علی متقی کا دامن ایسا مضبوط پکڑا کہ مر کے چھوڑا - میر تقی کی تربیت اِسی تارک دنیا درویش سید امان اللہ کی گود میں ہوئی -

ابھی میر صاحب کی عمر صرف دس برس کی تھی کہ سید امان اللہ نے انتقال کیا - اس حادثے نے اُن کو سخت صدمہ پہونچایا اور اُن کے والد تو اس غم میں ایسے پڑے کہ پھر نہ اُٹھے - باپ کی نا وقت موت سے میر صاحب پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا - سوتیلے بڑے بھائی نے کل ترکے پر قبضہ کر کے

ان کو ستانا شروع کیا - جب اپنے گھر میں بیٹھلے کا ٹھکانا نہ رھا تو انھوں نے معاش کي تلاش اور علم کے شوق میں دھلي کا رخ کیا - وھاں ان کے انھیں برادر یوسف کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو موجود تھے جو علم و فضل میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے - میر صاحب نے انھوں کے یہاں قیام کیا - مگر وہ سرچشمۂ علم ان کے لیے محض ایک سراب ثابت ھوا -

خاں آرزو کی بے توجھي اور بدسلوکی سے تنگ آکر میر صاحب نے اُن کے یہاں کے قیام کو سلام کیا - خواجہ محمد باسط نے اپنے چچا امیرالامراء نواب صمصام الدولہ سے اُن کي سفارش کی اور نواب نے اُنکا کچھہ وظیفہ مقرر کر دیا - ایک ذي علم بزرگ میر جعفر عظیم آبادي نے اُن میں تحصیل علم کا شوق دیکھہ کر اُن کو بڑي محبت اور دلسوزي سے پڑھانا شروع کیا -

کچھہ زمانے کے بعد امروھہ کے ایک سید سعادت علي خاں سے ملاقات ھوئی انھوں نے ان کي طبیعت کا رنگ دیکھہ کر ریختہ میں شعر کہنے کی صلاح دی - ان امروھوي سید صاحب کي مزاج شناسي نے وہ ساز چھیڑ دیا جس کے نغموں سے تھوڑے ھی دنوں میں سارا شہر گونج اتھا -

خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کے یہاں ماھوار مشاعرے ھوا کرتے تھے - میر صاحب ان مشاعروں میں پابندي سے شرکت کرتے تھے - خواجہ ناصر ایک صاحب کشف بزرگ تھے - اُنھوں نے میر کا کلام سن کر ابتداھی میں اُن سے کہہ دیا تھا کہ ایک دن تم میر مجلس ھو جاؤ گے - آخر وہ پیشین گوئي

پوری هو کر رهی - جب اتفاقات زمانہ نے اس محفل کو درهم و برهم کر دیا تو میر صاحب اپنے یہاں هر مہینے مشاعرہ کرنے لگے -

میر صاحب نے وہ زمانہ پایا تھا کہ دہلی کی سلطنت بالکل کمزور هو گئی تھی - امیروں جاگیرداروں اور صوبہ داروں کی باهمی جنگیں احمد شاہ درانی کے حملے اور مرهٹوں کے تاخت و تاراج سے ایک هلچل پڑی هوئی تھی - شہر تباہ هو رهے تھے ' آبادیاں ویران هو رهی تھیں ' خاندانی عظمتیں مٹ رهی تھیں ' آبائی دولتیں لٹ رهی تھی ' میر صاحب زمانے کے یہ غیر معمولی اور تیز افتار اِنقلابات دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنی ذات پر انکا اثر محسوس کرتے تھے -

اِس دور انقلاب میں میر صاحب کئی مسلمان امیروں اور متعدد هندو راجاؤں کے دامن دولت سے وابستہ رهے - جہاں جاتے تھے لوگ اُن کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے - وہ اپنے اِنھیں هندو مسلمان مربیوں کے ساتھ جنگوں کے میدانوں میں بھی دکھائي دیتے هیں - جہاں هم اُن کو کبھي سفارت کی اهم خدمت انجام دیتے هوے دیکھتے هیں اور کبھي دو فریقوں میں مصالحت کی کوشش کرتے هوئے پاتے هیں - اِن حالات سے صاف ظاهر هے کہ شاعر هونے کي حیثیت سے جو عظمت میر صاحب کو حاصل تھی اُسکے علاوہ بھي اس عہد کے بڑے سے بڑے لوگوں کی نظر میں اُن کي شخصیت کا وقار اور انکی معاملہ فہمي ' نیک نیتي ' اور بے تعصبی کا اعتبار تھا -

ایک زبردست اور وسیع سلطنت کے ضعف سے نتائج کا جو سلسلہ شروع هو جاتا هے وہ کہیں جاکر ختم هو لیکن طوائف

السلوکي ' خانه جلگي ' خانماں بربادی اور شریف کُردی کی منزلیں ضرور پیش آتي هیں - میر صاحب کے زمانے میں دهلي انهیں منزلوں سے گذر رهی تهي ' اور شرفائے دهلي ترک وطن پر مجبور هو رهے تهے - میر صاحب ایک مدت تک انقلابوں کے هاتهوں تکلیفیں اتهاتے رهے ' مگر دهلی کي سکونت ترک نهیں کي - آخر جب گذر اوقات کی کوئي صورت نه رهي تو ١١٩٧ هجری میں نواب آصف الدوله کي طلب پر لکهنؤ گئے - نواب نے تین سو روپے ماهوار وظیفه مقرر کردیا - اُس زمانه کے تین سو آج کے تین هزار سمجهنا چاهئے - اِس معقول وظیفے کي بدولت میر صاحب عزت اور خوشحالي سے بسر کرنے لگے - آخر ١٢٢٥ هجری میں لکهنؤ هي میں انتقال کیا - کچهه کم سو برس کي عمر پائي -

میر صاحب بڑے متوکل ' ذی حسن اور غیور بزرگ تهے - اِن صفتوں نے اُن کو نازک مزاج بهي بنا دیا تها - اُن کی خود داری بڑے سے بڑے امیروں کی خوشامد اور بیجا ستائش کو جائز نه رکهتي تهي - ان کي صاف دلي اور انصاف پسندی معائب کے اظهار میں بیباک اور محاسن کے اعتراف میں فیاض تهي - وه قناعت کا مجسمه تهے - بعض اوقات فاقوں میں بسر کي مگر کسي کے آگے هاتهه نهیں پهیلایا ' لیکن قناعت کا وفور احسان مندي کے احساس پر غالب نهیں آگیا تها - وه چهوتي سے چهوتي اعانت کا بالاعلان شکریه ادا کرتے تهے - نازک دماغ ایسے تهے که بڑے سے بڑے نفع کو ٹهکرا دیتے تهے ' مگر کوئي خلاف مزاج بات برداشت نه کرسکتے - وه شیشے کا دل اور فولاد

کا جگر رکھتے تھے بڑی بڑی کڑیاں جھیل سکتے تھے، مگر کڑی بات نہ اٹھا سکتے تھے - وہ اپنے کمال سے بخوبی واقف تھے مگر ایسے خود بیں نہ تھے کہ کسی اور کا کمال اُن کو نظر نہ آتا ہو -

میر صاحب کو فطرت نے ایک درد بھرا دل عطا کیا تھا، جن گودوں میں اُنھوں نے تربیت پائی، جن تکلیفوں میں اُنکی زندگی بسر ہوئی، اور جو انقلابات اُن کی آنکھوں نے دیکھے، اِن سب کے اثر نے ان کو سراپا درد بنا دیا - اور دنیا اور اسباب دنیا کو اُنکی نظر میں بالکل بے وقعت کر دیا - اسی اِستغنا، بلند خیالی، اور درد مندی نے اُن کی شاعری میں وہ شان پیدا کر دی جو کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی - عشق و محبت بھی میر کے طبیعت کا ایک فطری عنصر تھا، جسکو ان کے والد کی تعلیم اور میر امان اللہ کی مثال نے اتنی ترقی دی کہ وہ تمام دیگر عناصر پر غالب آ گیا - میر صاحب کی شاعری کو عشق کی زبان کہیں تو زیبا ہے -

میر کے لیے شاعری نہ کوئی صنعت تھی نہ تفنن طبع کا ذریعہ، بلکہ شاعری اُنکی ذات کا ایک جز اور اُن کی طبیعت کا ایک عنصر تھی - وہ شاعر پیدا ہوئے تھے - اپنی شاعری کا موضوع بیشتر وہ خود ہی ہیں، لیکن اُن کی یہ انانیت اکثر ذاتی اور انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت کا ایک نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہے - فطرت نے اُن کو شریف و لطیف جذبات اور عالمگیر محبت و ہمدردی عطا کی تھی، اُنکا معیار انسانیت بہت بلند تھا، جس میں استغنا اور عزت نفس کو

بہت بڑا درجہ حاصل تھا ' انکا دل درد اور ہمدردی سے اسقدر لبریز تھا کہ وہ کسی کی مصیبت دیکھ نہ سکتے تھے - چونکہ اُنکی شاعری اُن کے قلبی کیفیات کی صحیح تفسیر ہے اس لیے وہ بھی اُنھیں شریف جذبات اور بلند خیالات سے بھری پڑی ہے - میر کی شاعری سے میر کی سچی تصویر تصور کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے -

زبان میں انتہا کی صفائی ' بیان میں حد کی دلکشی اور زور ' کلام میں ترنم - خیالات میں سادگی ' جذبات میں بلندی ' طبیعت میں دردمندی ' انسانی فطرت کے دقیق رازوں تک نگاہ کی رسائی واردات قلبی کی صحیح ترجمانی میر کی شاعری کے خاص خصوصیات ہیں - ان خصوصیات نے میر کی شاعری کو درد و اثر کا ایک طلسم بنا دیا ہے - اور میر کو غزل گوئی کا سب سے بڑا استاد منوا دیا ہے - یہ فخر صرف میر ہی کو حاصل ہے کہ ان کے ہمعصروں سے لے کر آج تک کے اکثر با کمال شعرا نے اُن کے کمال کا پرزور لفظوں میں اعتراف کیا ہے - ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :—

(مرزا سودا)

" سودا " تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ

ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(شیخ مصحفی)

اے " مصحفی " تو اور کہاں شعر کا دعوی

پھبتا ہے یہ انداز سخن " میر " کے منہ پر

(شیخ " ناسخ ")

شبہ " ناسخ " نہیں کچھ " میر " کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

(خواجہ " آتش ")

" آتش " بقول حضرت " سودا " شفیق من
ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(مرزا " غالب ")

" غالب " اپنا بھی عقیدہ ہے بقول " ناسخ "
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو " غالب "
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی " میر " بھی تھا

(" ذوق ")

نہ ہوا پر نہ ہوا " میر " کا انداز نصیب
" ذوق " یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

(" عیش ")

ہے سچ تو یہ شعرائے جہاں میں " عیش " فقط
کلام " میر " ہے البتہ دل پزیر اپنا

(میر " مجروح ")

یوں تو ہیں " مجروح " شاعر سب فصیح
" میر " کی پر خوش بیانی اور ہے

ق

(" رند ")

شیخ "ناسخ" خواجہ "آتش" کے سوا بالفعل "رند"
شاعران ہند میں کہتے ہیں طرز "میر" ہم

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے "میر" سے
عاشق ہیں "رند" ہم تو اسي بول چال کے

(" عرش ")

لاکھ تقلید کیجئے اے "عرش"
پر کب انداز "میر" آتا ہے

(" شاد " لکھنوي)

میں ہوں وہ طوطي ہندوستاں "شاد"
زبان جس کي ہے مثل "میر" اُردو

(مولوي اسمعیل)

یہ سچ ہے کہ "سودا" بھي تھا استاد زمانہ
میري تو مگر "میر" ھي تھا شعر کے فن میں

(مرزا "داغ")

"میر" کا رنگ برتنا نہیں آساں اے "داغ"
اپنے دیواں سے ملا دیکھئے دیواں اُن کا

(" جلال " لکھنوي)

کہنے کو "جلال" آپ بھی کہتے ہیں وھی طرز
لیکن سخن میر تقی "میر" کی کیا بات

(امیر مینائی)

شاعري میں "امیر" کي خاطر
"میر" اپني زبان چھوڑ گئے

(امداد امام "اثر")

لیکن "اثر" جو چشم حقیقت سے دیکھئے
کوئی غزل سرا نہ ہوا "میر" کي طرح

(اکبر الہ‌آبادي)

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں "اکبر"
"ناسخ" و "ذوق" بھی جب چل نہ سکے "میر" کے ساتھ

("حسرت" موہاني)

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بےمثل ہے "حسرت" سخن "میر" ابھی تک

(مولانا "صفی" لکھنوي)

ابیات غزل میں سادہ‌تر وہی
ہر نغمۂ دلکش میں بم و زیر وہی
"حافظ" کا جو فارسي میں رتبہ ہے "صفی"
اردو میں ہے مرتبۂ "میر" وہی

تمام شعرا کے دیوان اس نظر سے دیکھے جائیں تو شاید ہی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نکلے جس نے کسي نہ کسي عنوان سے "میر" کے شاعرانہ کمال کا اعتراف نہ کیا ہو - اس زمانے کے متعدد شاعروں نے "میر" کي مدح میں مستقل نظمیں بھی لکھی ہیں - اگر میري یاد غلطي نہیں کرتی تو مولانا

" عزیز '' لکھنوي - حضرت '' اثر '' لکھنوي اور جناب " فرخ "
بنارسی کي نظمیں اِس موضوع پر میري نظر سے گزري هیں -

غزل میں تو '' میر '' کا کوئي مقابل هے هی نهیں -
مثنوي میں بھی ان کا پایه بهت بلند هے - اور اُردو میں وہ
اس وقت کے موجد هیں - دیگر اصناف سخن میں بھی
میر صاحب نے اپنے شاعرانه کمال کے جوهر دکھائے هیں مگر ان
کے کمال غزل گوئي کے سامنے کسي اور چیز پر نظر نهیں پڑتي -

'' میر '' کي شهرت صرف اردو شاعر کي حیثیت سے هے
مگر ان کی متعدد تصنیفات فارسی نظم و نثر میں بھي موجود
هیں اُن کي جتني تصنیفیں اب تک مل چکي هیں ان
کے نام اور مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی هے -

۱—۶ اردو غزلوں کے چھ دیوان - جن میں چند قصیدے
بھی شامل هیں -

۷ - دیوان هفتم - اس میں غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ
" میر '' کي تمام نظمیں جمع کردي گئي هیں - ان نظموں
میں مثنویاں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی هیں -
میر کی مثنویوں کا ایک مجموعه سر شاہ محمد سلیمان صاحب
چیف جسٹس الہ آباد هائی کورٹ نے چند سال هوئے مثنویات
'' میر '' کے نام سے شائع کردیا -

۸ - دیوان مراثي - یه سلاموں اور مرثیوں کا مجموعه هے
اور میر کا جو مطبوعه کلیات آجکل دستیاب هوتا هے اس میں
شامل نهیں هے - مگر اسکا ایک قدیم قلمي نسخه راقم کی

نظر سے گذرا ھے اور اس کي ایک نقل راقم کے کتب خانہ میں موجود ھے -

۹ - دیوان فارسي - اس کا جو نسخہ میرے پاس ھے اس میں بہت سی غزلیں ' متعدد رباعیاں ' ایک مثنوي اور ایک مسدس شامل ھے -

۱۰ - نکات الشعرا - یہ اُردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ ھے -

۱۱ - ذکرمیر — اس کتاب میں " میر " نے کچھ اپنے اور زیادہ تر اپنے زمانے کے حالات لکھے ھیں - یہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد کي مستند تاریخ ھے -

۱۲ - فیض میر — یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ھے جس میں " میر " نے چند صوفي درویشوں کے چشم دید حالات نہایت دلکش فارسی عبارت میں لکھے ھیں - اس دلچسپ رسالے کو راقم نے پہلے پہل ۱۹۲۹ع میں ایک مقدمہ اور اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا -

۱۳ - ایک قصہ فارسی نثر میں — یہ وھي قصہ ھے جس کو " میر " نے اپني اُردو مثنوی شعلۂ عشق میں نظم کردیا ھے ان کتابوں میں سے دیوان فارسي - ذکرمیر اور فیض میر کا ایک ایک قدیم قلمي نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ھے - اور نمبر ۱۳ میں جس فارسي قصہ کا ذکر ھے اسکا ایک قلمي نسخہ ریاست رامپور میں ایک صاحب کے پاس ھے -

" میر " کي اِن تصنیفات سے ظاھر ھے کہ وہ فارسي کے زبردست انشا پرداز اور شاعر بھي تھے - مورخ بھی تھے - افسانہ

نگار بھی تھے اور فلسفی بھی تھے - افسوس ھے کہ ان کے قلم
سے نکلی ھوئی اُردو نثر کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ھوئی -
لیکن فورٹ ولیم کالج میں اُردو کتابوں کی تالیف و تصنیف کے
لیے اُن کا بلایا جانا ثابت کرتا ھے کہ اُن کا شمار اُردو کے اعلیٰ
درجے کے نثاروں میں بھی تھا -

انتخاب

ہنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

قطعہ

کل ' پانؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ہجراں کے جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا

کفر کچھ چاھئے اسلام کي زینت کے لئے
حسن ' زنار ھے تسبیح سلیماني کا
جان گھبراتي ھے اندوہ سے تن میں کیا کیا ؟
تنگ احوال ھے اس یوسف زنداني کا

اُمیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ھي آتے یارو قیامت کو کیا ھوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کے کیا خجل
اے چشم ! جوش اشک ندامت کو کیا ھوا
جاتا ھے یار تیغ بہ کف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ھوا

کہا میں نے کتنا ھے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
جگر ھی میں اک قطرہ خوں ھے سر شک
پلک تک گیا تو تلاطم کیا

اُلٹی ھو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جواني رو رو کاٹا ' پیری میں لیں آنکھیں مُند
یعني رات بہت تھے جاگے صبح ھوئي آرام کیا
ناحق ھم مجبوروں پر ' یہ تہمت ھے مختاری کي
چاھتے ھیں سو آپ کرے ھیں ھم کو عبث بدنام کیا

۱

سرزد هم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئي
کوسوں اُس کے اُور گئے ' پر سجدہ ہر ہر گام کیا
یاں کے سفیدوسیہہ میں هم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
ساعد سمیں دونوں اس کے هاتھہ میں لاکر چھوڑ دئے
بھولے اس کے قول و قسم پر هائے خیال خام کیا
میر کے دین و مذھب کو اب پوچھتے کیا ہو؟ اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

وعدہ تو کیا اُس نے دم صبح کا لیکن
اس دم کے تئیں مجھہ میں اگر جان رہے گا
چمتے رهیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رهے گا

ترا دور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
هم خاک کے آ سودوں کو آرام ! نہ آیا
بےهوش مئے عشق هوں ' کیا میرا بھروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا
نے خون هو آنکھوں سے بہا تک نہ هوا داغ
اپنا تو یہ دل " میر " کسو کام نہ آیا

زنداں میں بھي شورش نہ گئی اپنے جنوں کي
اب سنگ مداوا ہے اِس آشفتہ سري کا

آفاق کي منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
لے سانس بھي آهسته که نازک هے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گري کا
تک "میر" جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا هے چراغ سحري کا

ملنھ تکاهی کرے هے جس تس کا | حیرتی هے یه آئینه کس کا ؟
شام سے کچھہ بجھا سا رهتا هے | دل هوا هے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رهے هیں سب | هاتھہ دستہ هوا هے نرگس کا
فیض ، اے ابر ! چشم ترسے اُٹھا | آج دامن وسیع هے اِس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے | حال هي اور کچھہ هے مجلس کا

اولجھاؤ پڑگیا جو همیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز ، جان کا جنجال هوگیا

لیتے هي نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے هو
هے خیر "میر" صاحب کچھہ تم نے خواب دیکھا

دل بهم پهونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا
آپڑي ایسي یه چنگاري که پیراهن جلا

جب جلوں سے ہمیں توسل تھا   اپنی زنجیر پاہی کا غل تھا
بسترا تھا چمن میں جوں بلبل   نالہ سرمایۂ توکل تھا
اُن نے پہچان کر ہمیں مارا   منھ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار   یاد ایام' جب تحمل تھا

اک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دور میں ناسور ہوگیا
شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی کبھو
اب دیدۂ ترکو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا
رکھ ہاتھ دل پر ''میر'' کے دریافت کر کیا حال ہے ؟
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بےتاب سا

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں ہماری ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ   ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا

نالہ ہم خاکساروں کا آخر خاطر عرش کا غبار ہوا
وہ جو خنجر بکف نظر آیا "میر" سو جان سے نثار ہوا

مانند شمع مجلس' شب اشکبار پایا
القصہ "میر" کو ہم بے اختیار پایا
شہر دل ایک مدت' اُجڑا بسا غموں سے
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آھوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے "میر" شب سے
واں جاکے صبح دیکھا' مشت غبار پایا

آخر کو مرگئے ھیں اس کی ھي جستجو میں
جی کے تئیں بھي کھویا لیکن اُسے نہ پایا
ھونا تھا مجلس آرا گر غیر کا تجھے' تو
مانند شمع مجھ کو کاھے کو تیں جلایا

دي آگ رنگ گل نے واں اے صبا چمن کو
یاں ھم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
کم فرصتی جہاں کے مجمع کي کچھ نہ پوچھو
احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا
یا روئے یا رُلایا' اپني تو یوں ھی گذري
کیا ذکر' ھم صفیراں! یاران شادماں کا

کیا طَرَح ھے آشنا کاھے ' کبھے نا آشنا
یا تو بیگانہ ھي رھئے ھوجئے یا آشنا
کون سے یہ بحر خوبی کي پریشاں زلف ھے
آتی ھے آنکھوں میں میري موج دریا آشنا

ھمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ھم نے تھام تھام لیا
خراب رھتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا
مرے سلیقے سے میري نبھی تھی قسمت میں
تمام عمر ' میں ناکامیوں سے کام لیا

سیر کے قابل ھے دل صدپارہ اس نخچیر کا
جس کے ھر ٹکڑے میں ھو پیوست پیکاں تیر کا

بوئے خوں سے جي رکا جاتا ھے اے باد بہار
ھوگیا ھے چاک، دل شاید کسي دلگیر کا
بس طبیب اُٹھ جا! مری بالیں سے مت دے درد سر
کام جاں آخر ھوا ' اب فائدہ تدبیر کا
کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ھے تک چھرا تو دیکھو " میر " کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جي پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھي یا روز جنگ تھا
کثرت میں درد و غم کے نہ نکلي کوئي طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا
مت کر عجب جو "میر" ترے غم میں مرگیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھي ڈھنگ تھا؟

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں اب تھا
دل جو نہ تھا تو رات ' زخود رفتگی میں "میر"
گہہ انتظار ' گاہ مجھے اضطراب تھا

کچھ نہیں سوجھتا ہمیں ' اس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہي
کیا پتنگے نے التماس کیا

مدت آبروئے زاهد علامہ لے گیا
اک مغ بچہ ' اتار کے عمامہ لے گیا
داغ فراق و حسرت وصل ' آرزوے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھي هنگامہ لے گیا

— —

اے تو کہ یہاں سے عاقبت‌کار جاے گا
غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے کہا مجھے
بےچارہ ' کیونکہ تا سر دیوار جائے گا
تدبیر میرے عشق کي ' کیا فائدہ ? طبیب !
اب جان هی کے ساتھ یہ آزار جائے گا
انے میں اس کے حال ہوا جائے هے بغیر
کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائے گا
دیگی نہ چین ' لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے هاتھ سے تلوار جائے گا

—

کیا کہوں کیسا ستم ' غفلت سے مجھ پر هو گیا
قافلہ جاتا رہا میں صبح هوتے سو گیا
مدعا جو هے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں
ایک عالم جستجو میں جي کو اپنے کھو گیا
بےکسی مدت تلک برساکي اپني گور پر
جو هماری خاک پر سے هو کے گذرا ' رو گیا

—

مت هو دشمن اے فلک ! اس پائمال راہ کا
خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیراللہ کا
جو سدا ہشیار ' اس میخانے میں تھا بےخبر
شوق ہی باقی رہا ہمکو دل آگاہ کا
شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازی گاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل
آغاز ' مرے غم کا انجام نہیں رکھتا
ناکامئی صد حسرت ' خوش لگتی نہیں ورنہ
اب جی سے گذر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

تو وہ متاع ہے کہ پڑی جس کی تجھ پہ آنکھ
وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

اٹھ اے نالہ ہے خدا کا ناؤں بس تو نہ اسماں سے نکلا
نامرادی کی رسم ' میر ' سے ہے طور یہ ' اس جوان سے نکلا

گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تونے کہ یاں جی نکل گیا

گرمئی عشق مانع نشوونما هوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو ' کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی هوئی تھی و لیکن سنبھل گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا
هوش جاتا نہیں رها لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار '' میر '' اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام هوگا

رہ طلب میں گرے هوتے سر کے بھل هم بھی
شکستہ پائی نے اپنی همیں سنبھال لیا
بتاں کی '' میر '' ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

قدر رکھتی نہیں متاع دل
سارے عالم میں ' میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی
اُس کو یہ ناتواں، اُٹھا لایا
ابتدا ھی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ھیں بت‌کدے سے "میر"
پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

——

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرائے بجلی!
جلانا کیا ھے مرے آشیاں کے خاروں کا
ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ھیں شاید
کہ روزگار کے سر خون ھے ھزاروں کا
تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ھو اُسے
جہاں میں کچھ تو رھا نام بے قراروں کا
تری ھی زلف کو محشر میں ھم دکھا دیں گے
جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا

——

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل
ھوگا کمیں میں ھاتھ کسو داد خواہ کا

——

دل سے شوق رخ نکونہ گیا
تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

هر قدم پر تھي اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا
سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

——

گل و بلبل بہار میں دیکھا ایک تجھ کو هزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید هیں آنکھیں یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو ''میر'' سنتے تھے اُن کو اس روزگار میں دیکھا

——

مہر کي تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
اشک تر، قطرۂ خوں، لخت جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہتر نکلا
داغ هوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیئے گھر سے تو باهر نکلا
دل کي آبادي کی اس حد هے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا هے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
همنے جانا تھا لکھے گا تو کوئي حرف اے ''میر''
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

——

هم رہ روان راہ فنا هیں بہ رنگ عمر
جاویں گے ایسے، کھوج بھي پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں "میر" باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

دھوکھا ہے تمام بحر دنیا دیکھے گا نہ ہونٹھ تر نہ ہوگا
آئی جو شکست آئنے پر روے دل یار ادھر نہ ہوگا
پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں ماتم زدہ "میر" اگر نہ ہوگا

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام
ناصح جو تو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا
جیتے تو ان نے "میر" مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹا، گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

میں نہ کہتا تھا کہ منھ کر دل کی اور
اب کہاں وہ آئینہ ' ٹوٹا گیا
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر ' سو مرتبہ لوٹا گیا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے "میر" ایسا سودا نہ ہوا ہو گا

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت میں ہوئے ہم
پر سیر ہو اُس شخص کا دیدار نہ پایا

چشم خوں بستہ سے کل رات ' لہو پھر تھما
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو
کشمکش میں بےقراري کے یہ پھوڑا چھل گیا
رشک کي جاگہہ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کي "میر"
نعش کے همراہ جس کي گور تک قاتل گیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے ''میر''
مذہب عشق اختیار کیا

——

دکھ اب فراق کا، ہم سے سہا نہیں جاتا
پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر
کب آ کے خون میں، میں یاں نہا نہیں جاتا
خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے ''میر''
کہ ٹک بھی اس کنے اس بن رہا نہیں جاتا

——

سمجھے تھے ہم تو ''میر'' کہ ناسور کم ہوا
پھر ان دنوں میں، دیدۂ خوں بار نم ہوا
آئے بہ رنگ، ابر عرق ناک تم ادھر
حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا
کافر! ہمارے دل کی نہ پوچھ اپنے عشق میں
بیت الحرام تھا سو وہ بیت الصنم ہوا

——

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھی کبھو گذرا نہ پر فشانی کا

نمود کر کے وھیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو "میر" بھی اک بلبلا تھا پانی کا

——

موا میں سجدے میں پر نقش میرا بار رہا
اُس آستاں پہ مری خاک سے غبار رہا
کبھی نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کی طرح
تمام عمر ہمیں اس کا انتظار رہا
بتوں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا

——

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا
اُس کے دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا
خاک تک کوچۂ دل دار کی چھانی ہم نے
جستجو کی پہ دل گم شدہ پایا نہ گیا
مہ نے آ سامنے' شب' یاد دلایا تھا اسے
پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا
ہم سے ہی حال تبہ اپنا دکھایا نہ گیا
زیر شمشیر ستم "میر" تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

——

دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

میں تو تھا صید زبوں صید کہ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

——

خوف آشوب سے غوغائے قیامت کے لئے
خون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
"مہر" مت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سلایا نہ گیا

——

گریباں سے رہا کو نہ تو پھر ہے
ہمارے ہاتھ میں دامن ہمارا
ہوا رونے سے راز دوستی فاش
ہمارا گریہ تھا دشمن ہمارا
بہت چاہا تھا ابر تر نے لیکن
نہ مہلت کھل ہوا گلشن ہمارا
چمن میں ہم بھی زنجیری رہے ہیں
سنا ہو گا کبھی شیون ہمارا

——

گلیوں میں اس کی، اب تک مذکور ہے ہمارا
افسانۂ محبت مشہور ہے ہمارا
بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو
کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں "میر" ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

سحر گہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ
کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیراہی رو تھا
نہ دیکھا "میر" آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کوبہ کو تھا

راہ دور عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سر زمیں
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کی عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
"مہر" اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

آنکھوں نے راز داري محبت کی خوب کي
آنسو جو آتے رہے تو لہو بہا

بے کسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غم‌خوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیرو حرم کي راہ چل
اب یہ دعویٰ‘ حشر تک شیخ و برھمن میں رہا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

وصل و ھجراں ‘ یہ جو دو منزل ھیں راہ عشق کي
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالھوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق ‘ ناز حسن سے کھینچے ہے ھاتھ
آخر آخر "مہر" سربرآستاں ‘ مارا گیا

اتھتے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں آنسو
ڈول ڈالا ہے مري آنکھوں نے اب طوفاں کا
لہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک مارو ہوں
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا

جوں برگ ہاے لالہ پریشان ہوگیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

اک وہم سي رہی ہے ' اپنی نمود ' تن میں
آتي ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا

تفحص فائدہ ناصح ! تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد ' دل جس کا لگا ہوگا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے
جوش حیا سے ہم نے وہ آستاں نہ پایا

یہ عیش گہہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے
ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
وہ پہلی التفاتیں ' ساري فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اس کو میں " میر " آپ چوکا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے ' یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سروساماں یک جا

بسان شمع جو مجلس سے ہم گذر تو گئے
سراغ کیجو نہ پھر تو نشان پانے کا
سراہا ان نے ترا ہاتھ ' جن نے دیکھا زخم
شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا
شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ "میر" اب جو گدا ہے شراب خانے کا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئی "میر"
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

چوری میں دل کے وہ ہنر کر گیا
دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا

مجلس آفاق میں پروانہ ساں
"میر" بھی شام اپنی سحر کر گیا

آیا جو واقعی میں در پیش عالم مرگ
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
کس کی نگہہ کی گردش تھی "میر" روبہ مسجد
محراب میں سے زاھد مست و خراب نکلا

ایسے بت بے مہر سے ملتا بھی ھے کوئی
دل "میر" کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھ مزاج ان دنوں مکدر تھا
سر سری تم جہاں سے گذرے
ورنہ ھر جا جہان دیگر تھا
دل کی کچھ قدر کرتے رھیو تم
یہ ھمارا بھی ناز پرور تھا
بار سجدہ ادا کیا تہ تیغ
کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

تیرا رخ مخطط ' قرآن ھے ھمارا
بوسہ بھی لیں تو کیا ھے ایمان ھمارا

گر ہے یہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں
دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا
ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
اک قطرہ خوں یہ دل کا طوفان ہے ہمارا

——

آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
رات ' حیران ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی "میر"
درد پنہاں تھے بہت ' پر لب اظہار نہ تھا

——

بے طاقتی سکوں نہیں رکھتی ہے ہم نشیں
رونے نے ہر گھڑی کے مجھے تو ڈبو دیا
پوچھا جو میں نے درد محبت کو "میر" سے
رکھ ہاتھ ان نے دل پہ تک اک اپنے رو دیا

——

داغ اور سینے میں کچھ بگڑی ہے ' عشق ' دیکھیں
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا
گھر چشم کا ڈبو مت دل کی گئے پہ رو رو
کیا "میر" ہاتھ سے تو یہ بھی مکان دے گا

——

کل ' چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا

ایک چشمک ' دو صد سنان مژہ
اس نکیلے کا بانکپن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
عاشقوں کو جلا وطن دیکھا
حسرت اس کي جگہہ تھی خوابیدہ
"میر" کا کھول کر کفن دیکھا

جہاں کوفتنے سے خالي کبھو نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کي رات سے شاید
سرشک یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑي کا پیچ اس کے "میر"
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پوچھہ کس طرح سے کٹی رات ہجر کي
ہر نالہ مري جان کو تیغ کشیدہ تھا
دل بے قرار گریۂ خو نیں تھا رات "میر"
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمیں
مر گیا پر یہ کہن گبر مسلماں نہ ہوا

شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب
کسی عدوان سے ہم چشم عزیزاں نہ ہوا

سهل مجھے یہ جاں قبول اس کے عوض ہزار بار
تابہ‌کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

کس کی ہوا، کہاں کا گل، ہم تو قفس میں ہیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

قطعہ

سر مار کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں
سینے پہ مجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا
سو بخت تیرہ سے ہوں پامالئی صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا

کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے
ہوا یوں اتفاق آئینہ تیرے رو بہ رو توتا
وہ بےکس کیا کرے، کہہ تو رہے دل ہی کی دل ہی میں
نپٹ بے جا ترا دل "میر" سے اے آرزو! توتا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
صیاد! دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب، یہ گلزار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن، تو ہم صفیر
اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
آنکھیں چرائیو نہ تک ابر بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خوں بار دیکھنا

قدم تک دیکھ کر رکھ "میر" سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح

تو کب تک مرے منھ کو دھوتا رہے گا

بس اے ''میر'' مژگاں سے پوچھ آنسوؤں کو

تو کب تک یہ موتی پرو تا رہے گا

گئی تسبیح اس کی نزع میں کب ''میر'' کے دل سے

اُسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا

اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا

مانند حرف صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا

دل بھی مرا جریدہ عالم میں فرد تھا

تھا پشتہ ریگ باد یہ اک وقت کا رواں

یہ گرد باد کوئی بیاباں نورد تھا

دل کی شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں

واں چیں جبیں پہ آئی کہ یاں رنگ زرد تھا

اک گرد راہ تھا پئے محمل تمام راہ

کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا

عاشق ہیں ہم تو ''میر'' کے بھی ضبط عشق کے

دل جل گیا تھا اور نفس لب سرد تھا

مغاں! مجھ مست بن، پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا

مئے گل‌گوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کوئي رهتا هے جيتے جي ترے کوچے کے آنے سے
تبهي آسودہ هو گا "میر" ساجب جی کو کهووے گا

——

گئے قيدي هو، همآواز جب صياد آتوتا
یہ ویراں آشیانہ دیکھنے کو ایک میں چھوتا

—

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول
گل گشت سرسري نهیں اُس گلستان کا
گل، یاد گارچهرۂ خوبان بے خبر
مرغ چمن، نشاں هے کسو خوش بیان کا

——

نقش بیٹھے هے کہاں خواهش آزادي کا
تنگ هے نام رهائی تیرے صیادي کا

——

تیرے کوچے کے رهنے والوں نے یهیں سے کعبے کو سلام کیا
عشق خوباں کو "میر" میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا

—

خوبی کو اس کے چهرے کي کیا پهونچے آفتاب
هے اِس میں اُس میں فرق زمیں آسمان کا

——

تو برسوں میں کبھی ہے ملوں گا میں "میر" سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

عطر آگیں ہے باد صبح مگر
کھل گیا پیچ زلف خوش‌بو

کل شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ہو چلا ہوں بیشتر از صبح سرد سا
قصد طریق عشق کیا سب نے بعد قیس
لیکن ہوا نہ ایک بھی اس رہ نورد سا
کیا "میر" ہے یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا
غم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
زہے طالع اے "میر" ان نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک، تجھے کیا ہوا تھا

ترے کوچے میں میری خاک بھی پامال ہونی
تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا ھي ہے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پھونچیو اے " میر " خدا کو سونپا

گلہ نہیں ھے ھمیں اپنی جاں گدازي کا
جگر پہ زخم ھے اس کي زباں درازي کا
خدا کو کام تو سونپے ھوں میں نے سب لیکن
رھے ھے خوف مجھے واں کی بے نیازي کا
کسو کي بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش ھے میرے ھی رنگ سازي کا
بسان خاک ھو پامال راہ خلق اے " میر "
رکھے ھے دل میں اگر قصد سرفرازي کا

سہلہ دشنوں سے چاک تا نہ ھوا
دل جو عقدہ تھا سخت ' وا نہ ھوا
سب گئے ھوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ھے جدا نہ ھوا
ھم تو ناکام ھی جہاں میں رھے
یاں کبھو اپنا مدعا نہ ھوا
" میر " افسوس وہ کہ جو کوئی
اس کے دروازے کا گدا نہ ھوا

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے ھمیں تو دیا سا بجھا دیا

تھي لاگ اس کي تيغ کو ھم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

آوار گان عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

ھم نے تو سادگی سے کیا جي کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا

کیا کچھ نہ تھا ازل میں جو طالع تھے نادرست
ھم کو دل شکستہ ' قضا نے دلا دیا

تکلیف درد دل کي عبث ھم نشیں نے کي
درد سخن نے "میر" سبھوں کو رلا دیا

ھرذي حیات کا تو سبب ھے حیات کا
نکلے ھے جي ھي اس کے لیے کائنات کا

اُس کے فروغ حسن سے چمکے ھے سب میں نور
شمع حرم ھو یا کہ دیا سومنات کا

ھم مذھبوں میں صرف کرم سے ھے گفتگو
مذکور ' ذکر یاں نہیں صوم و صلوات کا

کیا "میر" تجھ کو نامۂ سیاھي کی فکر ھے
ختم رسل سا شخص ھے ضامن نجات کا

جلوہ نہیں ھے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا

کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی
جانے ہے خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا

اس شوخ کی مجلس میں ' جانا ہمیں' پھر اں سے
اک زخم زباں تازہ ' ہر روز اٹھا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا

پھر پھر گیا ہے آ کر منھ تک جگر ہمارے
گذرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاہے کو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھ کو ' اے ابر زور برسا

وحشی مزاج از بس مایوس بادیہ ہیں
ان کے جلوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا

انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو
گو "میر" بے سروپا ظاہر ہے بے خبر سا

تیغ ستم سے اس کے مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا

● قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے
نکلے ہے کوئی لخت دل اب سو جلا ہوا

بدتر ہے زیست مرگ سے ہجران یار میں
بیمار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا

اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا

کیا کیا زیان ''میر'' نے کھینچے ہیں عشق میں
دل ہاتھ سے دیا ہے جدا، سر جدا دیا

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا

زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے
چھوٹا نہ میں ہی تھا جو گنہ گار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

ستم سے گو ترے یہ کشتۂ وفا نہ رہا
رہے جہان میں تو، دیر میں رہا نہ رہا
موئے تو ہم، پہ دلِ پر کو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادہر کھلی مری چھاتی ادہر نمک چھڑ کا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا
حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو "میر" میں تھی
گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

کرتے ہی نہیں ترک، بتاں طور جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی
حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا
کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کفِ پا کا

وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا
فائدہ اب ' جب دہ قد محراب سا خم ہوگیا
کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو '' میر ''
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہوگیا

--

پہونچے ہے کوئی اس تن نازک کے لطف کو
گل ' گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہوگیا
کچھ آب دیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا
سمجھے تھے ہم تو '' میر '' کو عاشق اُسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ' ناز کا
خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا
ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے
اس کو وہی ہے شوق ابھی ترک تاز کا
اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھی
کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم باز کا
کوتاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب
جی پر وبال سب ہے یہ عمر دراز کا
ہے کیمیاگران محبت میں قدر خاک
پر وقر کچھ نہیں ہے دلِ بے گداز کا

مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا

ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑي دل میں جائے ہے
انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا

پھر ''میر'' آج مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

غم ابھي کیا محشر مشہور کا
شور سا ہے تو و لیکن دور کا

حق تو سبب کچھ ہی ہے تو ناحق نہ بول
بات کہتے سر کٹا منصور کا

طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل
مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا

چشم بہنے سے کبھو رہتي نہیں
کچھ علاج اے ''میر'' اس ناسور کا

نظر میں طور رکھ اس کم نما کا
بھروسا کیا ہے عمر بے وفا کا

گلوں کے پیرہن ہیں چاک سارے
کھلا تھا کیا کہیں بند اُس قبا کا

پرستش اب اِسی بت کي ہے ہر سو
رہا ہوگا کوئي بندہ خدا کا

کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے
پڑے ہے پاؤں بےڈھب کچھ صبا کا

ہوئے آخر کو سارے کام ضایع نا شکیبی سے
کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرط شوق سے جی بھی ادھر چلا
یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پہ مرے
کہتا ہے "میر" رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کیا لطف ہے جئے جو برے حال کوئی "میر"
جینے سے تونے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

اِس موج خیز دہر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا
اک آن اِس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانئے کہ "میر" زمانے کو کیا ہوا

از خویش رفتہ میں ہي نہیں اس کی راہ میں
آتا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا

یوں پھر اٹھا نہ جائیگا اے ابر دشت سے
گر کوئي رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا
دامن سے منھ چھپائے دلوں کب رہا چھپا
سوجا سے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا
دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زني میں ہاے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں ' رہا ہوا

نہ صبر ہے ' نہ هوش ہے ' نہ عقل ہے نہ دین
آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں ' مستي سے لہو سي آنکھیں
سج تري دیکھ کے اے شوخ! حذر هم نے کیا
کیا کیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں
رات کے سینہ خراشی میں هنر هم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر هم نے کیا

هو خرابي اور آبادی کي عاقل کو تمیز
هم دوانے هیں همیں ویران کیا معمور کیا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
رہتے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے
اس بن همیں همیشہ وطن میں سفر رہا

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار
کچھ وجہ بھی کہ آپ کا منھ ہے اتر رہا
اکدم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ پھر گیا
جو آب تیغ برسوں ترے تا کمر رہا
کاہے کو میں نے "میر" کو چھیڑا کہ اُن نے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رہا

— —

تک جوش سا اٹھا تھا مرے دل سے رات کو
دیکھا تو ایک پل ہی میں دریا سا ہوگیا
جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا
اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہوگیا
کل تک تو ہم وے سنستے چلے آئے تھے یہیں
مرنا بھی "میر" جی کا تماشا سا ہوگیا

——

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نچھوڑا کیا کہوں
لگ اٹھی یہ آگ نا گاہے کہ گھر سب پھک گیا
ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو پیش از فنا
دیکھ اب پیری میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

——

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ خوار کیا
اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا
سرکش کسو سے ایسی کدورت رکھے وہ شوخ
ہم اس کی خاک راہ ہیں ہم سے غبار کیا

——

غنچہ هي وہ دهان هے گویا — هونٹھ پر رنگ پان هے گویا
مسجد ایسي بهری بهری کب هے — میکدہ اِک جهان هے گویا
بسکہ هیں اس غزل میں شعر بلند — یہ زمیں آسمان هے گویا
وهی شور مزاج شیب میں هے — "میر" اب تک جوان هے گویا

تیشے سے کوهکن کے کیا طرفہ کام نکلا
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا هنر تها
هوش اُڑ گئے سبهونکے شور سحر سے اس کے
مرغ چمن اگرچہ اِک مشت بال و پر تها

تڑپے زیر تیغ هم بے ڈول آہ
دامن پاک اس کا خوں میں بهر گیا

جی رک گئے اے همدم دل خون هو بهر ایا
اب ضبط کریں کب تک منهہ تک تو جگر آیا
تهی چشم دم آخر وہ دیکهنے آوے گا
سو آنکهوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا
برخستہ ترا خواهاں اِک زخم دگر کا تها
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا
درهی کے تئیں تکتے پتهرا گئیں آنکهوں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب "میر" کے گهر آیا

یار ہے "میر" کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا

دود دل کو ہمارے تم دیکھو
یہ بھی پر پیچ و تاب ہے کاکل سا

اک نگہ ، ایک چشمک ، ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا

ٹوٹی زنجیر پائے "میر" مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم ، غل سا

تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

ہماری خاک پہ اک بیکسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا
اندرونی میں جیسے باغ لگا

"میر" اس بے نشاں کو پایا جان
کچھ ہمارا گر سراغ لگا

دست و پا گم کرنے سے میرے کھلے اسرار حق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر اک پا گیا

داغ محجوبی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شرما گیا

ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب تیار ہوں
دل کی روز و شب کی بے تابی سے جی گھبرا گیا

اک بار بھی آنکھ اپنی اس پر نہ پڑی مرتے
سو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اُٹھا دیکھا
جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں
کچھ ساری خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

ناگہہ جو وہ ظالم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے خدا یاد آگیا
ابدا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
توڑا ہی تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
کہ لیلے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھلے آئے دم نزع اُٹھے منھ پہ نقاب
آخری وقت مرے منھ کا چھپانا کیا تھا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کر چلا طوفاں ہوا
جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا پر آساں ہوا

تم جو کل اس راہ نکلے برتن سے ھلستے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ھوا

جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ھے تب سے "میر"
حبیب جاں وابستۂ زنجیر تا داماں ھوا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
ساتھ سے اپنی جانا اپنا نہیں وطیرا

غیرت سے "میر" صاحب سب جذب ھو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوھو سینہ جوان کا چیرا

طالع پھرے سپہر پھرا قلب پھر گئے
چندے وہ رشک ماہ جو ھم سے جدا پھرا

آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تئیں دل بھرا بھرا

بندہ ھے پھر کہاں کا جو صاحب ھو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ھے جس سے خدا پھرا

جانا اس آرام گہہ سے ھے بعینہ بس یہی
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اُدھر پہلو کیا

کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ھے ھائے
خوبرو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

پھول نرگس کا لئے بھوچک کھڑا تھا راہ میں
کس کی چشم پر فسوں نے "میر" کو جادو کیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے، مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا
تجھ پر کوئی اے کام جاں! دیکھا نہ یوں مرتا ہوا
مدت ہوئی اُلفت گئی، برسوں ہوئے طاقت گئی
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانئے اب کیا ہوا
وے دن گئے جو، یاں کبھو اُٹھتا تھا دل سے جوش سا
اب لگ گئے رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا
مستی میں لغزش ہوگئی معذور رکھا چاہیے
اے اہل مسجد! اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا
جوں حسن یار اک فتنہ گرتوں عشق بھی ہے پر دہ در
وہ شہرۂ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہوا

تمام روز، جو کل میں پئے شراب پھرا
بسان جام لئے دیدۂ پرآب پھرا

وہ رشک گلبج ہی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون تھا جس میں نہ میں خراب پھرا
کہیں ٹھہرنے کی جایاں نہ دیکھی میں نے "میر"
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

اڑتي هے خاک یارب شام و سحر ' جہاں میں
کس کے غبار دل سے یہ خاکداں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت! اللہ رے تیري صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا مکاں ' بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب! اتنا کڑھا نہ کرئے
اس غم نے " میر " تم کو جی سے ندان مارا

یہ " میر " ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
انداز سخن کا ' سبب شور و فغاں تھا
واقف نہیں هم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا ' نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعوی وحشت هے مجھي سے
جس دن کہ جنوں مجھ کو هوا تھا وہ کہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمي میں دل نہ بنایا هوتا
عزت اسلام کی کچھہ رکھہ لی خدا نے ورنہ
زلف نے تیري تو زنار بندھایا هوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو تک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

دیا کبھو بےتابئی شب سے وہ ناچار اس بغیر
دل مرے سینے میں دودو ہاتھ اچھل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا
نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا
یہیں ہیں دیرو حرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا
کسو پہاڑ میں دوں کوہ کن سر ' اب ماریں
خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا
رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے
سروں پہ اپنے ہے احساں شکستہ پائی کا
ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل
بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

آنسو تو تر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب
اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہوگئے مجبور اس میں کیا اختیار ہے اپنا

ہو گوشہ‌گیر ' شہرت مد نظر اگر ہے

عنقا کی طرح اپنا عزلت سے نام نکلا

کیوں کر نہ مر رہے جو بے تاب "میر" سا ہو

اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا

اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا

کب ترے رہ میں "میر" گرد آلود

لو ہو میں آ' نہا نہیں جاتا

کچھ عشق و ہوس میں فرق کرلے کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا

کہتے نہ تھے "میر" مت کڑھا کر دل ہو نہ گیا گداز تیرا

نام اس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے

دل کا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا

رہتی تھی بے دماغی اک شور ما وطن میں

آنکھوں کے مند گئے پر آرام سا تو پایا

ملہم لگا ہی کرے ہے جس تس کا

حسرتی ہے یہ آئنہ کس کا

شام سے کچھ بجھا سا رھتا ہے
دل ھوا ہے چراغ مفلس کا

داغ آنکھوں سے کھل رھے ھیں سب
ھاتھ دستہ ھوا ہے نرگس کا

فیض اے ابر! چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حال "میر" سنے
حال ھي اور کچھ ہے مجلس کا

تحمل نہ تھا جس کو تک سر وہ میں
ستم کیسے کیسے اٹھانے لگا

آنسو مری آنکھوں میں ھر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا

صد شکر کہ داغ دل افسردہ ھوا ورنہ
یہ شعلہ بھڑکتا تو ڈھر بار جلا جاتا

کہتے تو ھو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ھیں کچھ بھي نہ کہا جاتا

جو کچھ نظر پڑي ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

شاید کہ قلب یار بھي تک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے کے ھوں انقلاب کا

رو، فرصت جواني په جوں ابر بے خبر
انداز برق کا سا ہے عہد شباب کا
لایق تھا ریجھنے ہی کے مصراع قدیار
میں معتقد ہوں "میر" ترے انتخاب کا

کیا کوئي زیر فلک اونچا کرے فرق غرور
ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر پھر گیا
بعد مدت اس طرف لایا تھا اس کو جذب عشق
بخت کی سرگشتگي سے آتے آتے پھر گیا
سخت ہم کو "میر" کے مر جانے کا افسوس ہے
تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے اخر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی
ظالم نگاہ چشم ادھر کي، غضب کیا

لڑگئیں آنکھیں اٹھائی دل نے چوٹ
یہ تماشائي عبث گھائل ہوا
ایک تھے، ہم ویسے نہ ہوتے ہست اگر
ایدا ہونا بیچ میں حائل ہوا
"میر" ہم کس ذیل میں، دیکھ اُس کی آنکھ
ہوش اہل قدس کا زائل ہوا

کوئی فقیر، یہ اے کاشکے دعا کرتا
کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
ترے مزاج میں داب و تعب تھی "میر" کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا
ہوا ابر رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے
لگے ہے ہمیں وہ تو عیار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
جو ایسا ہی تم ہم کو سمجھو ہو سہل
ہمیں بھی یہ جینا ہے دشوار سا
مگر آنکھ تیری بھی چپکے کہیں
ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا
چمن ہوئے جو انجمن تجھ سے واں
لگے آنکھ میں سب کی گل خار سا
کھڑے منتظر ضعف جو آگیا
گرا اس کے در پر میں دیوار سا
دکھاؤں متاع وفا سب اسے
لگاوٹ تو رہتا ہے بازار سا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغ حرماں ہے خاک میں بھي ساتھ
جی گیا پـر نہ یہ نشـان گیا

پہونچایا مجھ کو عجز نے مقصود دل کے تئیں
یعني کہ اس کے درھي پہ میں ناتواں گرا

آتے ھي آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا
واں کام ھی رھا تجھے' یاں کام ہو چکا
موسم گیا وہ ترک محبت کا ناصحا
میں اب تو خاص وعام میں بد نام ہو چکا
یا خط چلے ہی آتے تھے یا حرف ھی نہیں
شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
تڑپے ہے جب کہ سینے میں اچھلے ہے دودو ھاتھ
گر دل یہي ہے "میر" تو آرام ہو چکا

کی بلبل اورگل کی جو صحبت کي سیر "میر"
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

سینے میں شوق "میر" کے سب درد ہو گیا
دل پر رکھا تھا ھاتھ سو منھہ زرد ہو گیا

کیا تو ؟ نمود کس کی ؟ کیا ہے کمال تیرا
اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا
پہلا قدم ہے انساں ! پامال مرگ ہونا
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
تفصیل حال میری بھی باعث کدورت
سو جی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے " میر " حال تیرا

——

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہوگئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا
اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ تر نے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا
دل بے تاب و بےطاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جاکر ہوں اگر ہو اختیار اپنا

——

" میر " بڑی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

——

شکست دل عشق کی جان کیا
نظر پھیری تونے تو وہ مر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اس کے اب
مزاج آپ کا " میر " کیدھر گیا

——

کیا ہے جو راہ دل کی ' طے کرتے مر گئے ہم
جوں نقش پا ہمارا نا دیر اثر رہے گا

پند کو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا
سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
کب کھپا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا
پھول خوش رنگ اور اُس کے فرش پر بچھ کر ہوا

کبھی تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا
بتا کے کعبے کا رستا اسے بھؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے یار کے گھر کا

" مہر " کے ہوش بے ہیں ہم عاشق
فصل گل جب تلک تھی ' مست رہا

گئی نیند ' شیون سے بلبل کے رات
کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قد یار کے آگے سرو چمن
کھڑا دور جیسے گنہ گار تھا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ہي جدا نہ ہوا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
اب کي مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا

دیکھا پلک اُٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر
اے عمر برق ! جلوہ گئے تو شتاب کیا

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشم دلبراں کی ادا
دل چلے جاے ہیں خرام کے ساتھ
دیکھي چلنے کی دلبراں کی ادا
خاک میں ملا کے "میر" ہم سمجھے
بے ادائي تھی آسماں کی ادا

میں تو افسردہ ہوں چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

وہ روئے خوب اب کي ' ہرگز گیا نہ دل سے
جب گل کھلا چمن میں تب داغ ہم نے کھایا

آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا
خواب عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا

ترے غم کے ہیں خواہاں سب ، نہ کھا غم
کمی کیا ہو ئی جو اک میں نہ ہوں گا

" میر " کے نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج ہی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا اس سیہ خانے میں چراغ جلا

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا
مجھکو شاعر نہ کہو " میر " کہ صاحب میں نے
درد غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا
"یا محبت" کہ کے یہ بار گراں میں لے گیا
خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ عالی میں "میر"
جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

تھا نزع میں دست "میر" دل پر شاید غم کا یہی محل تھا

تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ایک سے
دیدۂ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک آن میں
عشق میں اس کے گذرنا جان سے مشکل ہے کیا

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو؟ سلام کیا؟

بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
تلخ بلنے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر اِکو گذارانہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
جي رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں لیک
بوالہوس کی سي طرح ہم نے کنارا نہ کیا

جلوے سے اس کے جل کے ہوئے خاک، سنگ و خشت
بے تاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لانے گا

اس کے دامن تلک نہ پہونچا ہاتھ
تھا سر دست جیب چاک ہوا
در سے اس رشک خور کی گرمی سے
کچھ تو ہے ہم سے جو تپاک ہوا

کیا حسن خوبان بد راہ کا ہمیشہ رہے نام اللہ کا
پشیماں ہوا دوستی کرکے میں بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
اسیری کا دیتا ہے مژدہ مجھے مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا

چشم سے خوں ہزار نکلے گا
کوئی دل کا بخار نکلے گا
آندھیوں سے سیاہ ہو گا چرخ
دل کا جب کچھ غبار نکلے گا
ناز خورشید کب تلک کھینچیں
گھر سے کب اپنے یار نکلے گا
عزلت "میر" عشق میں کب تک
ہو کے بے اختیار نکلے گا

رقعہ ہمیں جو آوے ہے سو ہجر میں بندھا
دیکھا دیجئے جواب اجل کے پیام کا

صاحب هو مار ڈالو مجھے تم و گر نہ کچھ
جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

عمر آوارگی میں سب گذری کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا

راہ اس سے ہوئي خلق کو کس طور سے یارب
ہم کو کبھي ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
خوں ہوتي رهي دل هي میں آزردگي میری
کس روز گلہ اس کا مرے تا بہ لب آیا
آئے ہوئے اُس کے تو ہوئي بے خودی طاري
وہ یاں سے گیا اُٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

هرآن تھي سر گوشي ' یا بات نہیں گاهے
اوقات ہے اک یہ بھي ' اک وہ بھي زمانہ تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا
اس عشق کے میداں میں ' میں هي تو نشانہ تھا

مت سہل همیں سمجھو پہونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی هیں مشتاقوں کي هجراں میں
اس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اس زندگي سے مارے هي جانا بھلا تھا "میر"
رحم ان نے میرے حق میں کیا ' کیا ستم کیا ؟

——

اب کي جو گل کي فصل میں هم کو جنوں هوا
وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں هوا
تھا شوق طوف تربت مجنوں مجھے بہت
اک گرد باد دشت مرا همدموں هوا

——

گرم ملنا اُس گل نازک طبیعت سے نہ هو
چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مرجھانے لگا
چشمک اس مہہ کي سي دل‌کش دید میں آتی نہیں
گوستارہ صبح کا بھي آنکھ جھپکا نے لگا
کیونکر اس آئینہ روسے "میر" ملئے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بھي دیکھو شرمانے لگا

——

آنکھ پڑتي تھي تمہاری ملھہ پہ حب تک چین تھا
کیا کیا تم نے کہ مجھہ بے تاب سے پردہ کیا
لوگ دل دیتے سنے تھے "میر" دے گذرا هے جي
ایک اپنے طور پر ان نے بھی اک سودا کیا

——

صد سخن آئے تھے لب تک پر نہ کھلنے پائے ایک
ناگہاں اس کی گلي سے اپنا جانا هو گیا

رهنے کے قابل تو هرگز تھي نہ یہ عبرت سرائے
اتفاقاً اس طرف اپنا بھي آنا هو گیا

هو گئے هم محبت کي بے شعوري سے اسیر
شیخ میں کچھ هوش تھا میخانے سے جاتا رها
''میر'' دیوانہ هے اچھا ' بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رها

نہ پوچھو خوب هے بد عہدیوں کی مشق اس کو
هزار عہد کئے پر وهي تکلف تھا

گلی میں اس کی ' میري رات کیا آرام سے گذری
یہی تھا سنگ بالیں ' خاک تھی ' بستر ' جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جي میں
قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا

عاقلانہ حرف زن هو ''میر'' تو کرئے بیاں
زیر لب کیا جانئے کہتا هے کیا مجذوب سا

سر گذشت اپني سبب هے حیرت احباب کی
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

کیا کہئے دماغ اس کا گلگشت میں گل "مہر"
گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر منھ نہ لگایا

مُرید پیرمغاں صدق سے نہ ہم ہوتے
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا
کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ
ہمیں بھی کاش کے ایسا کوئی ہنر آتا
شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید
جو "میر" ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

بس ہو تو دام کو بھی اس پر نثار کر ئے
یک نقد دل رکھے ہیں سو تو ہے مال اُس کا

بوسہ اس بت کا لے کے منھ موڑا
بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھا بلند
کوہ کن نے تو سر بہت پھوڑا
ہے لب بام آفتاب عمر
کرئے سو کہا ہے "مہر" دن تھوڑا

ہے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا ہے چارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو
کچھ پاس نہیں تمہیں ہمارا
جب جی سے گذر گئے ہم اے ''مہر''
اُس کوچے میں تب ہوا گذارا

کیا کہے حال، کہیں دل زدہ جاکر اپنا
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا
دوریٔ یار میں ہے حال دل ابتر اپنا
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

آخر کو خواب مرگ ہمیں جا سے لے گئی
جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا لوٹا مارا ہے حسن والوں

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آیئنہ ہے اس یار خود نما کا
کہا میں ہی جاں بہ لب ہوں بیماری دلی سے
مارا ہوا ہے عالم اس درد بے دوا کا

——

بند اِس قبا کا کھولیں، کیا ناخن فقیراں
وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

—

ڈرتا ہوں ظالمان جزا چھاتی دیکھ کر
کھلنے لگیں نہ واہ رے زخم اس کے ہات کا
کیوں کر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے
خو گر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا
واعظ کہے سو سچ ہے، ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا
عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

——

نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سر و سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اس کے تو سل کیا

حقیقت نہ " میر " اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جدا چھٹا ہوں جہان سے کب کا
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منہ سب کا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے
تم کو ہو گا حصول مطلب کا

رحم کیا کر ' لطف کیا کر ' پوچھہ لیا کر ' آخر ہے
" میر " اپنا ' غمخوار اپنا ' پھر زار اپنا ' بیمار اپنا

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا
ٹھہراؤ سا ہو جاتا ' یوں جي نہ چلا جاتا
تب تک هي تحمل هے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو ' ہم سے نہ رہا جاتا

مستانہ اگرچہ میں ' طاعت کو لگا جاتا
پھر بعد نماز اُتھہ کر مے خانہ چلا جاتا
دیکھا نہ اُدھر ورنہ ' آتا نہ نظر پھر میں
جی مفت مرا جاتا اِس شوخ کا کہا جاتا

شب ' آہ شرر افشاں ہونٹھوں سے پھري میرے
سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا
ہے شوق سیہ رو سے بد نامي و رسوائي
کیوں کام بگڑ جانا جو صبر کیا جاتا
تھا "میر" بھی دیوانہ پر ساتھہ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

م بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
میں جوں چراغ گور اکیلا جلا کیا
ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گر نہ جائے
آنکھوں سے اس کی رات جو تلوے ملا کیا

سر گرم طلب ہو کر کھویا گیا میں آپ ہی
کیا جانئے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا

مرتا تھا جس کے خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
"میر" ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

ن کو گل کہتے تھے ' درد و غم سے مرجھایا گیا
دل کو مہماں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا

هر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے
اک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
سر ، اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ '' میر '' جي کا دماغی خلل گیا

هم سے تو جز مرگ کچھ تدبیربن آئی نہیں
تم کہو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا
داخل دیوانگی هي تھی هماری عاشقی
یعنی اس سودے میں هم نے جان کا نقصاں دیا
شکر کیا اس کي کریمي کا ادا بندے سے هو
ایسي اک ناچیز مشت خاک کو انساں کیا

سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی
اپني غیرت میں وہ کچھ آپ هي جلا جاتا تھا

جہاں بھرا هے تیرے شہر حسن و خوبی سے
لبوں پہ لوگوں هے هے ذکر جا بہ جا تیرا
نظر ، کنھوں نے نہ کی حال '' میر '' پر افسوس
غریب شہروفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا
عشق میں کس حسن سے فرهاد ظالم مرگیا

هم تو تھے مدحِ دوستی اس کے
گو کہ دشمن جہان سارا تھا
آستاں کی کسو کے خاک ہوا
آسماں کا بھی کیا ستارا تھا

خوب کیا جو اہلِ کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترک سوال کیا

ہم دوئے مغاں میں ہے ماہ رمضاں ایا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

آنکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاری کا گل برگ کوئی یاں لاوے گا
اب تو جوانی کا یہ نشہ ہے بے خود تجھ کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

جھک کے سلام کسی کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا
دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ہوں
یعنی رفیق و شفیق پھر ایسا "میر" کہاں میں پاؤں گا

قیامت کا عرصہ ہے اے ' مہر ' درھم
مرے شور و زاري نے میدان مارا

جگر خوں کیا ' چشم نم کر گیا
گیا دل سو ہم پر ستم کر گیا

یاري کئے کسو کا کاھے کو نام نکلا
ناکام عشق تھا تو عاشق کا نام نکلا
ھنگامے سے جہاں میں ہم نے جلوں کیا ہے
ہم جس طرف سے نکلے اک اژدھام نکلا
جانا تھا تجھ کو ہم نے تو پختہ مغز ہوگا
دیکھا تو " مہر " تیرا سودا بھي خام نکلا

خوش زمزمہ طیور ھی ہوتے ہیں " مہر " اسیر
ہم پر ستم یہ صبح کی فریاد سے ہوا

زار کیا ' بیمار کیا ' اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا
چاھا ہم نے کیا تھا پر اپنا چاھا کچھ نہ ہوا
عزت کھوئي ذلت کھینچي ' عشق نے خوار و زار کیا

چاهت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اُٹھ جانے سے اُس کو هم سے حجاب ہوا
ساري ساري راتیں جاگے ' عجز و نیاز زاری کی
تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے خواب ہوا

" میر " گذرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے
یعنی دس دن جینے کے میں اپنے هي ماتم میں تھا

مرنے کا بھي خیال رهے " میر " اگر تجھے
هے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسي کے جا نہ سکا
نن پہ زبان شکر هے هرمو ' اپني شکستہ پائي کا
آنا سن ناداري سے هم نے جي دینا ٹھہرایا هے
کیا کہئیے اندیشہ بڑا تھا اس کي منہہ دکھلائی کا

دور بہت بھاگو هو هم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوا هے کیا ؟ اچھی آنکھوں والوں کا

اب هوں منتظر ' جاتی هے چشم شوق هر جانب
بلند اس تیغ کو هونے تو دو سر بھی جھکا دوں گا

پا میں زیر سر ہوں کاش اُفتادہ رہوں یوں ہی
اُٹھا گر خاک سے تو "میر" ہنگامے اُٹھاؤ

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ اے "میر"
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیئے یہاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بے تابی سے خط بھیجا پیغام کیا
خط و کتاب لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیئے
حرف و سخن سے ٹپکا لہو ہو اب جو کچھ ارقام کیا
"میر" جو اس نے منھ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا' انعام کیا' اکرام کیا

مرنا اس کے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا

عشق ہمارے خیال پڑ ہے خواب گیا آرام گیا
جي کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی! کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے ؛ وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

وصل میں رنگ اڑگیا میرا کیا جدائي کو منھہ دکھاؤں گا
طوف مشہد کو کل جو جاؤں گا تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
چھانتا ہوں کسو گلي کي خاک دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا
اس کے در پر گئي ہے تاب و تواں گھر تلک اپنے کیونکہ لے جاؤں گا

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا
رکھے ہے شوق اگر رحمت الہی کا

ہرجا پھرا غبار ہمارا اڑا ہوا
تیري گلي میں لائي صبا تو بجا ہوا

پہلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا
جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا
حالت ہے نزع کی یاں آؤ کہ جاتے ہیں ہم
آنکھوں میں منتظر ہے دم واپسیں ہمارا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ ان ہاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

—

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بتخانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرنے جاؤں گا

—

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

—

برسوں تمہیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا
اُس کی نگاہ مست کا کھایا ہی تھا فریب
پر شیخ، طرز دیکھ کے ہوشیار ہو گیا
کیا متقی تھا "مہر" پر، اُنہن عشق میں
مجرم ساکشت و خون کا سزاوار ہو گیا

—

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراری
کسو دن "مہر" یوں ہی مر رہوں گا

—

گرم مزا رہا نہیں اپنا، ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوئے افسردہ، دیکھو گے اک دن سرد ہوا

"میر" نہ اپنے درد دل کو منجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گوش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاویے تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے دیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہووے گا

"میر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
راہ رہی کعبہ کی ادھر یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جو سدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "میر" پھر نہیں آیا

بات کہنے ہی کا جانا ہو گیا مرنا عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا
قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا
نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
یار ہمراہ نعش جس دم تھا
واے ! مردے میں میرے دم نہ ہوا
بے دلی میں ہے " میر " خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کی جستجو اس کی ' نہ پایا
ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا
وصیت " میر " نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا کہ " میر " عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا
لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا
بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش
ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا
شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق
یعنی کہ ہستی ' ننگ عدم تھی خجل گیا

کہا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریاے گریہ جوش رساں تھا بہا کہا

عالم مستی ' کہا عالم رہا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

فرصت ہے دل آویز بہت شہر کی اُس کے
ایسا نہ خیال ہم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ہنگامہ اُٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ بھی بیگانگی معلوم اُس کی
نہ سمجھے ہم ' اسی سے دل لگایا
قریب دیر ' خضر آیا تھا لیکن
ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا

نہ اُٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رہا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اٹھ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھي خدا تھا
بدن میں اُس کے ہے ہر جاے دل کش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کیا نماز اے "مہر" اس اوقات کي
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کي ذات مری گھر میں کچھ نہیں
یعنے کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقي میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباہا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا

غم ہجر رکھے گا بے تاب دل کو
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

دیر، بعد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ہی پیار آیا

نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایان کار نکلا
جو لوگ تجھ سے کچھ آشنا تھے اُنہوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نہ پہونچی جو دعائے "میر" واں تک تو عجب کیا ہے
علوئے مرتبہ یہ بس کہ اس درگاہ عالی کا

روز و شب، روتے کڑھتے گذرے ہے   اب یہی اپنا روزگار ہوا

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹتی تھی "میر"
اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

جو قافلے زگئے تھے انھوں کي اٹھي بھي گرد
کیا جانئے غبار ہمارا کہاں رہا
اعضا ' گداز عشق سے ایک ایک بہہ گئے
اب کیا رہا ہے مجھہ میں جو میں نیم جاں رہا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قد خم ہمارا

کیا کہئے ؟ عشق ' حسن کي آپ هي طرف هوا
دل نام قطرہ خون یہ ' ناحق تلف هوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتي ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا ' هستی میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب

اندوہ سے ہوئي نہ رہائی تمام شب
مجھہ دل زدہ کو نیند نہ آئي تمام شب

تادل سے میری پلکوں پہ قطرے ہر شک سے
دیکھے رہے ہیں "میر" دکھائی تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے ' کہاں ہے اب
تیرو کماں ہے ہاتھ میں ' سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے ' منھ سے ہمارے عیاں ہے اب

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں کتنے مرے جواب
گذرے ہے "میر" لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
ہم برے ہی سہی ' بھلا صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

کیا کہیں حال ؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانئے کدھر ہے اب

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب
کاشکے کے ہو جائے سینہ چاک چاک
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

التفات زمانہ پر مت جا "مہر" دیتا ہے روزگار فریب

عالم نے لوگوں کا ہے، صویر کا سا عالم
ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

موسم گل کا شاید آیا داغ جلوں کے شاد ہوئے
دل کھینچتا ہے جانب صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہیں تو یہ کام، پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
پھر نہ آئے جو ہوے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں "میر" ہے آرام بہت

کہتے ہیں "آگے تھا بتوں میں رحم"
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات

مرجاں کوئي کہے ہے کوئي اِن لبوں کو لعل
کچھ رفتہ رفتہ پاہي رہے گي قرار بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوشیدہ کب رہي ہے کسی کی اُڑائي بات
خط لکھتے لکھتے ''میر'' نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائي بات

چسم رہنے لگی پر آب بہت
شاید آوے گا خون ناب بہت
دل کے دل ہي میں رہ گئے ارماں
کم رہا موسم شباب بہت

اب تو وفا ، مہر کا مذکور ہي نہیں
تم کس سمے کي کہتے ہو یہ ہے کہاں کي بات

سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اُسی سے شرماویں
اس مستي میں آنکھیں اس کی رہتي ہیں ہشیار بہت

آئے ہیں ''میر'' منہ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بے وفا سے آج

ساقي ٹک ایک موسم گل کي طرف تو دیکھ
ٹپکا پڑے ھے رنگ ' چمن میں ھوا سے آج
تھا جي میں' اُس سے ملتے توکیا کیا نہ کہتے "میر"
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل' حیا سے آج

وے پھوري پلکیں اگر کھپ گئیں جي میں تو ھیں
رخنے پڑجائیں گے واعظ! ترے ایمان کے بیچ

کل ھم بھي سیر باغ میں تھے ساتھ یار کے
دیکھا تو اور رنگ ھے سارے چمن کے بیچ

آئے جو لب پر آہ تو میں اُٹھ کھڑا ھوا
بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسی ھوا کے بیچ

میں بے دماغ عشق اُٹھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ھی رھی گلستاں کے بیچ
اتنی جبیں رگڑی کہ سنگ آئینہ ھوا
آنے لگا ھے منھ نظر اس آستاں کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں ' دامن گل چیں ھوئے
گل فشاني کر رھی ھے چشم ' خوں باري کے بیچ

جان کو قید عناصر سے نہیں ھے وارھی
تنگ آئے هوں بہت اس چار دیواری کے بیچ
ایک هوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے " میر " کیا ھے گریہ و زاری کے بیچ

ستھراؤ کردیا ھے نمدانے وصل نے
کیا دیا عزیز مرگئے اس آرزو کے بیچ

دور گردوں سے ھوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح
یوں بھی سر چڑھتا ھے اے ناصح کوئی مجھ سے کہ ھائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ھیں سمجھانے کی طرح

هم سے بن مرگ کیا جدا ھو ملال
جان کے ساتھ ھے دل ناشاد

لگتی ھے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک اس دل جلے کی دی برباد

رھیے بغیر تیرے اے رشک ماہ تا چند
آنکھوں میں یوں ھماری عالم سیاہ تا چند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد
کعبے تو گئے ' بھول کے ہم دیر کا رستا
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی
کہ میں کدھر ہوں ؟ کدھر ہے قفس ؟ کدھر صیاد ؟
سنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتش گل
چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر' صیاد!

نہ درد مندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالۂ و فریاد

چا دیوارئی عناصر " میر " خوب جاگہہ ہے پر ہے بے بنیاد

وعدے برسوں کے کتنے دیکھے ہیں
دم میں عاشق کا حال ہے کچھہ اور
تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم
اس کے گیسو کا بال ہے کچھہ اور

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

جوں شمع صبح گاھی اک بار بجھ گئے ھم

اس شعلہ خونے ھم کو مارا جلا جلا کر

قدم تیرے چھوئے تھے جن سے' اب وہ ھاتھ ھے سر ھے

مرے حق میں نہ ھونا ھی تھا یاں تک دسترس' بہتر

میں مشت خاک یارب؟ بار گران غم تھا

کیا کہئیے؟ آ پڑا ھے اک آسماں زمیں پر

جو کوئي یاں سے گذرا کیا آپ سے نہ گذرا

پاني رھا کب اتنا ھوکر رواں زمیں پر

کچھ بھی مناسبت ھے یاں عجز' واں تکبر

وے آسماں پر ھیں' میں ناتواں زمیں پر

اک بار تونے آکر خاطر نہ رکھي میري

میں جي سے اپنے گذرا سوبار ترے خاطر

کچھ ھو رھے گا عشق و ھوس میں بھی امتیاز

آیا ھے اب مزاج ترا امتحان پر

کس پر تھے بےدماغ کہ ابرو بہت ھے خم

کچھ زور لے پڑا ھے کہیں اس کمان پر

دامن میں آج "میر" کے داغ شراب ھے

تھا اعتماد ھم کو بہت اس جوان پر

کیوں ؟ آنکھوں میں سرمےکا تو دنبالہ رکھے ھے
مت ھاتھہ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
کچھہ خوب نہیں اتنا ستانا بھي کسو کا
ھے "میر" فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

آنکھہ اس کي اس طرح سے نہیں پڑتی تک ادھر
اب خوب دیکھتے ھیں تو چتون کا ڈھب ھے اور
کیا کہئیے حال دل کا جدائی کي رات میں
گذرے ھے کب کہاني کہے سے یہ شب ھے اور
دل لےچکے دکھا کے رخ خوب کو تبھی
اب منھہ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ھے اور
کیا بات ٹھہري اے ھمہ عیاری و فریب
آنکھیں کہیں ھیں اور سخن زیر لب ھے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ھیں سارے "میر"
شاید کہ زندگاني کا اپني سبب ھے اور

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ھے
ٹکرے گلے کے اپنے ناحق نہ تو جرس کر

صورت پرست ھوتے نہیں معني آشنا
ھے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھہ اور
وہ کیا یہ دل لگی ھے فنا میں کہ رفتگاں
منھہ کرکے بھي نہ سوئے کبھو پھر جہاں کے اور

یارب! ہے کیا مزا سخن تلخ یار میں

رہتے ہیں کان سب کے جو اس بدزباں کے اور

کیا حال ہو گیا ہے ترے غم میں "میر" کا

دیکھا گیا نہ ہم سے تو تک اس جواں کے اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور

مگر اور تھے، تب ہوئے ہو اب اور

ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ

نہ دل ہے کچھ اور زیر لب اور

تم تیغ اپنی کھینچ کے کیا سوچ میں گئے

مرنا ہے اپنا، جی میں ہم آئے ہیں ٹھان کر

اس اُدھر مراد کو پایا نہ ہم نے "میر"

پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر

کہہ اے نسیم صبح، گلستاں کی کیا خبر؟

رہتا ہے ایک نشہ اُنہیں جن کو ہے شناخت

ہے زاہدوں کو مستی و عرفاں کی کیا خبر؟

گرمی سے گفتگو کی کرلے قیاس جاں پر

شعلہ ہے شمع ساں یاں، ہر اک سخن زباں پر

تڑپے ہے دل کہوں بھر تو پھروں غش رہے ہے
کیا جانوں آفت آئی دیں طاقت و تواں پر

تناسب یہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
کھنچی تیغ اس کی تو یاں نیم جاں تھے
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

کوتھی کی میرے طول عمر نے
جور میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

کا ہے کو اس قرار سے تھا اضطرب خلق
ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بے قرار اور

جب تک بہار رہتی ہے، مست بہار تو
عاشق ہیں "میر" ہم تو ترے عقل و ہوش پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ نہ ہے آسمان پر

دل نہیں دردمند اپنا "میر" اور نالے اثر کریں کیوں کر

۱۰

تو بھی رباط کہنہ سے صوفی سیر کو چل ٹک

ابر سیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑا مے خانوں پر

دل کی حقیقت عرش کی عظمت ہے ' معلوم نہیں

سیر رہی ہے اکثر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر

چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئی

عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

زور ہوا ہے چل صوفی ٹک تو بھی رباط کہنہ سے

ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آیا ہے مے خانے پر

کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سج کو شوخ !

آنکھوں میں جان آئی ہے ایدھر نگاہ کر

چھوڑ اب طریق جور کو اے بے وفا سمجھ

نبھتی نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر

اس وقت ہے دعا و اجابت وصل ' میر ''

اک نعرہ تو بھی پیش کش صبح گاہ کر

شوریدہ سر رکھا ہے جب سے اس آستاں پر

میرا دماغ تب سے ہے ہفتم آسماں پر

لوگ سر دیئے جاتے ہیں کیسے

یار کے پیمانوں کے نشانوں پر

شق و هوس ميں آخر ، کچهه تو تميز هوگي
آئی طبيعت اس کي اگر امتحان اوپر

ن اس طرف نہ رکھے ، اس حرف ناشنو نے
کہتے رہے بہت هم ، اس کو سنا سنا ک
بے وفا نہ آیا باليں پہ وقت رفتن
سو بار هم نے دیکھا سر کو اُٹھا اُٹھا ک

آیا هے ابر قبلہ چلا خانقاه پر
صوفي هوا ہو دیکھ کے کاش آوے راہ پر

اقرار ميں کہاں هے ؟ انکار کی سي خوبي
هوتا هے شوق غالب اس کی نہيں نہيں پر

مختار رونے هنسنے کا ، تجهه کو اگر کریں
تو اختيار گریۂ بے اختيار کر

هوتا نہيں هے باب اجابت کا ، وا هنوز
بسمل پڑي هے چرخ پہ مري دعا هنوز
توڑا تها کس کا شيشۂ دل تونے سنگ دل
هے دل خراش کوچے ميں تيرے ، صدا هنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں ''میر''
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

اس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز
غنچہ ہے وہ ' لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز
سو بار اپنا دم میں گیا ڈوب ڈوب جی
پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز

کب تک کھنچے گی صبح قیامت کی شام کو
عرصہ میں ' میں کھڑا ہوں گنہگار سا ہنوز

قیس و فرہاد پر نہیں موقوف
عشق لاتا ہے مرد کو ہنوز

کیا ہوا ؟ خوں ہوا کہ داغ ہوا
دل ہمارا نہیں گداز ہنوز

ہے پریشاں دشت میں ' کس کا غبار ناتواں
گرد ' کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بے تاب ہو
اے ستم دیدہ ''میر'' ' ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

رخصت سیر باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے محبت ہر دم
تک کبھو بیٹھو کسی طالب دیدار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغ بچوں سے اے زاہد
ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس

کیا جانیے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی
بیگانے ہی سے ہم رہے اس آشنا کے پاس

شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ریش سے نہ جھک
رکھتا ہے کون آتش سو زندہ گھاس پاس

گل و گلزار سے کیا؟ قیدیوں کو
ہمیں داغ دل و کنج قفس بس

اب سے جاکے پھر نہ آئے ہم
اس چمن کو یہی سفر ہے بس
خستہ پوشی نہ کر فقیر ہے "میر"
مہر بس اس کو اک نظر ہے بس

بہار اب کی بھی جو گذری قفس میں

تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس

نہ آیا وہ مرے جاتے یہاں سے

یہاں تک آشنائی ہو چکی بس

رکھا اس بت کو پھر بھی ' یا خدا یا

تری قدرت نمائی ہو چکی بس

ر اسیری کا بھلا منھہ پہ ہمارے کیا تنگ

مر ہی رہیئے گا قفس کے درو دیوار کے پاس

میر ' ابتر بہت ہے دل کا حال یعنی ویران ہوا ہے گھر افسوس

دل کو ہوتا ' صبا قرار اے کاش

رہتی اک آدھ دن بہار اے

جان آخر تو جانے والی تھی

اس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش

بے اجل "میر" اب پڑا مرنا

عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیئے ؟ کیا رکھیں ہیں ہم تجھہ سے یار خواہش

اک جان و صد تمنا ' اک دل ہزار خواہش

نے سمجھہ گناہ ہے دل کا ' نے جرم چشم اس میں

رکھتی ہے ہم کو اتنا بے اختیار خواہش

کرتے ہیں سب تمنا پر "میر" جی نہ اتنی
رکھے گئی مسار تم تو پایانِ کار خواہش

ــعل خموش اپنے ' دیکھو ہو آرسی میں
پھر پوچھتے ہو ہنس کر مجھ بے نوا کی خواہش

پانوں پڑتا ہے کہیں ' آنکھیں کہیں
اس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش

دیا پتنگے کو شمع روئے "میر"
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

یار آنکھوں تلے ہی پھرتا ہے
بڑی مدت سے ہے نظر درپیش
غم سے نزدیک مرنے کے پہونچے
دور کا "میر" ہے سفر درپیش

ـہ کی پا مالی ' سر فرازی ہے راہ میں ہو مرا مزار اے کاش

ـق کی راہ چل خبر ہے شرط
اولِ گام ' ترک سر ہے شرط

جاں کا دینا ہے سہل کیا اے "میر"
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

— —

ساتھ ہم بھی گئے ہیں دور تلک
جب ادھر کے تئیں چلا ہے خط

———

تھا درد دل رات کیا "میر" نے
اٹھایا بہت اس کہانی سے حظ

———

اور ہم سے محبت تمہیں، خلاف
ہم اور الفت خوب دگر، دروغ دروغ

———

دو حرف زیر لب کہے، پھر ہو گیا خموش
یعنی وہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

———

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

———

نے تو پر فشانی نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف

...

محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف
نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ہوا تھا مری چشم تر کی طرف

دیکھی ہے جب سے اس بت کافر کی شکل "میر"
جاتا نہیں ہے جی ملک ' اسلام کی طرف

شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اہل نظر کی ہیں دی اس کے قدم کے نشاں کی طرف

شاید متاع حسن کھلی ہے کسو کی آج
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف

اسے ڈھونڈھتے ''میر'' کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

اے تجھ بغیر، لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو، ہزار حیف

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے
گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیار عاشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے، بلا ہے عشق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل
عشق کے درد کی دوا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا
آرزو عشق، مدعا ہے عشق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو ''میر''
مرنا ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

تنہا تو اپنے گور میں رہنے پہ بعد مرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیر خاک

تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک
آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں، بجا ہے
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

کیا جانئے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

کچھ ہو اے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نغمہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

گلی تک تیری، لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کہاں پھر شور شیون جب گیا "میر"
یہ ہنگامہ ہے اس ہی نوحہ گر تک

دست پا مارے وقت بسمل تک
ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ!
سعی کر، ٹک پہونچ کسی دل تک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بےقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے
ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دی کس واسطے؟
حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور تک

اس رشک مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
ہر چند پہونچی مری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہے خوں ہوئی
نومید، یوں بسر کرے کوئی کہاں تلک

دل تنگ ہو جئے تو نہ ملیئے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یے لوگ کم شریک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
سب ہوئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک
تربت "میر" پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ کشت کا
باعث آبادیء صحرا ہے چشم گریہ‌ناک

محبت میں جی سے گئے "میر" آخر
خبر' گستلی ہے یہ ہر بے خبر تک

ہر چند صرف غم ہوں' لے دل جگر سے جاں تک
لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک
ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم
خبر کچھ تو آئی ہے اس بے خبر تک

وا ماندہ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بے کس
دشوار ہے پہونچنا اب اپنا ' کارواں تک

عہدِ و عید و حشر و قیامت ہیں دیکھئے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک
صیاد اسیر کر کے جسے اُتھ گیا ہو "مہر"
وہ دام کی شکن میں گرفتار کب تلک

" میر " بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ ' خدا سے مانگ

غافل ہیں ' ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
تو ' ہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز بھی یہ درمیاں کے لوگ
فردوس کو بھی آنکھ اُتھا دیکھتے نہیں
کس درجے سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اُتھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں اِلٰہی کہاں کے لوگ

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرم و سرد دھر سے یکساں نہیں ہے حال
پانی ہے دل ہمارا کبھی ' تو کبھی ہے آگ
یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسی ؟ عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ
افسردگئی سوختہ جاناں ہے قہر " مہر "
دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاہر ہے میرے منھ سے مرے مدعا کا رنگ

وہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
ان آنکھوں کے بیمار ہیں " مہر " ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دل ' گل بے بہار کے سے رنگ

ایک گردش میں ہیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ہیں آسماں سے لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

پاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
بیٹھا ہے میری خاک سے اُٹھ کر غبار الگ

وہ کون سي اُمید برائی ہے عشق میں
رہتا ہے کس اُمید پہ اُمیدوار دل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا
ملے تو ' ہم سے تو سب سے جدا مل

نہ تک واشد ہوئی جب سے لگا دل
اِلہی غنچہ پژمردہ ہے یا دل

حال مستي جواني تھی سوگئي
"مہر ' اس کا خمار ہے تا حال

طریق عشق میں ہے رہ نما دل
پیمبر دل ہے ' قبلہ دل ' خدا دل

کھل جائیں گي پھر آنکھیں ' جو مرجائے گا کوئي
آتے نہیں ہو باز ' مرے امتحاں سے تم

آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے
مشتاق پر فشاني ہیں اک مشت خاک ہم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش ' شرار و برق
رکھتے ہیں دل جلے کے بہم سب تپاک ہم

مدت ہوئی کہ چاک قفس ہي سے اب تو " میر "
دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم

ہوس تھی عشق کرنے میں و لیکن
بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

ہوا جس کے لئے ' اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے " میر " کا کچھ مدعا ہم

جہاں " میر " زیر و زبر ہو گیا
خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک ' لگ چلنے میں بلا ہیں ہم

اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

آستاں پر ترے گذاری عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

سوکھ غم سے ہوئے ہیں کانٹا سے
پر دلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم

وقفۂ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم

کیونکہ گرد علاقہ بیٹھ سکے
دامن دل جھٹک رہے ہیں ہم

میں نے جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

عشق ' جانا تھا مار رکھے گا
ابتدا میں تھی انتہا معلوم

طرز کینے کی کوئی چھپتی ہے
مدعی کا ہے مدعا معلوم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم بھی کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے ھی رھا اس کے یہ سرِ پر شور
جو کہانی ھے تو مرے طالع رسا کی قسم
جدال دیر کی رھیاں سنھیں کہاں تک "میر"
اٹھو حرم کو چلو اب تمھیں خدا کی قسم

سوکھی ھی جاتی ھے سب کشت ھوس ظالم
اے ابرتر آکر تک، ایدھر بھی برس ظالم
صیاد بہار اب کی سب لوٹوں گا کیا میں ھی
تک باغ تلک لے چل مہرا بھی قفس ظالم
جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو ھنستا تھا
صحبت نہ رھی یوں ھی ایک ادھر برس ظالم
سو رشتۂ ھستی کو تم دیے چکے ھاتھوں سے
کچھ ٹوٹتے ھی ھیں جاتے اب تار نفس ظالم

تدبیریں کریں اپنی تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کے ھوں آپ میں جب ھم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ھوگا
آ نکلے اگر عرصہ میں یوں نالہ بہ لب ھم
تربت سے ھماری نہ اٹھی گرد بھی اے "میر"
جی سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ھم

اب چھوڑتے جہاں وہیں گویا ہے درد سب
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام
میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفیر
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطن تمام

منظور سجدہ ہے ہمیں اس آفتاب کا
ظاہر میں یوں کریں ہیں نماز زوال ہم

کون کہتا ہے منھ کو کھولو تم
کاشکے پردے ہی میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے ہے حسن
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
رات گذرے ہے سب، تڑپتے "میر"
آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو
کہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم
نہ ٹک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم
خدا سے بھی شب کو دعا مانگتے
نہ اس کا لیا نام غیرت سے ہم

اُڑتی ہے خاک شہر کي گليوں ميں اب جہاں
سونا ليا ہے گود ميں بھر کر وہيں سے ہم

ہردم جبيں خراشي ' ہرآن سينہ کاري
حيران عشق تو ہيں پر گرم کار ہيں ہم

چاہيں تو تم کو چاہيں ' ديکھيں تو تم کو ديکھيں
خواہش دلوں کی تم ہو ' آنکھوں کي آرزو تم

لطف و مہر و خشم و غضب ' ہم ہر صورت ميں راضي ہيں
حق ميں ہمارے کر گذرو بھی جو کچھہ جانو بہتر تم

راہ تکتے تکتے اپني آنکھيں بھی پتھرا چليں
يہ نہ جانا تھا کہ سختي اس قدر ديکھيں گے ہم

چپ ہيں کچھہ جو نہيں کہتے ہم کار عشق کي حيراں ہيں
سوچو حال ہمارا تک تو ' بات کي تہ کو پاؤ تم

سوزدروں نے ہم کو پردے ميں مار رکھا
جوں شمع آپ ہي کو کھا کھا کے رہگئے ہم

دیر ' کعبہ گئے ہیں اکثر ہم
یعنی ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم
کوفت سي کوفت ' اپنے دل پر ہے
چھاتی کو ٹانکتے ہیں اکثر ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکے ہے بہت
ملا ہی دیں گے تري تیغ سے گلو کو ہم

عشق ہمارے درپے جاں ہے ' آئے گھر سے نکل کر ہم
باہر ' پر دیکھا یہي فلک ہے جاویں کدھر چل کر ہم

کب تک یہ دز دیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھکا لینا
دلبر ہوتے فيالواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو " میر " فقیر ہوے تم تو
ایسي مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اُٹھاتے تم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطري
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم ' کیا جانئے کیدھر ہیں ہم

فاش نہ کرئے راز محبت ' جانیں اس میں جاتي ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر اک کے ' تا مقدور چھپاؤ تم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور "میر"
ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

بہلانے کو دل، باغ میں آئے تھے سو بلبل
چلانے لگے ایسے کہ بیزار ہوئے ہم
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
دشنام کے اب اس کے سزاوار ہوئے ہم
ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے، اٹھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوے ہم

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

اک دم تو چونک بھی پر شور و فغاں سے میرے
اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
آسود گی تو معلوم اے ''میر'' جیتے جی یاں
آرام تب ھی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

دم آخر ہے بیٹھ جا! مت جا
صبر کر تک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے روی و زلف یار ہے رونے سے کام یاں
دامن ہے منھ پہ ابر نمط ' صبح و شام یاں
نا کام رہنے ہی کا تمھیں غم ہے آج "میر"
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یہاں

نہ کہا تھا اے رفو گر مرے ٹانکے ہوں گے ڈھیلے
نہ سیا گیا یہ آخر دلِ چاکِ بے قراراں

متصل روتے ہی رہئے تو بجھے آتش دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقت خوش ان کا جو ہم بزم ہیں تیرے ' ہم تو
در و دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں
ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی ' تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
تجھ بن ' اس جان مصیبت زدہ غمدیدہ پہ ہم
کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردود صبا ہوں
دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شب ہجراں
میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں

ناموس دوستی سے گردن پھنسی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم ' تب تک نباہتے ہیں
سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

جی انتظار کش ہے آنکھوں میں رہگذر پر
آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں
آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری
حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں
آنکھیں تو تونے دی ہیں اے جرم بخش عالم
کیا تری رحمت آگے ' اپنے گناہ دیکھوں

چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دست کاریاں

تربت سے عاشقوں کے نہ اوتھا کبھو غبار
جي سے گئے ولے نہ گئیں رازداریاں

رکھتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب
لے جائے گا یہ سوختہ دل ' کیا بہشت میں
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانند گرد باد
آوارگی تمام ہے میری سرشت میں
کب تک خراب سعي طواف حرم رہوں
دل کو اتھا کے بیتھہ رہوں گا کنشت میں

خار کر جن نے لڑي موتي کی کر دکھلایا
اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں

" میر " آوارہ عالم جو سنا ہے تونے
خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں هي ہوں

جاتا ہے اک هجوم غم عشق جی کے ساتھہ
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ' هر دکان میں

غم کھینچنے کو کچھہ تو توانائی چاهئے
سو یہاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں
سوزش رہے ہے اب تو ہر اک استخواں میں

خرد مندی ہوئی زنجیر ' ورنہ
گذرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
گداز عشق میں یہ بھی گیا " میر "
یہی دھوکا سا ہے اب پیرہن میں

ان آئینہ رویوں کے کیا " میر " بھی عاشق ہیں
جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا ' اپنی طرف ہے سارا
اس مشت خاک کو ہم موجود جانتے ہیں

مانند شمع ہم نے ' حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

میں صید جو ہوا تو ندامت اُسے ہوئی
اک قطرہ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں

نہ تنگ کر اُسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اُس صنم کے لئے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اوٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو "مہر"
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جفائیں دیکھ لیا بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

صبر و طاقت کو کڑھوں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں ہوں بہت، کس کس کا میں ماتم کروں
گرچہ میں گنتی میں ہوں، پر ایک دم مجھ تک تو آ
یا اِدھر ہوں یا اُدھر، کب تک شمار دم کروں

کہیں مست، چالاک، ناخن نہ لاگے
کہ سینہ ہے قرب وجوار گریباں
نشاں اشک خونیں کے ارتے چلے ہیں
خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں

پاس مجھ کو بھي نہيں ہے "مہر" اب
دور پہونچي ہيں مري رسوائياں

لايا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
ميں ورنہ وہي خلوتئي راز نہاں ہوں
ديکھا ہے مجھے جن نے سو ديوانہ ہے ميرا
ميں باعث آشفتگئي طبع جہاں ہوں
ہوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے
اس باغ خزاں ديدہ ميں ، ميں برگ خزاں ہوں
رکھتي ہے مجھے خواہش دل بسکہ پريشاں
در پے نہ ہو ، اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

کبھے داغ رہتا ہے ، کبھ دل جگر خوں
ان آنکھوں سے کيا کيا ستم ديکھتے ہيں

جی ميں پھرتا ہے "مير" وہ ميرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

پری سمجھے تجھے وہم و گماں سے
کہاں تک اور ہم دل اب جلاويں

مري نمود نے مجھ کو کيا برابر خاک
ميں نقش پا کي طرح پائمال اپنا ہوں

سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط
کب عاشقي میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

ملنے لگے ہو دیر دیر ' دیکھئے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبي ' بندے میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگ گل دونوں ہیں دل کش' اے نسیم
لیک بہ قدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

کوئي تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

خوبرو سب کي جان ہوتے ہیں آرزوے جہان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن گھر میں ہم مہمان ہوتے ہیں

سینے پہ داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھي تختہ کبھو ہووے گا سزاوار چمن

کم نہیں ہے دل پر داغ بھي اے مرغ اسیر
گر میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلب گار چمن

کتني باتیں بنا کے لاؤں ایک
یاد رہتي ترے حضور نہیں

پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش
ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلی "مہر"
خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں

آنا وہ تیرے کوچے میں ہوتا جو "مہر" یاں
کیا جانئے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح!
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنے لیکن
ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں

اک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت ادم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یہاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ "مہر"
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یہاں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کے قید سے
مرغ سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

سہنا سپر کیا تھا جن کے لئے بلا کا
وے بات بات میں اب ، تلوار کھینچتے ہیں
ناوک سے "میر" اس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ہو مجھپر ، واجب‌التعزیر ہوں

خلاف اِن ابر خوباں کے ، سدا یہ جی میں رہتا ہے
یہی تو "میر" اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

سنا جاتا ہے شہر عشق کے گرد
مزاریں ہی مزاریں ہوگئی ہیں

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو
کبھی پاتے بھی ہو بحال ہمیں

وجہ کیا ہے کہ "مہر" منھہ پہ ترے
نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آکے تم نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

ہوے' سیکھے سیکھے جفا کاریاں کوئي ہم سے سیکھے وفاداریاں

دن نہیں' رات نہیں' صبح نہیں' شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
بیقراري جو کوئي دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے "میر" کہ اک دم تجھے آرام نہیں

رزوئیں ہزار رکھتے ہیں تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
ہر ہی مورد عنایت ہے ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

بت' برہمن کوئی نا محرم نہیں اللہ کا
ہے حرم میں شیخ' لیکن "میر" وہ محرم نہیں

خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اُس سے کہ عقبیٰ میں
مکاں تو "مہر" صاحب شہرۂ عالم ہیں یہ دونوں

ھے تکلف نقاب وے رخسار
کیا چھپیں ' آفتاب ھیں دونوں
سو جگھہ اُس کی آنکھیں پڑتی ھیں
جیسے مست شراب ھیں دونوں
آگے دریا تھے ' دیدۂ تر " میر "
اب جو دیکھو ! سراب ھیں دونوں

——

مدعی ' مجھہ کو کھڑے صاف برا کہتے ھیں
چپکے تم سنتے ھو بیٹھے ' اِسے کیا کہتے ھیں ؟
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ھیں کشتے ھم
درد جاں کاہ جو ھو اُس کو دوا کہتے ھیں

——

اپنا ھی ھاتھہ سر پہ رھا اپنے ' یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ھے ' کوئی مہرباں نہیں
اِس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد " میر "
وہ دور اب نہیں ' وہ زمین آسماں نہیں

——

کوئی بجلی کا ٹکرا اب تلک بھی
پڑا ھوگا ھمارے آشیاں میں
پھرے ھے چھانتا ھی خاک اے " میر "
ھوس کیا ھے مزاج آسماں میں

——

اٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر
اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں
کہے ہے ہر کوئی ' اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں ' خدا میں
بلا ' تہ‌دار بحر عشق نکلا
نہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اڑے ہیں "میر" لیکن ہم ہوا میں

دیرو حرم سے تو تو ' ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں

فہم میں میرے نہ آیا ' پردہ در ہے طفل اشک
روؤں کیا ' اے ہم‌نشیں ! میں اپنی نادانی کے تئیں ؟
جب جلے چھاتی بہت ' تب اشک افشاں ہو نہ "میر"
کیا ' جو چھڑکا اِس دھکتی آگ پر ' پانی کے تئیں ؟

کیا کہوں ؟ اول بہ‌خود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ ' چپکا سا رہ جاتا ہوں میں
اِک جگہ ' کب ٹھہرنے دے ہے یہ مجھ‌کو روزگار
کیوں تم اُکتاتے ہو اِتنا آج کل ؟ جاتا ہوں میں
ہے کمال عشق ' پر بےطاقتی دل کی دلیل
جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں

بس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں ' لیک " میر "
دل مرا رھتا نہیں ھر چند سمجھاتا ھوں میں

مدت ھوئی کہ بھیجے میں پیغام بھی نہیں
نامے کا اُس کی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایام ھجر کریے بسر کس اُمید پر
ملنا اُنھوں کا صبح نہیں ' شام بھی نہیں

روؤں تو آتشِ دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں
محو کر آپ کو یوں ھستی میں اُس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

خاک اُڑاتا اشک افشاں ' آن نکلوں میں تو پھر
دشت کو دریا کروں ' بستی کے تئیں صحرا کروں

کیا کوفتیں اُٹھائیں ھجراں کی ' درد و غم میں ؟
تڑپا ھزار نوبت ' دل ایک ایک دم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں ؟
اِس سے آنکھیں لگیں ' تو خواب کہاں ؟

بےکلی دل هی کی تماشا تهی

برق میں ایسے اضطراب کہاں ?

هستی اپنی هے بیچ میں پردا

هم نہ هوویں ' تو پھر حجاب کہاں ?

گریۂ شب سے سرخ هیں آنکھیں

مجھ بلا نوش کو شراب کہاں ?

عشق کا گھر هے " میر " سے آباد

ایسے پھر خانماں‌خراب کہاں ?

کاشکے ' دل دو تو هوتے عشق میں

ایک رهتا ' ایک کھوتے عشق میں

جا ' همیں اُس گلی میں گر رهنا

ضعف و بےطاقتی بہانے هیں

عشق کرتے هیں اُس پری‌رو سے

" میر " صاحب بھی کیا دوانے هیں

اضطراب و قلق و ضعف هیں گر " میر " یہی

زندگی هو چکی اپنی تو اِن آزاروں میں

ابکے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رهے

دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کہیے لطافت اُس تن نازک نی "میر" کیا ؟
شاید یہ لطف ہوگا کسو جان پاک میں

خاک ہوئے ' برباد ہوئے ' پامال ہوئے ' سب محو ہوئے
اور تمدائد عشق کے روکے ' کیسے ہم ہموار کریں ؟
زردئ رخ ' رونا ہر دم کا ' شاہد دو جب ایسے ہیں
چاہت کا ' انصاف کرو تم ' کیوں کر ہم انکار کریں ؟

ہوتا ہے گرم کیا تو ' اے آفتاب خوبي !
اک آدھ دم میں میں تو ' شبنم نمط ہوا ہوں

ہے عاشقی کے بیچ ' ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

نکلے ہوس ' جو اب بھي ہو وا رھي قفس سے
شایستۂ پریدن دو چار پر رہے ہیں
نے غم ہے ہم کو یاں کا ' نے فکر کچھ ہے واں کا
صدقے جنوں کے ' کیا ہم بے درد سر رہے ہیں

یوں تہدیوں سے کب تئیں ہم تنگ تر رہیں ؟
جي چاہتا ہے ' جاکے کسو اور مر رہیں

کیا کیا لقب هیں ' شوق کے عالم میں ' یار کے ؟
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں ؟

کیا کہیے ' آہ ' جي کو قیامت هے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں
بازار میں دکھائي هے کب اُس نے جنس حسن
جو بک نہیں گئے هیں خریدار درمیاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے هو کل ' لیکن
بےکل ایسا هي رها شب ' تو یہ بیمار کہاں ؟
گوکہ گردن تئیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
هاتھہ اُٹھاتا هے جفا سے وہ ستمگار کہاں ؟

اے ! مجھہ سے تجھہ کو سو ملے ' تجھہ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تونے مجھے ' ملہہ پر نہ لایا ایک میں
عالم کی میں نے سیر کي ' مجھہ کو جو خوش آیا تو سو تو
سب سے رها محظوظ تو ' تجھہ کو نہ بھایا ایک میں

چمن میں جاکے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
هم اپنے دل هی کے ٹکڑوں سے گل بداماں هیں
رها هے کون سا پردا ترے ستم کا شوخ ؟
کہ زخم سینہ همارے سبھی نمایاں هیں

جور کیا کیا ' جفائیں کیا کیا ہیں؟
عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں

گلہ عشق کا ' بدو خلقت سے ہے
غم دل کی ' کچھ انتہا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں؟
نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
نہیں دیر اگر ' "میر" کعبہ تو ہے
ہمارے ' کوئی کیا خدا ہی نہیں

اندیشہ زاد رہ کا رکھیے تو ہے مناسب
چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اس نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے ' کہے تو کہ سایا ہمیں
گہے تر رہیں ' گاہ خوں بستہ تھیں
ان آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی
بہت ' دوستوں نے جتایا ہمیں

جلوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ، ہم تو کھوئےگئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں ؟
شب ، آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا
اِنہیں نے کنارے لگایا ہمیں
جلیں پیش و پس جیسے شمع و پتنگ
جلا وہ بھی جس نے جلایا ہمیں

روے سخن جو ہے تو مرا چشم و دل کی اور
تم سے خدا نہ خواستہ مجھ کو گلا نہیں

کیا کہیں ، آتش ہجراں سے گلے جاتے ہیں
چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

معلوم نہیں ، کیا ہے لب سرخ بتاں میں
اِس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں
یہ دل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے
ٹھہرو کوئی دم آن کے ، اِس ٹوٹے مکاں میں
وے یاسمن تازہ شگفتہ میں کہاں " میر "
پائے گئے لطف ، اُس کے جو پانؤوں کے نشاں میں

غفلت دل سے ستم گذریں ہیں سو مت پوچھو
قافلے چلنے کو تیار ہیں ' ہم خواب میں ہیں

اِس سے کیا دور؟ جو بیٹھے بھی ہوں ننے اغیار
پاس ' اِس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہوں

ہم بھی اِس شہر میں ' ان لوگوں سے ہیں ' خانہ خراب
" میر " ! گھر بار جنھوں کے رہ سیلاب میں ہیں

——

نگاہ حسرت بت ' دیر سے جانے کی مانع ہے
مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوے کعبہ لاؤں میں

——

رو چکا خون جگر سب ' اب جگر میں خوں کہاں ؟
غم سے پانی ہوکے کب کا بہہ گیا ' میں ہوں کہاں ؟

عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
جاے گریہ ہے یہاں ' لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں ؟

——

اِس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک
ٹکڑے ہوکر گیا لباس کہیں

——

ظلم و ستم کیا ؟ جور و جفا کیا ؟ جو کچھ کہیے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں ؛ رہتا نہیں دل ' پھر آتا ہوں

پیار کے خط کو گلے میں ڈالا ' شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیونکر ؟ اُس سے میں شرماتا ہوں

بھلے فریب لطف سے اُس کے ' کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں ' کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

یہ تصرف عشق کا ہے سب ' وگرنہ ظرف کیا ؟
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اِس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن‌زار کا ہے تو گل تر
بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

رہے ہو رہے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں ' اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
اُس کے کاکل کی پہیلی ' کہو ؟ تم بوجھے ' " میر "
کیا ہے ؟ زنجیر نہیں ' دام نہیں ' مار نہیں

جہاں سے دیکھیے ' اِک شعر شورانگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

بہ حالِ سگ ' پھرا کب تک کروں یوں اُس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ہوں " میر " آخر میں بھی انساں ہوں

جہاں ہو تیغ بہ کف کوئی سادہ ' جا لگنا
اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں ضبط اذیت سے میں تو ' سن ' اے " میر "
تمیز رنج و خیال نشاط ' مجھ کو نہیں

بہار آئی ' کھلے گل ' پھول ' شاید باغ صحرا میں
جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

جاے ہے جی ' نجات کے غم میں ایسی جنت گئی جہنم میں
بےخودی پر نہ " میر " کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

دیکھ اُسے ' ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب ؟
ہے فرق " میر " برق و دل بےقرار میں

گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے
جیسے اسیر تازہ بےتاب ہو قفس میں

مرنا ہے خاک ہونا ' ہو خاک اُڑتے پھرنا
اِس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں
کس دن چمن میں' یا رب! ہوگی صبا گل افشاں ؟
کتنے شکستہ پر ہم ' دیوار کے تلے ہیں

شرر سے ' اشک ہیں اب چشم تر میں
لگی ہے آگ ' اِک میرے جگر میں
نہ کیوں عاشق و معشوق کے رنگ
جدا رہتے ہیں ہم وے ایک گھر میں
بلا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر
قیامت گم ہوئی اُس شور و شر میں
رہا تھا دیکھ ایدھر " میر " چلتے
عجب اِک نا اُمیدی تھی نظر میں

قصور اپنے ہی طول عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

جھمکنے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں
خدا ساز تھا آزر بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں
ہمیں بے نیازی نے بتھلا دیا
کہاں اِتنی طاقت کہ منت اُٹھائیں

مجھ کو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں ' جوں نسیم ' باد فروش چمن نہیں
ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا
دل سے ہے جن کو راہ ' یہ اُن کا چلن نہیں

مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا ادھر سے یاں
جاتی رہی جان اُسی رہگذر سے یاں
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے
ہوتی نہیں تسلیٔ دل ' اب خبر سے یاں

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اُس آئینہ رو کو صبح
ہم کس اُمید پر شب غم کو سحر کریں
لاویں کہاں سے خون دل اتنا کہ " میر " ہم
جس وقت بات کرنے لگیں ' چشم تر کریں

کیا راہ چلنے سے ہے اے "میر"! دل مکدر
تو ہی نہیں مسافر، ہے عمر بھی گذر میں

——

شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی ہے قریب
جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں

——

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش ہمیں اب اُمید رہائی نہیں

——

جی ہی جائے ہے "میر" جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج، طرف کعبے کے، پھیرا ہم لائے ہیں

——

حساب پاک ہو روز شمار میں، تو عجب
گناہ اِتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں
تلاش "میر" کی اب میکدوں میں کاش کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

——

وہ جو خرام ناز کرے ہے، ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے، دل ہے میرا سنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں، اِتنے دل کے تنگ نہیں

شعر "میر" بھی پڑھتا ھے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اُس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

برے حال اُس کے گلی میں ھیں "میر"
جو اٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

پاؤں کو دامن محشر میں ناچاری سے ھم کھینچیں گے
لائق اپنی وحشت کے اُس عرصے کا میدان نہیں

یوں ناکام رھیں گے کب تک ؟ جی میں ھے اِک کام کریں :
رسوا ھوکر مارے جاویں ' اُس کو بھی بدنام کریں

سنتا نہیں ھے شعر بھی وہ حرف ناشنو
دل ھی میں خوں ھوا کیں مری نکتہ دانیاں

کسو سے دل نہیں ملتا ھے ' یارب !
ھوا تھا کس گھڑی اُن سے جدا میں

دل ھے داغ ' جگر ٹکڑے ؛ رہ جاتے ھیں چپ کے سے
چھاتی سراھیے اُن لوگوں کی جو چاھت کو نباھیں ھیں

دل اُلجھے اِن بالوں میں، تو آخر سودا ہوتا ہے
کوچے کو زنجیر کے یعنی زلفوں سے دو راہیں ہیں

رونا روز شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنی میرے گناہوں کو کچھ حصر و حد و حساب نہیں

دیکھی تھیں ایک روز تری مست انکھڑیاں
انگڑائیاں ہی لیتے ہیں اب تک خمار میں
شور اب چمن میں میری غزل‌خوانی کا ہے "میر"
اِک عندلیب کیا یہ کہوں میں ہزار میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ہلتی ہے تو توڑ دیں ہم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ہیں

کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالم حسن میں، نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے، واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالاں برسوں، لیکن اب فرہاد نہیں

چلتے ہیں ناز سے جب، ٹھوکر لگے ہے دل کو
آتیں نہیں سمجھ میں اِن دلبروں کی چالیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں   فاقہ‌مستی مدام کرتا ہوں

قطعہ

کوئی ناکام یوں رہے کب تک   میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب   کام اپنا تمام کرتا ہوں

مر گئے نا اُمید ہم مجبور
خواہشیں جی کی اپنے جی میں رہیں
دیر سے "میر" اُٹھ کے کعبے گئے
کہیے کیا ؟ نکلے جا کہیں کے کہیں

اُس سے ٹھہرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں

میں منھ نہیں لگایا بنت‌العنب کو کاہے
تب تھا جوان صالح ، اب پیر میکدہ ہوں

رنگینیء زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ
سو رنگ بدلے جاتے ہیں ، یاں ایک آن میں

آئے میں "میر" کافر ہوکر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ ' زنار ہے کمر میں

طرفہ خوش‌رو ' دم خوں‌ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں منھہ پھیر لیا کرتے ہیں
غم و اندوہ و بےتابی' الم' بے طاقتی' حرماں
کہوں' اے ہم نشیں ! تاچند غم ہاے فراواں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اِس دل کو اب ناصح
سحر خوں‌بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صداے آہ ' جیسے تیر ' جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا جانیے ' اے گوہر مقصد ! تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو
اِس جینے سے اب دل کو اُٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھہ کو قسم ' ظلم سے مت ہاتھہ اُٹھا تو

خط لکھہ کے کوئی سادہ نہ اُس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان ' جو قاصد رسول ہو
جاویں نثار ہونے کو ہم کس بساط پر
اِک نیم جاں رکھیں ہیں ' سو وہ جب قبول ہو

آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم　　شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں　　اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا　　"میر" کا طور یاد ہے ہم کو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہوچے، جو بے بال و پر رہائی ہو
اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہونچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

گر ذوق سیر ہے، تو آوارہ اِس چمن میں
مانند عندلیب گم کردہ آشیاں ہو
اُس تیغ زن سے کہیو، قاصد! مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہوں، گر قصد امتحاں ہو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے　　آہ تم بھی تو اِک نظر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے　　ناخن شوق کا ہنر دیکھو

آرام ہوچکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دل بےقرار کو

ملستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہو اختیار
پر کیا کروں میں دیدۂ بےاختیار کو

اچھی لگے ہے تجھ بن، گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اتنا دماغ کس کو

خاکِ حسرت‌زدگاں پر تو گزر بے وسواس
اِن ستم کشتوں سے اب عرض تمنا کیا ہو

عالم ہے شوق گشتہ، خلقت ہے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو، آنکھوں کا مدعا تو

سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں
پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو
اک دم تو ہم پہ تیغ کو تو بے دریغ کھینچ
تا عشق میں، ہوس میں، تلک امتیاز ہو
جوں توں کے اُس کی چاہ کا پردا کیا ہے میں
اے چشم گریہ‌ناک نہ افشاے راز ہو

نالہ اگر مرا سبب شور و شر نہ ہو
پھر مر بھی جائیے تو کسو کو خبر نہ ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر ' روز قیامت رہتي ہے
رات کبھو اُرہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھاتے ہو

ہائے اُس زخمي شمشیر محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو
گل ہو ' مہتاب ہو ' آئینہ ہو ' خورشید ہو "میر"
اپنا محبوب وہي ہے جو ادا رکھتا ہو

سرو ' گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک
چاهیے رو اُس کاسا رو ہو ' قامت ویسا قامت ہو
ہو جو اِرادہ رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصد اقامت ہو
شور و شغب کو راتوں کے ہمسائے تمہارے کیا روویں
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے " میر " جی تم جو سلامت ہو

خنکي اِتني بھي تو لازم نہیں اِس موسم میں
پاس جوش گل و دل‌گرمیِ ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو پہ گلابي رکھو
ہاتھ میں جام کو لو ' آپ کو بدنام کرو
رات تو ساري گئي سنتے پریشاں‌گوئي
" میر " جی کوئی گھڑي تم بھي تو آرام کرو

ھیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

دل صاف ھو، تو جلوہ‌گہہ یار کیوں نہ ھو ؟
آئینہ ھو، تو قابل دیدار کیوں نہ ھو ؟
رحمت، غضب میں نسبت برق و سحاب ھے
جس کو شعور ھو، تو گنہ‌گار کیوں نہ ھو ؟
ھردم کی تازہ مرگ جدائي سے تنگ ھوں
ھونا جو کچھہ ھے، آہ، سو اِک بار کیوں نہ ھو ؟

کامل ھو اِشتیاق تو اِتنا نہیں ھے دور
حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ھو ؟
شاید کہ آوے پرسش احوال کو کبھو
عاشق بھلا سا ھووے، تو بیمار کیوں نہ ھو ؟

مجنوں جو دشت گرد تھا، ھم شہر گرد ھیں
آوارگي ھماري بھی مذکور کیوں نہ ھو ؟

ھردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ھو ؟
کچھہ ھم نے کي ھے ایسي ھی تقصیر کیوں نہ ھو ؟

وے جو مست بےخودی هیں عیش کرتے هیں مدام
میکدے میں دھر کے مشکل ھے تک هشیار کو

زیادہ حد سے تھي تابوت '' میر '' پر کثرت
ہوا نہ وقت مساعد یہ ناز کرنے کو

حال تم " میر " کا اے اھل وفا مت پوچھو
اُس ستم کشتہ پہ جو گذری جفا مت پوچھو
هوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اس کے آتے هي میں کیا کیا نہ گیا ' مت پوچھو

نالۂ شب نے کیا ھے جو اثر ' مت پو چھو
ٹکرے ٹکڑے ہوا جاتا ھے جگر ' مت پو چھو

اُس کي طرز نگاہ ' مت پوچھو جی هي جانے ھے ' آہ ' مت پوجھو

قطعہ

تھا کرم پر اسي کے شب مدام میرے اعمال ' آہ ' مت پوچھو
تم بھي ' اے مالکان روز جزا بخش دو اب گناہ ' مت پوچھو

کہنے سے "میر" اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اِس دل خانہ خراب کو

چاہتا ہے جي کہ ہم تم ایک جا تنہا ملیں
ناز بےجا بھي نہ ہووے، کم‌نگاهي بھي نہ ہو

واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو
معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانۂ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اِس داستاں تلک تو
اے کاش خاک ہي ہم رہتے کہ "میر" اِس میں
ہوتي ہمیں رسائی اُس آستاں تلک تو

بے طاقتی میں شب کو پوچھو نہ ضبط میرا
ہاتھوں میں دل کو رکھا، دانتوں تلے جگر کو
ہے روزگار میرا ایسا ہی یہ کہ یارو
مشکل ہے فرق کرنا تک شام سے سحر کو
نزدیک ہے کہ جاویں ہم آپ سے، اب آؤ
ملتے ہیں دوستوں سے جاتے ہوئے سفر کو

نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر "میر" سا سر گرم آہ سرد ہوگا تو

بدزباں ہو ، جیسے خوش اسلوب ہو
کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

سائے میں ہر پلک کی خوابیدہ ہے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو
اشعار "میر" پر ، ہے اب ہائے وائے ہر سو
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

یہی مشہور عالم ہیں ، دو عالم
خدا جانے ملاپ اُس سے کہاں ہو
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو
نہ دل سے جا ، خدا کی تجھ کو سوگند
خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو
تم اے نازک تمنا ہو کے سب کے
تمنائے دل و آرام جاں ہو

تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اِتنی چپ بھی نہیں ہے خوب ، کوئی بات کرو

کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موئے ہیں
کچھ پوچھو نہ اُس شوخ کی رنجش کے سبب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے کے تلے "میر"
کیا ربط محبت سے اُس آرام‌طلب کو

تک نہ چل اے نسیم باغ کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا ' گل ہو
مجھ دوانے کی مت ہلا زنجیر
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غل ہو
منکشف ہو رہا ہے حال "میر"
کاش تک یار کو تامل ہو

اِس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپنی بھی نظر میں ٹھہرے جاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے
ہونے دو اُسے ابھی جواں تو
کیا اُس سے رکہیں امید بہبود
پھرتا ہے خراب آسماں تو
یہ طالع نارسا بھی جاگیں :
سوجائے تک اُس کا پاسباں بھی
مت تربت "میر" کو مٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو

رهتے هو تم آنکھوں میں' پھرتے هو تمھیں دل میں
مدت سے اگرچہ یاں آتے هو نہ جاتے هو

چھاتی ' قفس میں داغ سے هو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ هم اُئے اسیر هو
کس طرح ' آه ' خاک ندامت سے میں اُٹھوں ؟
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دست گیر هو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر هو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اِتنے سے قد پہ تم بھي قیامت شریر هو

ٹک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو " میر " صاحب و قبلہ فقیر هو

نہ لکھیں یار کو محضر همارے خون ناحق کا
دکھا دیویں گے هم محشر میں اُس کے دست رنگیں کو
لئے تسبیح هاتھوں میں جو تو باتیں بناتا هے
نہیں دیکھا هے واعظ تونے اُس غارتگر دیں کو
گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے " میر " آشفتہسر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بےمحابا دنیا ہو اور تو ہو
ایسی کہو گے کچھ تو ، ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لونگا میں ہی
تم دست لطف اپنا سر سے مرے اٹھا لو
یاران رفتہ ایسے کیا دورتر گئے ہیں
تک کر کے تیزگامی اُس قافلے کو جالو
یوں رفتہ اور بےخود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی ''میر صاحب'' اپنے تئیں سنبھالو

سر ، خاک آستاں پہ تمھاری ، رہا مدام
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو

سختیاں ، دیکھیں تو ، ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر ، ہو سو ہو
کہتے ہیں ٹھہرا ہے تیرا اور غیروں کا بگاڑ
ہیں شریک اے ''میر'' ہم بھی تیرے ، بہتر ، ہو سو ہو

هر چند ساتھ جان کے ہے عشق "میر" لیک
اِس درد لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہے
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو
کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو
اِس پردے میں، خیال تو کر تک، خدا نہ ہو

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو
بے خودی رہتی ہے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہیں آگاہ تو
اُس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جا، اے آہ، تو
"میر" تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو
محل شکر ہے، آتا نہیں گلا مجھ کو
پڑا رہے کوئی مردہ سا کب تلک خاموش؟
ہلا کہیں، لب جاں‌بخش کو، جلا مجھ کو

درستی جیب کی اِتنی نہیں ہے اے ناصح
بلے تو سیلئے صد چاک دے سلا مجھ کو

سب سر گذشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
آخر ہوئی کہانی مری' تم بھی سو رہو
خطرہ بہت ہے "میر" رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں
دکھائي دے ہے : موئے ھي پہ اب رہائي ہو

مستی اُن آنکھوں سے نکلي ہے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ہے جام مل کو

یاں جرم گنتے ' انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے
واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو
ہستي پر ایک دم کی تمھیں جوش اِس قدر
اِس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے ؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے بھي ہم جاتے رہے ہیں ؛ تم بھي آؤ ' جانے دو

کرتے هو تم نیچی نظریں ' یه ابهي کوئي مروت هے ؟

برسوں سے پهرتے هیں جدا هم ؛ آنکھ سے آنکھ ملانے دو

اب کے بہت هے شور بہاراں ' هم کو مت زنجیر کرو

دل کی هوس کچھ هم بهي نکالیں' دهومیں هم کو مچانے دو

کیا جاتا هے اِس میں همارا چپ کے هم تو بیٹھے هیں

دل جو سمجھنا تها سو سمجھا ' ناصح کو سمجھانے دو

جب کبھو ایدهر سے نکلے هے' تو اِک حسرت کے ساتھ

دیکھے هے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو

سارے بازار جہاں کا هے یهی مول' اے " میر " :

جان کو بیچ کے بهی دل کے خریدار رهو

هجراں کی سر گذشت مري گفتني نہیں

کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

شب ' آنکھ مری لگنے نہیں دیتی هے بلبل

اِس مرغ کی بےنادیم آواز تو دیکھو

کیا بلاخیز جا هے کوچۂ عشق

تم بهی یاں " میر " مول اک گهر لو

ہم کو دیوانگی ' شہروں ہی میں خوش آتی ہے
دشت میں قیس رہو ' کوہ میں فرہاد رہو
" مہر " مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے ' پیارے
اِس خرابے میں ' مری جان ! تم آباد رہو

زخموں پر اپنے ' نون چھڑکتے رہا کرو
دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی اُلجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

اُڑایا ہم نے اب کے سوکھے پتّوں کی روش ہم کو
الٰہی سبز رکھیو باغ خوبی کے نہالوں کو

جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں ملدتے " میر "
تمھیں تو چاہیے ہر کام میں شتاب کرو

آلودہ خون دل سے صد حرف منھ پر آئے
مرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو
دل " مہر " دلبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

کام گئے ہیں شوق سے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
باز رکھا بے تابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

تھي وفا و مہر تو بابت دیار عشق کي
دیکھیں شہر حسن میں اِس جنس کا کیا بھاو ہو

اِن اُجڑي ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جي میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

کیا فرض، ہستی کی رخصت ہے مجھ کو
کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو ?

اِن پلکوں کی کاوش سے زخمی ہے جگر سارا
لے تار نگاہوں کے، نازک سا رفو کیجو

مستي و دیوانگي کا عہد ہے بازار میں
پاے کوباں دست افشاں آن کر پیدا کرو

موسم گل آیا ہے، یارو! کچھ میري تدبیر کرو
یعني سایۂ سرو و گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے ' مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی تک ' اے آہ و نالہ ! قلبوں میں تاثیر کرو

خلع بدن کرنے سے عاشق ' خوش رہتے ہیں اِس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ہو
تہ داری کچھ دیدۂ تر کی " میر " نہیں کم دریا سے
جوشاں ' شورکناں آ جاوے ہے ' یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
حسن عمل کی واں بھی مکافات ہو تو ہو
منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا " میر " کی
ذات مقدس اُن کی یہی ذات ہو تو ہو

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا
کوئی جیسے لاوے گنہگار کو

کیونکے نیچے ہاتھ کے رکھا دل بیتاب کو ؟
وہ جو تڑپا لے گیا آسودگیء خواب کو
چاہتا ہے جب مسبب آپہی ہوتا ہے سبب
دخل اِس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو
دم بہ خود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ " میر "
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

بے چین بستر پر رہا، بے خواب خاکستر پہ ہوں
صبر و سکوں جب سے گئے پایا نہیں آرام کو
" میر " اب بھلا کیا ابتداے عشق کو روتا ہے تو
کر فکر جو پاوے بھی اِس آغاز کے انجام کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں
واقعہ " میر " ہے درپیش عجب یاروں کو

ابتدا ہی میں مرگئے سب یار
عشق کی کی ابتدا انتہا نہ کبھو

فرصت بود و باش یاں کم ہے
کام جو کچھ کرو شتاب کرو
" میر " جی ، راز عشق ہوگا فاش
چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

رہے آبرو " میر " تو ہے غنیمت
کہ غارت میں دل کی ہے ایماے ابرو

چاہت میں خوبرویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو
بے تاب دل کا ، مرگ کہیں مدعا نہ ہو
آزاد پرشکستہ کو صد رنگ قید ہے
یا رب ، اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

ہے دامن گل‌چیں ' چمن جیب ہمارا
دنیا میں رہے دیدۂ خوں‌بار ہمیشہ

سیر گل‌گشت کے خاطر بلا ہے باغ داغوں سے
پر طاؤس سینہ ہے تمامی دست گل دستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک ' انتہا ہے یہ
شکر اُس کی جفا کا ہو نہ سکا
دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ
نعشیں اُٹھتی ہیں آج یاروں کی
آن بیٹھو تو خوش‌نما ہے یہ
تیغ پر ہاتھ، دم بہ دم کب تک ؟
اِک لگا چک کہ مدعا ہے یہ

دل گیا ' ہوش گیا ' صبر گیا ' جی بھی گیا
شغل میں غم کے ترے ہم سے گیا کیا کیا کچھ ؟
آہ ' مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھی ہمیں
چشم لطف و کرم و مہرو وفا ' کیا کیا کچھ ؟
درد دل ' زخم جگر ' کلفت غم ' داغ فراق
آہ ' عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ ؟
ایک محروم چلے " مہر " ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ ؟

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ہو سکے تو پیارے ٹک دل کا آشنا رہ
ہر مشت خاک یاں کی چاہے ہے اِک تامل
بے سوچے راہ مت چل ' ہر گام پر کھڑا رہ
شاید کہ سر بلندي هووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پانوں سے تو لگا رہ

مر جاؤ کوئی' پروا نہیں ہے کتنا ہے مغرور' اللہ اللہ !
پیر مغاں سے بے اعتقادي استغفراللہ ' استغفراللہ !

تھي خواهش دل رکھتا حمائل گردن میں اس کے ھرگاہ و بیگاہ
اِس پر کہ تھا وہ شہرگ سے اقرب ھرگز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ

جلوے ہیں اُس کے شانیں ہیں اُس کی
کیا روز' کیا خور' کیا رات' کیا ماہ
ظاہر کہ باطن ' اول کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

کرے ہے جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں
اجل رسیدہ ' جفا دیدہ ' اضطراب زدہ

ناحق اُلجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا "میر" میں تو چلا اپنی راہ راہ

کیا موافق ہو دوا، عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اِس آزار کے ساتھ
مرگئے، پھر بھی کھلی رہ گئیں اپنی آنکھیں
کون اِس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ
کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اک ربط سا ہے دیدۂ خوں‌بار کے ساتھ
دیکھیے کس کو شہادت سے سر افراز کریں
لاگ تو سب کو ہے اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ

سعی اِتنی یہ ضروری ہے، اُٹھے رزم سلک
اے جگر تفتگیِ بے اثر پروانہ
کس گلہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز
پانو پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

کھل گیا منہ اب تو اُس محبوب کا
کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز
دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یہ نباہ

شهم! تو نے خوب سمجھا "میر" کو
واہ وا، اے بے حقیقت! واہ واہ

پامال هوں کہ اِس میں هوں خاک سے برابر
اب هو گیا هے سب کچھ، هموار رفتہ رفتہ
گر بت‌کدے میں جانا ایسا هے "میر جي" کا
تو تار سبحہ هو گا زنار، رفتہ رفتہ

سائے سے اپنے وحشت هم کو رهي همیشہ
جوں آفتاب هم بهی کیسے رهے جریدہ

وقت کوهلے کے هاتھ دل پر رکھ،
جان جاتی رهے نہ آہ کے ساتھ
جاذبہ تو اِن آنکھوں کا دیکھا
جی کھینچے جاتے هیں نگاہ کے ساتھ

کھینچتا هے دلوں کو صحرا کچھ
هے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ،
وصل اُس کا خدا نصیب کرے
"میر" دل چاهتا هے کیا کیا کچھ؟

منھ نہ ھم جبریوں کا کھلواؤ
کھلنے کو اختیار سا ھے کچھ
ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ھے کچھ

خالي نہیں ھے خواھش دل سے کوئي بشر
جاتے ھیں سب ' جہان سے ' اِک آرزو کے ساتھ
کیا اضطراب عشق سے میں حرف‌زن ھوں "میر" ؟
منھ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھ

ھم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ
لے جاتے دل کو خاک میں اِس آرزو کے ساتھ

محتاج گل نہیں ھے گریبان غم‌کشاں
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ

اب دل خزاں میں رھتا ھے جي کي زکن کے ساتھ
جانا ھي تھا ھمیں بھی بہار چمن کے ساتھ

دیکھیں عاشق کا جی بھي ھے کہ نہیں
تنگ ھے جان ناصبور سے وہ

خوش هیں دیوانگیء "میر" سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

ملنا نہ ملنا ٹھہرے، تو دل بھي ٹھہرے اپنا
اقرار ہے ہمیشہ، انکار ہے ہمیشہ
آمادۂ فنا کچھ کیا "میر" اب ہوا ہے
جي مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

دل ہے میري بغل میں صدپارہ　　اور ہر پارہ اِس کا آوارہ

کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو
اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آہ میں غیر سے ناچند کہوں جی کي بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
ہمت اپنی ہی یہ تھی "میر" کہ جوں مرغ خیال
اک پرافشانی میں گذرے سر عالم سے بھی

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے　　یہ دھواں سا، کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا　　کوئی، ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا　　شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے
بیٹھنے کون دیے ہے پھر اُس کو　　جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم　　جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

کروں کیا حسرت گُل کو ، و گرنہ　　دل پر داغ بھی اپنا چمن ھے

تاب دل، صرف جدائي هو چکی
　　یعنی طاقت آزمائی هو چکی
چھوٹتا کب ھے اسیر خوش زباں
　　جیتے جی اپني رهائي هو چکی

فرصت میں یک نفس کے ، کیا درد دل سنو گے ؛
　　آئے تو تم و لیکن وقت اخیر آئے
بن جی دیے نہیں ھے امکان یاں سے جانا
　　بسمل کہ جہاں میں اب هم تو "میر" آئے

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
　　پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں هماري هم سے
سوزش گئی نہ دل کي ، رونے سے روز و شب کے
　　جلتا هوں ، اور دریا بہتے هیں چشم نم سے
کیا کیا تعب اٹھائے ، کیا کیا عذاب دیکھے ؟
　　تب دل هوا ھے اِتنا خوگر ترے ستم سے
هستي میں هم نے آکر آسودگی نہ دیکھي
　　کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے

گئے جی سے ' چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات "میر"
آئي جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

خنجر بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بہ دم
چشم سے انصاف کی ' سینے ہمارے دیکھیے

دم مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر "میر" کو آرزو تھی کسو کي

وے دن گئے جو ضبط کي طاقت تھي ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار ' نہیں جاتے سنبھالے
احوال بہت تنگ ہے ؛ اے کاش ' محبت
اب دست تلطف کو مرے سر سے اُٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے ' گر دل بے مدعا ہوتے
فلک ' اے کاش ' ہم کو خاک هي رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو، اللہ ہي اللہ ہے
تری، آہ کس سے خبر پائیے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں، بےخبر! راہ ہے

شرط سلیقہ ہے ہر اِک امر میں
عیب بھي کرنے کو ھنر چاھیے
خوف قیامت کا یہی ہے کہ "میر"
ھم کو جہاں بار دگر چاھیے

ھستي اپني حباب کي سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکي اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑي اِک گلاب کی سی ھے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ھوں
حالت اب اِضطراب کي سی ہے
"میر" اُن نیم‌باز آنکھوں میں
ساري مستي شراب کي سی ہے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ "میر"
جی پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

اب جو اِک حسرت جوانی ہے
عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ
دل میں کوئی غم نہانی ہے
خاک تھی موج زن جہاں میں' اور
ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
ہم قفس زاد قید ہیں ورنہ
تا چمن ایک پرفشانی ہے
اُس کی شمشیر تیز سے' ہمدم
مر رہیں گے' جو زندگانی ہے
یاں ہوئے "میر" ہم برابر خاک
واں وہی ناز و سر گرانی ہے

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بےوفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اِسی تقریب اُس گلی میں رہے:
منتیں ہیں شکستہ پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کي تاثیر
آہ نے ! آہ ' نارسائي کي
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائي کي

دل کي معموري کي مت کر فکر ' فرصت چاهیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاهیے
عشق میں وصل و جدائي سے نہیں کچھہ گفتگو
قرب و بعد اِس جا برابر هے ' محبت چاهیے
نازکي کو عشق میں کیا دخل هے ' اے بوالهوس
یاں صعوبت کهینچنے کو جي میں طاقت چاهیے

بے یار ' شہر دل کا ' ویران هو رها هے
دکهلائی دے جہاں تک میدان هو رها هے

آہ میری زبان پر آئي یہ بلا آسمان پر آئي
آتش رنگ گل سے کیا کہیے ؟ برق تهي آشیان پر آوی

گر دل کي بےقراري هوتي یهی جو اب هے
تو ' هم ستم رسیدہ کاهےکو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُٹھ کر جاتے تهے اُس گلی میں
اب سعي چاهیے هے بالیں سے سر اُٹهاتے

شاید کہ خون دل کا پہونچا ھے وقت آخر
تھم جاتے ھیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے

مري خاک تفتہ پر، اے ابر تر!
قسم ھے تجھے تک برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی
دھواں سا اُٹھا کچھ لب گور سے
جو ھو "میر" بھي اُس گلی میں، صبا!
بہت پوچھیو تو مری اور سے

بات شکوے کي ھم نے گاہ نہ کی
بلکہ دي جان اور آہ نہ کي
جس سے تھي چشم ھم کو کیا کیا "میر"
اِس طرف اُس نے اِک نگاہ نہ کي

سر، دے کے "میر" ھم نے فراغت کي عشق میں
ذمے ھمارے بوجھ تھا بارے ادا ھوئے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے، اُٹھائے تھے
پاس ناموس عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے!

وهی سمجھا نہ ' ورنہ ہم نے تو
زخم چھاتي کے سب دکھائے تھے
فرصت زندگي سے مت پوچھو
سانس بھي ہم نہ لینے پائے تھے
" مہر " صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھي لائے تھے

کہاں ہیں ادمي عالم میں پیدا
خدائی صدقے کي انسان پر سے

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ ' دھر میں
خندۂ صبح چمن پر شکل شبنم روئیے

ابر و بہار و بادہ سبھوں میں ہے اتفاق
ساقي ! جو تو بھي مل چلے تو واہ واہ ہے

دن رات مري چھاتی ' جلتی ہے محبت میں
کیا اور نہ تھي جاگھہ یہ آگ جو یاں دابی
ہمیں آمد " مہر " کل بھا گئی
طرح اس میں مجنوں کی سب پا گئي
ہوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے
ہمیں سے وہ کچھہ آنکھہ شرما گئی

کوئي رهنے والي هے جان عزیز
گئی گر نه امروز ' فردا گئي

جوش دل ' ائے بهم دیدۂ گریان هوئے
کتنے اک اشک هوئے جمع که طوفان هوئے
سبزه و لاله و گل ' ابر و هوا هے ' مے ' هے
ساقي ! هم توبه کے کرنے سے پشیمان هوئے

خبر نه تهي تجهے کیا ؟ میرے دل کی طاقت کی
نگاه چشم أدهر تونے کي ' قیامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگي سے کیا
قد خمیده نے سوئے زمیں اشارت کي

پژ مرده بهت هے گل و گلزار همارا
شرمندۂ یک گوشۂ دستار نه هووے
مانگے هے دعا خلق تجهے دیکھ کے ظالم
یارب ! کسو کو اس سے سروکار نه هووے

صحرائے محبت هے ' قدم دیکھ کے رکھ " میر " !
یه سیر سر کوچه و بازار نه هووے

برقع کو اُٹھا چھرے سے وہ بت اگر آوے
اس زندگي کرنے کو کہاں سے جگر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بہ صد ناز ' نسیم سحر آوے

بالیں پہ مِري' آکر ' ٹک دیکھ، شوق دیدار
سارے بدن کا جي اب آنکھوں میں آرھا ھے

بہ تنگ ھوں میں ترے اختلاط سے ' پیوري !
قسم ' ھے اپني مجھے اس گئي جواني کی

ھوا ھے دن تو جدائي کا سو تعب سے شام
شب فراق ' کس اُمید پر سحر کرئے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ھم جو نہ ھوں گے تو بہت یاد کرو گے

سیر گلزار مبارک ھو صبا کو ھم تو
ایک پرواز نہ کي تھي ' کہ گرفتار ھوئے
اس ستم گار کے کوچے کے ھوا داروں میں
نام فردوس کا ھم لے کے گنھہ گار ھوئے

وعدۂ حشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ
کس توقع پر ترے طالب دیدار ہوئے

باغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دي ہے بہاراں نے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل اک انگارا ہے

لائی تری گلي تک آوارگي ہماري
ذلت کی اپنی اب ہم، عزت کیا کرینگے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے — درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے — ناتواں اک غبا اٹھتا ہے
ہے بگولہ، غبار کس کا؟ "میر"! — کہ جو ہو بےقرار، اٹھتا ہے

پا برہنہ، خاک سر میں، مو پریشاں، سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آ! تیرہے ھي دلخواہ ہے

لاعلاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
کیجئے کیا "میر" صاحب بندگی بےچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یکبارگی

عشق کے داغ کا عبث ہے علاج — کوئی اب یہ نشان جاتا ہے

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو ہم کو گئے ہو، یہ تمہیں یاد رہے
ہم سے دیوانے رہیں شہر میں، سبحان اللہ!
دشت میں قیس رہے، کوہ میں فرہاد رہے

باہم سلوک تھا تو اوٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو "میر"! کوئی دبے جب بگڑ گئی

کیسے ہیں وے کہ جیتے ہیں صد سال، ہم تو "میر"
اس چاردن کی زیست میں بیزار ہو گئے

"میر"! اب بہار آئی، صحرا میں چل، جنون کر
کوئی بھی فصل گل میں، نادان! گھر رہے ہے

اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ہے
کل اس کو دیکھیو تم ' نے تاج ہے ' نہ سر ہے
شمع اخیر شب ہوں ' سن ! سر گذشت میری
پھر صبح ہونے تک تو ' قصہ ہي مختصر ہے

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساري ' دوکان شیشہ گر ہے
اہل زمانہ رہتے یک طور پر نہیں ہیں
ہر آن ' مرتبہ سے اپنے ' انہیں سفر ہے
وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے "میر" اب تو
آنکھوں میں لخت دل یا پارۂ جگر ہے

کچھ موج ہوا پیچاں ' اے "میر" ! نظر آئی
شاید کہ بہار آئی ' زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے ' اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی ' تصویر نظر آئي

پیري ' میں کیا ? جوانی کے موسم کو روئیے
اب صبح ہونے آئي ہے ' اک دم تو سوئیے
رخسارے اس کے ' ہائے رے جب دیکھتے ہیں ہم
آتا ہے جي میں آنکھوں کو ان میں گڑوئیے

پیار کرنے کا جو خوباں، ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے؟
لیتے کروٹ، ہل گئے جو کان کے موتی ترے
شرم سے، سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

کرے؟ کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے
زمیں سخت ہے آسماں دور ہے
تمنائے دل کے لئے جان دی
سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے
نہ ہو کس طرح؟ فکر انجام کار
بھروسا ہے جس پر، سو مغرور ہے
دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج
گرا، گر یہ شیشہ تو پھر چور ہے
بہت سعی کرنے سے مر رہئے ''میر''
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

سجدہ کرنے میں سر کٹتے ہے جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
''مہر'' عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

اگے بھی تجھہ سے تھا یاں ' تصویر کا سا عالم
بے دردی فلک نے وے نقش سب مٹائے
اعجاز عشق ھی سے جیتے رھے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

آبشار انے لگے آنسو کی پلکوں سے تو " میر "
کب تلک ' یہ آبچادر ملھہ پہ تانا کیجئے

شوق تھا جو یار کے کوچے' ھمیں لایا تھا "میر"
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائے

غالب کہ یہ دل خستہ شب ھجر میں مرجائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے
نہ بت کدہ ھے منزل مقصود ' نہ کعبہ
جو کوئی تلاشی ھو ترا ' آہ کدھر جائے
یا قوت کوئی ان کو کہے ھے کوئی اگل برگ
ٹک ھونٹھ ھلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے

ھو گئی ' شہر شہر رسوائی اے مری موت تو بھلی آئی

تو ھے بے چارہ گدا " میر " ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں ' صاحب افسر کتنے

چشم بد دور، چشم تر اے "میر" آنکھیں طوفان کو دکھاتي هے

طاقت نہیں هے دل میں، نے جي بہ جا رها هے
کیا ناز کر رهے هو، اب هم میں کیا رها هے

تڑپنا بھي دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ هوں انداز قاتل کا اپنے
بنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
هوں بندہ، خیالات باطل کا اپنے

پژمردہ اس قدر هیں کہ هے شبہ هم کو "میر"
تن میں همارے جان کبھي تھی بھي یا نہ تھي

بیمار رهے هیں اس کي آنکھیں
دیکھو کسو کي نظر نہ هووے
رکھ، دیکھ کے راہ عشق میں پاؤں
یاں "میر" کسو کا سر نہ هو وے

کچھ آبلے دئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفتہ رفتہ خار مغیلاں تلک گئے

جن جن کو تھا، یہ عشق کا آزار، مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
بےکاروان وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی یار کے تیر! جان لے جا بھی

ترا آنا ہی اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

بھرا ہے دل مرا جام لبالب کی طرح ساقی
گلے لگ خوب روؤں میں جو میخانے شراب آوے
لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے "میر" نے خط میں
الٰہی! نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہئیے
ہر ایک بات کی آخر کچھ اِنتہا بھی ہے
ہوس تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن
کہیں ہجوم سے اندوہ غم کی جا بھی ہے
گذار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں "میر" شکستہ پا بھی ہے

ٹپکا کرے ھے آنکھہ سے لوھو ھي روز و شب
چھرے پہ "میر" چشم نے یا کوئي گھاؤ ھے

جو سوچئے تو وہ مطلوب ھم ھی نکلے "میر"
خراب پھرتے تھے جس کي طلب میں مدت سے

اے چرخ! نہ تو روز سیہ "میر" پہ لانا
بے چارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ھے

دو سونپ دود دل کو، میرا کوئی نشاں ھے
ھوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ھے
روشن ھے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن
اے شمع! کچھہ تو کہہ تو، تیرے بھی تو زباں ھے
بھڑکے ھے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھي آشیاں ھے

لبریز جس کے حسن سے مسجد ھے اور دیر
ایسا بتوں کے بیچ، وہ اللہ کون ھے

بے طاقتي نے دل کی، آخر کو مار رکھا
آفت ھمارے جی کی آئي ھمارے گھر سے

دل کش بہ منزل آخر دیکھا تو راہ نکلی
سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے
آوارہ "میر" شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اوٹھ چلے ہے گاہ اس کی رہ گذر سے

فتراک سے نہ باندھے، دیکھے نہ تو تڑپتا
کس آرزو پہ کوئي تیرا شکار ہو وے

رهی نہ پختگي عالم میں دور خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامي ہے

ناصح کو خبر کیا ہے لذت سے غم دل کی
ہے حق بہ طرف اس کے چکھے تو مزا جانے
لے جائے "میر" اس کے دروازے کي متي بھي
اس درد محبت کی جو کوئي دوا جانے

ہنستے ہو، روتے دیکھ کر غم سے
چھیڑ رکھي ہے تم نے کیا ہم سے
تم جو دل خواہ خلق ہو، ہم کو
دشمنی ہے تمام عالم سے
مفت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو
کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

نالۂ عجز نقص الفت ہے
رنج و محنت کمال راحت ہے
تا دم مرگ، غم خوشی کا نہیں
دل آزردہ گر سلامت ہے

روتا آتا ہے دم بہ دم شاید　　کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے
فتنے رہتے ہیں اس کے سائے میں　　قد و قامت ترا قیامت ہے

قطعہ

تجھ کو مسجد ہے ' مجھ کو میخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

قطعہ

تربت "میر" پر ہیں اہل سخن　　ہر طرف ہے حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل　　بہ خدا واجب الزیارت ہے

" میر " میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن ' جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا ' چشم نہ بھر آوے گی

ہر چند ضبط کرئے ' چھپتا ہے عشق کوئی
گذرے ہے دل پہ جو کچھ' چہرے ہی سے عیاں ہے
از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے " میر " اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے
فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کس کو ہے آرزوے رفاقت فراق میں
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک
مانند شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے

آتش کے شعلہ سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے "میر" صاحب و قبلہ جدھر گئے

دن کو نہیں ہے چین، نہ ہے خواب، شب مجھے
مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے "میر" کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

لوٹتے ہے خاک و خون میں غیروں کے ساتھ "میر"
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانئے

مرے اس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے
گذرنا جان سے آساں، بہت مشکل ہے کیا جانے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد ' گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند " میر " نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

——

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

——

روز آنے پہ نہیں نسبت عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں " میر "
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

——

پہونچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال " میر "
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

——

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

——

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں "میر"
ہو نہ لغزش کہیں ' مجلس ہے یہ بیگانوں کی

نہیں وسواس جی گنوانے کے ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیر حال پر مت جا اتفاقات ہیں زمانے کے
دم آخر ہی کیا نہ آتا تھا اور بھی وقت تھے بہانے کے

ٹک آنکھ بھی کھولی نہ زخود رفتہ نے اس کے
ہر چند کیا شور قیامت نے سرہانے

میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک
آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
جوں صبح اِس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس سکے
فرصت رہی جو "میر" بھی سو اک نفس رہی

تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے مرنے کا اِنتظار رہتا ہے

آج کل بےقرار ہیں ہم بھی بیٹھ جا! چلنے ہار ہیں ہم بھی
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح اس میں بےاختیار ہیں ہم بھی

غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیری قدر نہ جانی

مدت سے ہیں اک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلے ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

مر گیا کوهکن اسی غم میں آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منھہ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے "مہر"
جہاں میں تم آتے تھے کیا کر چلے

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ملے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ "مہر" وہ کیا بات ہو گئی

بغیر دل کے یہ قیمت ہے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی
کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی
ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماتم کی
قفس میں "میر" نہیں جوش داغ سینے پر
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم کی

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گذرتی ہے اُس بدگمان سے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اُٹھایا ہم نے

سی ' چاک دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے
ہوتا ہے کیا ہمارا گریباں سیئے ہوئے

کافر ہوئے بتوں کی محبت میں "مہر" جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دے ہوئے

ہم سے ' یہ راہ میں نے نکالی نجات کی
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی

ہم تو ہی اِس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں
اب بات جا چکی ہے سبھی کائنات کی

کیوں کر بجھاؤ آتش سوزان عشق کی
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھی جا لگی

کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ "مہر"
کس جائے اُس شہید کے تیغ جفا لگی

اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہوکر اُڑا کرو گے

ہم محبت سے "مہر" صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

گریے سے داغ سینہ ' تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہری کی

ہے یہ اندھیر، شہر میں خورشید
دن کو لے کر چراغ نکلے ہے

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانئے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم، پر ہم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اوٹھائے گئے، سر گاڑے وہیں آئے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائی، ہوں نہ مکدر کیوں کر ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے، پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
ٹکرے ٹکرے کرنے کی بھی حد ایک آخر ہوتی ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گور تئیں کب لائے گئے
مرنے سے کیا "میر" جی صاحب ہم کچھ خوش تھے کیا کرئے
جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اُسّے دل نہ اُٹھائے گئے

اِدھر سے ابر اوٹھ کر جو گیا ہے — ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے، پر دل کا جانا — عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
سرھانے " میر " کے کوئی نہ بولو — ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے — دل پر خوں کی اک گلابی سے
برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا — داغ ہوں اس کی بےحجابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر "میر" — ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

گر دل ہے یہي مضطرب الحال تو اے "مہر"
ہم پھر زمیں بھي ' بہت آرام کریں گے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑي
پہونچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابي سے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو "مہر" اس کي گلے هی میں جا رہے

ہر صبح اٹھ کے تجھ سے' مانگوں ہوں میں تجھي کو
تیرے سوا میرا کچھ مدعا نہیں ہے

ناتواني سے اگر مجھ میں نہیں ہے جی تو کیا
عشق جو چاہے تو مردے سے بھي اپنا کام لے

پلکوں سے رفو ان نے کیا خاکِ دلِ "مہر"
کس زخم کو کس ناز سی کے ساتھ سیا ہے

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
کیا جانیے ؟ جان ہے کہ تن ہے

کس کو خبر ہے کشتی تبا ہوں کے حال کی
تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

اسیر زلف کرے تھدئی کمند کرے
پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے
ہمیشہ چشم ہے غمناک ' ہاتھ دل پر ہے
خدا کسو کو نہ ہم سا بھی درد مند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے　　جان کو کوئی کھائے جاتا ہے

جائے غیرت ہے خاک دان جہاں　　تو کہاں منھ اُٹھائے جاتا ہے
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا　　کیا ہی سر کو جھکائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو ! اب کے خدا کے یاں سے
کیا خوبی اس کے منھ کی اے غنچے نقل کر لی
تو تو نہ بول ظالم بو آتی ہے دہاں سے
اتنی بھی بدمزاجی ہر لحظہ "میر". تم کو
الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

کی اس طبیب جاں نے تجویز مرگ عشق
آزار کی مناسب تدبیر کیا نکالی

دل بلند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے
اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی "میر" جی
تک آپ بھی ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائیے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں اِنتظار ہے
بس وعدۂ وصال سے کم دیجے مجھے فریب
آگے ہی مجھ کو تیرا بہت اِعتبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض "میر" ایسا ہی تقصیر وار ہے

شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہونچا نہ "میر"
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نا محرم گئے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے
گفتار اس کی کبر سے' رفتار ناز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ
سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے

جي رشک سے گئے جو اُدھر کو صبا چلی
کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلي

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زهراب چھوڑ
خضر کو هنستے هیں سب مجروح خنجر کے ترے

کار دل اس مہ تمام سے ہے
کاهش اک روز مجھ کو شام سے ہے
کوئي تجھ سا بھی کاش تجھ کوملے
مدعا هم کو انتقام سے ہے

کوئی بھي " مہر " سے دلریش سے یوں دور پھر تا ہے
تک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دے دے

هشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک
مارے گئے هیں لوگ بہت بے خبري سے

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کي
دهوم ہے پھر بہار آنے کي
تیز یونہیں نہ تھي سب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

قطعہ

جو ہے سو پائمال غم ہے ''میر'' چال بے ڈول ہے زمانے کی

اب تو ہم ہو چکتے ہیں تک تیرے ابرو خم ہوتے

کیا کیا رنج اٹھاتے تھے، جب جی میں طاقت رکھتے تھے

دین و مذہب عاشقوں کا قابل پرسش نہیں

یے ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کے لیے

طپش سے رنگ اڑ جاوے قلق سے جان گھبرا وے

دیا ہے دل الٰہی ہم کو یا کوئی ؟

دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے راہ آپس میں

طریق عشق بھی عالم سے کچھ نرالا ہے

ہزار بار گھڑی بھر میں '' میر '' مرتے ہیں

انھوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے

دل دھڑ کے ہے جاتے کچھ بتخانے سے کعبے کو

اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے

چھاتی جلا کرے ہے' سوز دروں بلا ہے
ایک آگ سی لگی ہے' کیا جانئے کہ کیا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو — خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
تماشا کردنی ہے داغ سینہ — یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے
کب اس بے گانہ خو کو سمجھے عالم — اگرچہ یار عالم آشنا ہے
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر — یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے
لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا — تمہارا "میر" صاحب سر پھرا ہے

افراط شنوائی میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہوچکے

شور بازار میں ہے یوسف کا
وہ بھی آنکلے تو تماشا ہے
تک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا کف دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اس میں گزرے تب ہمیں راحت ہوئی

ہم "میر" تیرا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوے بن کب ؟ جو کچھ کہ ہوا چاہے

هم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئي دل کو ملا کرے ہے
کیا کہیئے داغ ہے دل ' ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئي ظالم وفا کرے ہے

گرم آکے ایک دن وہ ' سینہ سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جي کو اکثر رہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ "میر" عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ' ادا کرے ہے

جاناں کي رہ سے آنکھیں ' جس تس کی لگ رہی ہیں
رفتہ ہیں لوگ سارے یاں پاؤں کے نشاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے "میر" شوق سے تو
سینے کے زخم کے ' کہہ ! کیوں کر رہیں گے ٹانکے

جفا اس کی نہ پہونچی انتہا کو دریغا عمر نے کي بے وفائی

کیا جانیے کہ عشق میں خوں ہوگیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کي جگہہ ایک درد ہے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ہی بات آئی ' اُٹھے اس پاس سے ' جاں سے گئے
جی تو اس کی زلف میں' دل کاکل پیچاں میں "میر"
جا بھی نکلے اس گلی تو ہم پریشاں سے گئے

ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہے مجنوں
ہم بھی دیوانے ہیں اس طور کے دیوانے کے
آہ ! کیا سہل گذر جاتے ہیں جی سے عاشق
ڈھب کوئی سیکھ لے اِن لوگوں سے مرجانے کے
کاہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہی ہے گر چال
ایک دو دن میں نہیں ہم بھی نظر آنے کے

کبھو " میر " اس طرف آکر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

مستی میں جا و بے جا مدنظر کہاں ہے
بے خود ہیں اس کی آنکھیں ان کو خبر کہاں ہے
اٹھنے کی ایک ہوس ہے ہم کو قفس سے ورنہ
شایستۂ پریدن ' بازو میں پر کہاں ہے

یاران دیر و کعبہ ' دونوں بلا رہے ہیں
اب دیکھیں " میر " اپنا جانا کدھر بنے ہے

رکھنا تمھارے پاؤں کا کھوتا ہے سر سے ہوش
یہ چال ہے تو اپنی کسے پھر خبر رہے

—

وے دن گئے کہ پھروں کرتے نہ ذکر اس کا
اب نام یار اپنے لب پر گھڑي گھڑي ہے
آتش سي پھک رهي ہے سارے بدن میں میرے
دل میں عجب طرح کی چنگاری آپڑی ہے

—

ریجھنے هی کے ہے قابل یار کی ترکیب "میر"
واہ وا رے چشم وابرو' قد و قامت هاے رے

—

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مونازک ہے
چاک دل پلکوں سے مت سي کہ رفو نازک ہے

—

چھاتي کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں
دیکھیں ابھي محبت کیا کیا همیں دکھاوے

—

آسماں شاید ورے کچھ آگیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جي

—

کیا جانئے کہ چھاتي جلے ہے کہ داغ دل
اک آگ سی لگی ہے کہیں' کچھ دھواں سا ہے

—

مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے
نہ مرنے کا غم ہے، نہ جینے کی شادی
نہ ہو عشق کا شور تا "میر" ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کرے منادی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب، کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیں، کیا ہم سے نادانی ہوئی

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دوانی ہے، مشہور ہے
گدا، شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے
نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں
اسی مرتبے میں وہ مغرور ہے
کیا شاید اس شمع‌رو کا خیال
کہ اب "میر" کے منھ پہ کچھ نور ہے

بے خودی یہ ہے تو ہم آپ میں اب آچکے
کیا تمھیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چکے

کی سیر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی
اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی

آنکھیں غبار لائیں مری ' انتظار میں
دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اس رہ گزار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
منھ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
کیا جانوں چشم تر سے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے "میر" سمندر کے پار کی

اب حوصلہ کرے ہے ہمارا بھی تنگیاں یاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں یہ

تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اُٹھی
حیرت ہے "میر" اپنے تئیں ہم کہاں رہے

رہتے رہتے منتظر' آنکھوں میں جی آیا ندان
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے
جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے ایک "میر"
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

الٰہی کہاں منھ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواهش نه هوتي تو کاهش نه هوتی
همیں جي سے مارا تری آرزو نے
مداوا نه کرنا تها مشفق همارا
جراحت جگر کے لگے دکھنے دونے
تري چال تیڑ هي، تری بات روکهي
تجھے "میر" سمجھا ہے یاں کم کسو نے

جی کہا اس کے نہر کے همراه تھی،ا تواضع ضرور مہماں کي
پھوڑ ڈالیں گے سر هی اس در پر مدت اتھتی نہیں ہے درباں کي
آدمی سے ملک کو کیا نسبت شان ارفع ہے "میر" انساں کي

یه رات هجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتي هے
که صبح شکل مري سب کو بھول جاتي هے

کوفت سے جان لب په آئی هے هم نے کیا چوت دل په کھائي هے
لکھتے رقعه ، لکھے گئے دفتر شوق نے بات کیا بڑھائي هے
یاں هوے خاک سے برابر هم واں وهی ناز خود نمائي هے

سجده کوئی کرے تو در یار پر کرے
هے جاے پاک شرط عبادت کے واسطے

قصد ہے کعبہ کا لیکن سوچ ہے
کیا ہے منہہ جو اس کے در پر جائیے

گردش میں جو ہیں "میر" مہہ و مہر ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

خوبی سے نداں اس کی سب صورتیں یاں بگڑیں
وہ زلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی

آبِ حسرت آنکھوں میں اس کی نو میدانہ پھرتا تھا
"میر" نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبہ "میر" جاوے

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی
کہاں رحمت حق کہاں بے گناہی

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

آنا ادھر اس بت کا، کیا میری کشش سے ہے
ہو صنم جو پتھر تو، تائید خدا کی ہے
دامانِ دراز اس کا جو صبح نہیں کھینچا
اے "مہر" یہ کوتاہی سب دست دعا کی ہے

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
مری سرگذشت اب ہوئی ہے کہانی

عالم عالم عشق و جنوں، ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں، صحرا صحرا وحشت ہے

آنسو ہو کر خون جگر کا، بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا، جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں گا کیا؟ دریا چڑھتا آتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں؟ لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے، دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید "میر" ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی، ہم ہی سے شرماتا ہے

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کرے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

بیمار امید وار سے ' بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہي کے اور تکے ہیں پڑے ہوئے

گلستاں کے ہیں دونوں پلے بھرے
بہار اِس طرف ' اُس طرف ابر ہے

آنکھوں کي کچھہ حیا تھي ' سو موند لیں ادھر سے
پر دہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اُٹھا دیا ہے

سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوے خدا نہ ہوے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے
میں نہ گردن کٹائی جب تگ "مہر"
عشق کے مجھہ سے حق ادا نہ ہوے

دیکھئے کیا ہو سانجھہ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
تاب و توان کا حال وهی ہے' آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پو چھو تو اور کہیں کیا ؟ نسبت کل کے بہتر ہے

تسبیحیں ٹوٹیں ' خرقے ' مصلے ' پھٹے جلے
کیا جانے جانقاہ میں ' کیا "میر" کہہ گئے

جی کے لگنے کی "میر" کچھ کہہ بھی
ہے وهي بات جس میں هو تہ بھي

شائستۂ غم و ستم یار هم هوئے
عاشق کہاں هوے کہ گنہگار هم هوئے
جی کھنچ گیا اسیرقفس کی فغاں کے اور
تھي چوٹ اپنے دل کو گرفتار هم هوئے
هوتا نہیں هے بے خبری کا مآل خوب
افسوس هے کہ دیر خبر دار هم هوئے

تعارف کیا رہا اهل چمن سے — هوئی اک عمر میں اپنی رهائي
کہاں کا بے ستون فرهاد کیسا — یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
جفا اُٹھتی ' وفا جو عمر کرتي — سو' کی اس رفتنی نے بے وفائی
پھر آنا کعبہ سے اپنا نہ هوگا — اب اس کے گھر کی هم نے راہ پائي

ان دوهي صورتوں میں' شکل اب نباہ کی هے
یا صبر هم کو آوے یا رحم اُس کو آوے
کچھ زخم کھل چلے کچھ داغ کھل رهے هیں
اب کي بہار دیکھوں کیا کیا شگوفے لاوے

بہار آئي نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھي تہ باندہ دو گل کے گریباں سے
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے ''میر'' صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

موسم گل تلک رہے گا کون چبھتے ھي دل کو خار خار رہے
وصل یا ھجر کچھہ ٹھہر جاوے دل کو اپنے اگر قرار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا رہے اپنا جو اختیار رہے

یوں جلوں کرتے جو یاں سے ہم گئے
تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے

پلکوں کي اس کي جنبش جاتي نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ھیں کچھہ کھٹکتے
ھوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل ' جگر ' ھمارے پھوڑے سے ھیں تپکتے

غم مرگ سے ' دل جگر ریش ھے
عجب مرحلہ ھم کو درپیش ھے
ھمیں کہا جو ھے '' میر '' بے ھوش سا
خدا جانے یہ کیا ھے ؟ درویش ھے

گوش ہر اک کا اسي کي اور ہے
کيا قيامت کا قيامت شور ہے

آشنا ہو اس سے ہم ' مر مر گئے آيندہ " مير "
جيتے رہئے تو کسو سے اب نہ ياري کيجئے

آيندہ دار اسي کے' پاتے ہيں شش جہت کو
ديکھيں تو منہہ دکھاوے' وہ کام جاں کدھر سے
جب گوش‌زدہو اس کے تب بے دماغ ہو وہ
بس ہوچکي توقع اب نالۂ سحر سے

چاہيے کس سے تيري داد ستم
کاش انصاف اپنے دل ميں کرے

چلے ہم ' اگر تم کو اکراہ ہے فقيروں کي اللہ اللہ ہے

خواہش بہت جو ہو تو کاہش ہے جان و دل کي
کچھ کم کر ان دنوں ميں ' اے "مير" چاہ کو بھي

بے تابي ' جو دل ہر گھڑي اظہار کرے ہے
اب ديکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
سوناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے
کیوں کر نہ ہو تم "مہر" کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اس کا کہ تمھیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے رو بہ رو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطف بے ہنگام ہے
عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر
سر کا جانا جس میں ہر اک گام ہے
روز و شب پھرتا ہوں اس کوچہ کے گرد
کیا کہوں؟ کیا گردش ایام ہے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

بہ رنگ طائر نو پر، ہوئے آوارہ ہم اوتھ کر
کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی

تیرے بیمار کی بالیں پہ جاکر، ہم بہت روے
بلا حسرت کے ساتھ اس کی نگاہ واپسی دیکھی

بے طاقتی دل سے میری جان ہے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم، تو مرا جی بھی ٹھہر جائے

جاتا ہے جدھر منزل مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا، بےچارہ کدھر جائے
اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
یاں جی بھی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجرو ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
پئے دارو، پڑے پھرتے تھے کل تک "میر" کوچوں میں
اُنھیں کو، مسجد جامع کی دیکھی آج خدمت ہے

خدا کرے مرے دل کو تک اک قرار آوے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے
ہمیں تو ایک گھڑی، گُل بغیر دوبھر ہے
خداھی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے
اُٹھے بھی گرد رہ اس کی کہیں، تو لطف ھی کیا
جب اِنتظار میں آنکھوں ھی پر غبار آوے
تمھارے جوروں سے اب حال جاے عبرت ہے
کسی سے کہیے تو اس کو نہ اِعتبار آوے

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے
زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
دم شماری سی ہے رنج قلب سے
اب حساب زندگی بے باق ہے

مست پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ ''میر''
اٹھ کے کعبہ چل ، خدا رزاق ہے

بات کیا آدمي کي بن آئي آسماں سے زمین نپوائی

دست افشاں' پائے کوباں' شوق میں
صومعے سے '' میر '' بھی باہر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر ' کوئي جاتا ہے '' میر ''
آؤ میخانے چلو ' تم کس کے کہنے پر گئے

خستہ ہوا اپنا کوئي پھر بھي گلے سے لگاتے ہیں
وحشت ایک تمھیں کو دیکھي اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا
خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی
کھپ ہی جاتا ہے آدمي اے '' میر ''
آفت جاں ہے عشق کا غم بھي

باغ میں سیر ' کبھو ہم بھي کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھلے پھرا کرتے تھے

اب تو بے تابئی دل نے ہمیں بٹھلا ہی دیا
آگے رنج و تعب شوق ' اٹھا کرتے تھے

کیسا کیسا عجز ہے اپنا ' کیسے خاک میں ملتے ہیں
کیا کیا ناز و ادا اس کو ہے ' کیا کیا بے پروائی ہے

کیا ابر رحمت اب کے برستا ہے لطف سے
طاعت گزیں جو ہو سو گنہگار ہو کوئی
یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہوکے ہم
کیا اور اس کی راہ میں ہموار ہو کوئی

معشوقوں کی گرمی بھی ' اے " میر " قیامت ہے
چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لگا دیں گے

لہو ' میری آنکھوں میں آتا نہیں
جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

ہمیں ہے عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جاں اپنی پیاری ہے

یوں تو ایک قطرہ خون ہے لیکن قہر ہے دل ' جو اضطراب کرے
"میر" اٹھ بت کدے سے کعبے گیا کیا کرے جو خدا خراب کرے

عشق کیا ہے جب سے ہم نے ' دل کو دونی ملتا ہے
اشک کی سوخی ' زردیء چہرہ ' کیا کیا رنگ بدلتا ہے

ہماری جان لبوں پر سے ' سوے گوش گئی
کہ اس کے آنے کی سن کر ' کچھ اب بھی یہاں پاوے

اس رفتہ کی جاں بخشی ٹک آتے ہوے اس نے
رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جاں گئی ' آئی

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے " مہر " کبھو وے آجاتے
عاشق تھے ' درویش تھے آخر ' بے کس بھی تھے ' تنہا تھے

راہ جاناں سے ہے گزر مشکل   جان ہی سے کوئی مگر گزرے

درد دل طوال سے کہے عاشق   روبہ رو ' اس کے جو کہا بھی جائے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ ٹک اٹھے
ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے

رہنا گلی میں جیتے جی ' اس کی نہ ہوسکا
ناچار ہوکے واں جو گئے اب ' سو مر رہے

بدنامی کیا عشق کی کہئے ' رسوائی سی رسوئی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی' دنیا دنیا تہمت تھی

—

کہنا جو کچھ جس سے ہوگا' سامنے "میر" کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی' منہ پر میرے آئی ہوئی

—

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں   مرگ فرہاد ' کیا کیا تو نے

—

مہمان نہ آئینے کا اس کو ' نہ ہے گھر کا
کیا جانئے اب روے دل یار کدھر ہے
اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان
روشن ہے ترے چہرے سے تو گرم سفر ہے
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
دنداں بہ جگر ' دست بہ دل ' داغ بہ سر ہے

—

گیا ہی دامن گھر تھی ' یا رب! خاک بسمل گاہ وفا
اس ظالم کے تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے

—

جوں ابر ' بے کسانہ روتے اٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے
ہوتی نہیں ہے اب تو تسکین دل' خبر سے

گلشن سے لے قفس تک ' آواز ایک سی ہے

کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے

یہ عاشقی ہے ایسی ' جیو گے یار کب تک

ترک وفا کرو ہو مرنے کے "مہر" ڈر سے

برسوں ہم درویش رہے ' پردے میں دنیا داری کے

تاہم اس کے ' کیوں کہ رہے ' یہ پردا جن نے اٹھایا ہے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے

اس قافلے میں ہم بھی رہے ' افسوس رہ گئے

کیسی سعی و کوشش سے ' ہم کعبہ گئے بت‌خانے سے

اس گھر میں کوئی بھی نہ تھا ' شرمندہ ہوے ہم جانے سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں رہی ہے

تم ہو خدائے باطل ' ہم بندے ہیں تمہارے

ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم تک پیار کرکے تم کو

تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے

چپکا چلا گیا میں آزردہ ہو چمن سے

کس کو دماغ اتنا بلبل کو جو پکارے

کہا رات دن کٹتے ہیں ہجراں کے ' بےخودی میں

سدھ اپنی '' میر '' اس بن ' دو دو پہر نہ آئی

اِتفاق ان کا مار ڈالے ہے ناز و انداز کو جدا کرئیے

دل میں گرہ لگی رہی پرواز باغ کی

موسم گلوں کا جب تئیں تھا ' ہم اسیر تھے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر

جاں کا بھی دینا محبت کی گنہ گاری ہے

وائے وہ طائر بے بال ہوس ناک جسے

شوقِ گل گشت گلستاں میں گرفتاری ہے

آنکھ ' مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی

یہ بھی اس سادۂ پرکار کی ہشیاری ہے

واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے ''میر''

عجز ہے دوستی ہے ' عشق ہے ' غم خواری ہے

بندے کا دل بجا ہے ' جانا سوں شاد ہر جا

جب سے سنا ہے میں نے ' کیا غم ہے جو خدا ہے

مقصود کو دیکھیں پہونچے کب تک
گردش میں تو آسماں بہت ہے
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں "میر"
اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

آشوب ہجر ہستی ' کیا جانئے ہے کب سے
موج و حباب اُٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے
کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو
ہم بےقرار ہو کر چاروں طرف پکارے

عشق ہمارا درپے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے
چین نہیں دیتا ہے ظالم ' جب تک عاشق مرتا ہے
شاید لمبے بال اُس مہہ کے بکھر گئے تھے باد چلے
دل تو پریشاں تھا ہی میرا' رات سے جی بھی بکھرتا ہے

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے ۔ دل ' کلیجے' کے پار ہوتا ہے
جبر ہے ' قہر ہے ' قیامت ہے ۔ دل جو بے اختیار ہوتا ہے

"میر" اتنی سماجت جو بندوں سے تو کرتا ہے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

یاد زلف یار ، جی مارے ہے " میر "
سانپ کے کاتے کی سی یہ لہر ہے

موسم گل میں توبہ کی ، واعظ ، میں کہاں سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے ، شرمندہ ہیں ندامت ہے

نہ تو جذب رسا ، نہ بخت رسا کیوں کر کہئے کہ واں رسائی ہے
میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن مجھ کو بلبل پکار لائی ہے
عشق دریا ہے ایک لنگر دار تہہ کسو نے نہ اس کی پائی ہے
بے ستوں کوہکن نے کیا توڑا عشق کی زور آزمائی ہے

ترے بندے ہم ہیں ، خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی ، تبھی تو
جو کچھ دل کا ہے مدعا ، جانتا ہے

بدی میں بھی کچھ خوبی ہووے گی تب تو
برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے

نہیں اتحاد تن و جان سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

اس گلی سے جو اتھ گئے بے صبر   "میر" گویا کہ وے جہاں سے گئے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے "میر" رہزنی کی ہے

وصف اس کا باغ میں کرنا نہ تھا
دل ہمارا اب گریباں گیر ہے

دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی
جان اُمید وار سے شرمندگی ہوئی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
جور اس سنگ دل کے سب نہ کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی
نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہ سائی کی

"میر" کی بندگی میں جاں بازی

سیر سی ہو گئی خدائی کی

ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے

الہیٰ اپنا ہمیں کب تک اِنتظار رہے

نہ کرئے گریۂ بے اِختیار ہر گز "میر"

جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اِختیار رہے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو

اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے

افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے

مستی شراب کی سی ہے یہ آمد شباب

ایسا نہ ہو کہ تم کو جوانی نشا کرے

پھرتے ہیں "میر" خوار کوئی پوچھتا نہیں

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

گل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے

گل گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے

میں بے دماغ کرکے تغافل چلا گیا

وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے
کھو بیٹھئے جو آپ کو تو اس کو پائیے

دل میں مسودے تھے بہت' پر حضور یار
نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

پھرا کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم
کہاں تک یہ بے اعتباری رہے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں
سوز دروں سے ہائے بدن داغ داغ ہے

گھر کو اس کے خراب ہی دیکھا جس کے یہ چشم و دل مشیر ہوئے

آؤ کبھو تو پاس ہمارے بھی ناز سے
کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے
کرتا ہے چھید چھید ہمارا جگر تمام
وہ دیکھنا ترا مژۂ نیم باز سے

اب کی دل ' ان سے بچ گیا تو گیا چور جاتے رہے کہ اندھیاری
کھوں نہ ابر بہار پر ہو رنگ برسوں دیکھی ہے میری خوں‌باری

دوستی نے تو ہماری جاں‌گدازی خوب کی
آہ اس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں نے رات رہے

سہرے کہاں تک پڑیں، آنسوؤں کے چہرے پر
گریہ گلے کا ہار دیکھیے کب تک رہے
اس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھئے کب تک رہے
آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ
شام و سحر انتظار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار انکھوں ہی میں پھرتے ہیں
''میر'' یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے
بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا
دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے

پڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
دھڑکے ہے جی قفس میں غم آشیان سے
آنکھوں میں آکے دل سے نہ تھہرا تو ایک دم
جاتا ہے کوئی دید کے ایسے مکان سے

فردیات

کیا کہیئے عشق' حسن کی آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرہ خون یہ ' ناحق تلف ہوا

مغ گل گوں کے بو سے بس کہ مے خانہ مہکتا تھا
لب ساغر پہ منھ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بہکتا تھا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اتھا
شعلۂ آہ' دل گرم محبت سے اُتھا

گرچہ امید اسیری پہ یہ ناشاد آیا
دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا

یک پارہ جیب کا بھی ' بجا میں نہیں سیا
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

خاک سے "میر" کیوں نہ یک ساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹتا ہے

وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دل‌داری مجھے
ہجر کی کرنی پڑی ہے نازبرداری مجھے
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے "میر"
خوش نہیں آتی نصیحت گر کی غم خواری

حیران اُس بھبھو کے سے سب دوش ہوگئے
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہوگئے

نسبت مہ کی دور اِس گل سے
وہ شگفتہ ہے ' یہ گرفتہ ہے

اُن نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے   اڑگئے آئینے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا "میر"   اول عشق ہی میں آخر ہے

بس نہ لگ چل نسیم مجھ سے کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

چلی جاتی ہے جاں ہی بس ' بھلا تدبیر کیا کرئیے
مداوے سے مرض گزرا ' کہو اب " میر " کیا کرئیے

عاشق کی مناجات

مرا زخم یارب نمایاں رہے
پس ازمرگ صد سال خنداں رہے
رہے دشمنی جیب سے چاک کو
صبا دوست رکھے مری خاک کو
مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے
جگر سے طپیدن موافق رہے
مرا درد دل مجھ پہ عاشق رہے
جو نالہ ہو شب گیر کا روشناس
وہ آٹھوں پہر ہی رہے میرے پاس
مژہ گرم افسوس و نم ناک ہو
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو
کریں نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کی پھوٹ جاوے سپر
خموشی سے مجھ کو رہے گفتگو
اڑے پر لگا کر مرا رنگ رو
نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گل باغ دل
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے
مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے

اگر ضعف تک کسب طاقت کرے
مري ناتوانی قیامت کرے
مری بیکسی ناز بردار ہو
مروں میں تو مرنے کو تیار ہوں
بیاباں میں آشفتہ حالي کروں
کہیں تو دل پر کو خالی کروں
کریں دونو عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے
مرا ہاتھہ ہو چاک کا دستیار
کہ تا جیب و دامن ہو قرب و جوار
جلوں میرے سر پر سلامت رہے
بیاباں میں مجھہ سے قیامت رہے
بھٹکنے سے مجھہ کو نہ ہو وارھي
بھلاوے خضر کو مری گمرہی
جو ہو گرم رہ پاے پر آبلہ
تو ہوجاے سرد آتش قافلہ

محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ہی اِس کار خانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
محبت سے سب کو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
محبت اگر کار پرداز ہو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو
محبت ہے آب رخ کار دل
محبت ہے گرمئی بازار دل
محبت عجب خوب خوں ریز ہے
محبت بلائے دل آویز ہے
محبت کی آتش سے اخگر ہے دل
محبت نہ ہووے تو پتھر ہے دل
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
محبت سے ہے انتظام جہاں
محبت سے گردش میں ہے آسماں
محبت سے پروانہ آتش بجاں
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں
اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اسی کے لئے دل ہے سرگرم ناز
محبت سے ہے تحت سے تابہ فوق
زمین آسماں سب ہیں لبریز شوق
اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں
یہی ذرے کی جانِ نومید میں

اِسي سے دل ماہ ھے داغدار

کتاں کا جگر ھے سراسر فگار

اِسی سے قیامت ھے، ھر چار اور

اِسی فتنہ گر کا ھے عالم میں شور

عشق

عشق ھے تازہ کار تازہ خیال

ھر جگھہ اس کی اک نئی ھے چال

دل میں جاکر کہیں تو درد ھوا

کہیں سینے میں آہ سرد ھوا

کہیں آنکھوں سے خون ھوکے بہا

کہیں سر میں جنون ھوکے رھا

کہیں رونا ھوا ندامت کا

کہیں ھنسنا ھوا جراحت کا

گہ نمک اُس کو داغ کا پایا

گہ پتنگا چراغ کا پایا

واں طپیدن ھوا جگر کے بیچ

یاں تبسم ھے زخم ترکے بیچ

کہیں آنسوں کی یہ سرایت ھے

کہیں یہ خون چکاں شکایت ھے

تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ

ھے کسو لب پہ ناتواں اک آہ

تھا کسو کی پلک کي نم ناکي

ھے کسو خاطروں کی غم ناکي

کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں عشاق کی نیاز ہوا
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بے تابی
تھا کسو مضطرب کی بے خوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا
کسو محمل کے آگے گرد ہوا
طور پر جاکے شعلہ پیشہ رہا
بے ستوں میں شرار تیشہ رہا
کہیں لے بست کو لگائی آگ
کہیں تیغ و جگو میں رکھی لاگ
کہو افغان مرغ گلشن تھا
کبہو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا نظارہ ہوا
کوئی دل ہوکے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں درد مندی کی
ایک محفل میں جاسپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہے ہوکر دود
ایک لب پر سخن ہے خوں آلود
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
اک سمے میں جگر کی کاہش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہوکر چاہ

کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خار دل غریباں ہے

انتظار بلا نصیباں ہے

کہیں شیون ہے اہل ماتم کا

کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا

آرزو تھا اُمیدواروں کی

دردمندی جگر فگاروں کی

نمک زخم سینہ ریشاں ہے

نگہ ناز مہر کیشاں ہے

حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں

شوق کی اک نگاہ تھا یہ کہیں

عاشق اور معشوق

(عاشق)

ضبط کروں میں کب تک آہ اب — چل اے خامے بسم اللہ اب

کر تک دل کا راز نہانی — ثبت جریدہ میری زبانی

یعنی "میر" ایک خستہ غم تھا — سر تاپا اندوہ و الم تھا

آنکھ لڑی اُس کی اک جائے — بےخود ہوگئی جان آگے

صبر نے چاہی دل سے رخصت — تاب نے ڈھونڈی اک دم فرصت

تاب و توان و شکیب و تحمل — رخصت اُس سے ہوگئے بالکل

سینہ فگاری سامنے آئی — بےتابی نے طاقت پائی

خون جگر ہو بہنے لاگا — پلکوں ہی پر رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا / ایک گھڑی آرام نہ آیا

چاک جگر سے محبت ٹپکی / آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی

سوز سے چھاتی تابہ گویا / اور پلک خونابہ گویا

آہ سے اس کی مشکل جینا / درد فقط اتنا، سارا سہنا

دل میں تمنا، داغ جگر میں / شیون لب پر یاس نظر میں

رو و جبیں پہ خراش ناخن / داغوں سے خوں کے قامت گلبن

زخم سہلہ دل تک پہنچا / کوئی نہ اُس گھائل تک پہنچا

سونہ گیا یک دم وہ بے کل / بخت نہ جاگے اُس کے اک پل

کام رہا ناکامی ہی سے / تسکیں بے آرامی ہی سے

نے طاقت نے یار اُس کو / ضعف دلی نے مارا اُس کو

نالۂ دل میں حزینی اُس کے / خاطر میں غمگینی اُس کے

رنگ اُڑے چہرے کا ہردم / تھا گویا گل آخر موسم

دیدۂ تر کے، دریا قائل / ساحل خشک لبی کے سائل

خاک بسر آشفتہ سری سے / شور قیامت نوحہ گری سے

سرتا پا آشفتہ دماغی / داغ جلوں دے جس کو چراغی

واہی پر جب اپنی آوے / صحرا صحرا خاک اُڑاوے

کلفت دل جب خاک فشاں ہو / اشک کی جاگہ ریگ رواں ہو

سر پر اس کے سنگ ہمیشہ / جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ

گرد کی تہ اس کا پیراہن / دامن صحرا جس کا دامن

بار دامن تار گریبان / دامن قرب و جوار گریباں

پا مالی میں مثل جادہ / نقش قدم سا خاک افتادہ

جن نے دیکھا اس کو اک دم / اُس نے کہا یہ بھول کے سب غم

چلدے یہ ناشاد رہے گا / پھر مدت تک یاد رہے گا

لوهو ٹپکے آہ سحر سے ‫ نالہ نکلے لخت جگر سے
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ ‫ ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ
نے کعبہ نے دیر کے قابل ‫ مذهب اُس کا سیر کے قابل
کیا کہیے اب کیسا کچھ تھا ‫ القصہ وہ ایسا کچھ تھا

(معشوق)

وہ کیسا تھا جس پر عاشق ‫ جي سے تھا یہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاگہہ اُس کی ‫ نکہت گل گرد رہ اُس کي
چشم برہ سارا چمن اُس کا ‫ نقش قدم تھا یا سمن اُس کا
گل آشفتہ اُس کے رو کا ‫ سنبل اک زنجیري مو کا
دیکھ اُس رخ کی نور افشائي ‫ شمع مجلس پاني پانی
دور چشم هے اس کا جب سے ‫ فتنا اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے ' جاں بخش عالم ‫ بلکہ سراپا جان مجسم
کوئي مرے انداز حیا پر ‫ چشم اُس کي تھی پشت پا پر
دونوں لب اُس کے لعل بدخشاں ‫ دست حنائي پنجۂ مرجاں
جس دم برقع منہ سے اُٹھا تا ‫ خورشید اُس دم ڈوبا جاتا
پار دلوں میں خدنگ مژہ کا ‫ کاوش کم کم ننگ مژہ کا
بھوں کی کشش سے' دوانہ عالم ‫ تیر نگہ کا ' نشانہ عالم
تیغ و تبر تھي ابرو اُس کی ‫ آتش سرکش تھي خو اُس کی
سائے سے اُس کے سرو بنایا ‫ خاک رہ سے تدرو بنایا
چشم کرشمہ جان تغافل ‫ شایاں اُس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا ‫ پتھر دل اُس آئینہ رو کا
پاتے هي ابرو کا اشارہ ‫ غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے هے ‫ جي کو جور نیاز کرے هے

رخصت دے گر عشوہ گری کو — ایک هي جلوہ بس هے پری کو

هسنے میں وہ صفائی دنداں — برق خرمن عالم امکاں

اشک سحر کو صفائے تن پر — خون صراحي اُس گردن پر

شکل چیں میں، یہ ناز کہاں هے — صورت هے انداز کہاں هے

جب وہ شکل نظر آتی تهي — کلفت دل کي نکل جاتی تهي

بار نزاکت کہونکہ اٹھاوے — شاخ گل سا لهکا جاوے

صید فلک قرباني اُس کا — یوسف اِک زندانی اُس کا

اور جو خوباں پاویں اُس کو — یک دیگر دکهلاویں اُس کو

کیا کوئي شوخی اُس کي بتاوے — کچهه ٹهہرے تو کہنے میں آوے

کیا هے اُس کے آب و گل میں — آرزو اس کي سب کے دل میں

سب کو میل اُس بت کي ادا کا — بندہ کون رها هے خدا کا

دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے — پوچهے نہ بیمار کو اپنے

عاشق ظلم و جور و جفا کا — دشمن جانی اهل وفا کا

کوچۂ رشک فضائے کعبہ — واں پهنچے نہ دعائے کعبہ

قاتل حسن

مژدہ، بخت عاشق کی بر گشتگي

نگهہ، ایک عالم کي سر گشتگي

قد و قامت اُس کا کروں کیا بیاں

قیامت کا ٹکڑا هوا تها میاں

شکن اُس کی کاکل کا دام بلا

هر اک حلقۂ زلف، کام بلا

اگر ابرو اُس کی جھمک جاتی تھی
مہ نو کی گردن ڈھلک جاتی تھی
ھلیں اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز
کرے اُس طرف ایک عالم نماز
کماں اُس کے ابرو کی عاشق کمیں
خدنگ اس کی مژگاں کے سب دل نشیں
نہ آنکھوں کی مستی کی اُس کو خبر
خرابی نہ عاشق کی مد نظر
شہید اُس کی چشمک کے دل خستگاں
نشانے نگاھوں کے دل بستگاں
پری منفعل رنگ رخسار سے
خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اُس کے ھی دیدار کا
مسیحا شہید اُس کے بیمار کا
تو جم دو پاؤں تلے وہ ملے
ستم اس کے کوچے سے بچ کر چلے
جو آمد ھو اُس کی نصیب چمن
کرے ترک گل عندلیب چمن
گلی اُس کی فردوس کا تھی شرف
بہشت' اک گنہگار سی اک طرف
زمیں اُس کی یک دست گلزار تھی
نسیم چمن واں گرفتار تھی

گلی اُس کي وہ قتل گاہ عجیب
شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
صبا گر اُڑا وے تنگ واں کي خاک
تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

بوسیدہ مکان

کیا لکھوں "میر" اپنے گھر کا حال
اِس خرابی میں میں ہوا پا مال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواري سو جگہ سے خم
تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لوني لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تجھے ملیے، سقف چھلني تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
اس چکھی کا علاج کیا کر لے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریئے
جا نہیں بیٹھنے کو گھر کے بیچ
ہے چکھی سے تمام ایواں کیچ
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واقع
سو شکستہ تر ازدل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں لکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کولے ٹوٹے ہیں، طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے ڈرتا ہے
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایواں
وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں - صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالے چھت پر ہم
تھے جو شہتیر، جوں کماں ہیں خم
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کیونکہ ساون کٹے کا اب کی بار
تھر تھرا وے بھلبھری سی دیوار
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اُر بھلبھری کہ ساون آیا اب
تھتری یاں جو کوئی آتی ہے
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دئے تھے سرکنڈے
سو وہ مینہوں میں سب ہوے تھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں تنکے سب
یا کہے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں یہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تلک بیٹھا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
یاں تو چھانکے ہزار میں تنہا
کچھ نہیں آج مجھ سے ہو سکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کی ایسی تیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چار پائی ہمیشہ سر پہ رہی
بوریا پھول کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ہاتھ تکیے پہ، گہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائینتی کی اور
وہیں مسلا، کرایریوں کا زور
توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
اک حویلی میں ایک کھائی میں
سیکڑوں ایک چار پائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کھیے
کب تلک یوں تتولتے رہیے
دو طرف سے ہے کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

واسوخت

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی
سرمہ و آئینے کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی
زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
نا بلد شانے سے تھا کوچہ گیسو تیرا
آئینہ کا ہے کو تھا حیرتئی رو تیرا
آ گئی حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی
اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بےڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی
ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کا ہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیوار تلے روتے تھے

شانہ اب ہاتھ میں ہے زلف بنا کرتی ہے
مسی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
پاس سرمے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے
آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے

جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر تم کو نہیں
غش کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں
پہشتو ہم سے کوئی تیرا طلبگار نہ تھا
ایک بھی نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جلس اچھی تھی تری، لیک خریدار نہ تھا
ہم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا

کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موندکے وے جی نہ جلا سکتے تھے
یا تو ہم ہی تھے پر اب ہم سے نہیں کچھ یاری
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری
یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی ہے تیاری

رتبۂ مہر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا
کوئی نا دیدہ مصحب سادہ نکالیں گے ہم
سادہ یا مرتکب بادہ نکالیں گے ہم
بوس و آغوش کا آمادہ نکالیں گے ہم
بلد خود رائی سے ازاد لگا لیں گے ہم

اُس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اُس سے داد دل نا کام سب اپنی لیں گے

چہرے کو اُس کے کر آراستہ دلخواہ کریں
آرسي اُس کو دکھا حسن سے آ؟ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
تو سهي ضد سے تري ایسا هی شتاہ کریں

کہ تجھے سدھ نہ رهے خوبي و رعنائي کي
دھجیاں لے ترے اِس جامۂ زیبائی کي

دست افشاں هو تو عزت بهي تري هاتھ سے جاے
چشم مکحول کو دکھلاے تو ' تو آنکھ چھپاے
مار ٹھوکر چلے دامن کو تو ' تو سر نہ هلائے
جس طرف اس کا گزر هو وے تو اودھر کو نہ جاے

چھیڑے گالي دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے

زندگانی هو تجھے هاتھ سے اُس کے دشوار
کوئي دن تو بهي پھرے جان سے اپنی بیزار
پہونچیں هر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض و کنایے کي رهے اک بوچھار

جا کے تک سامنے اُس کے تو بہت تر آوے
عرق شرم میں ڈوبا هوا سب گهر آوے

دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے هیں
غصے سے خون جگر اپنا پئے جاتے هیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دے جاتے هیں
اب کے یوں جاتے نہیں عهد کیے جاتے هیں

آوے گا تو بھی منانے کو نہ آویں گے هم
جان سے جاویں گے پیماں سے نہ جاویں گے هم

———

رباعیاں

دامن فربت کا اب لیا ھے میں نے
دل مرگ سے آشنا کیا ھے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی' نزدیک
پر خاک سے اس کو بھر دیا ھے میں نے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوؤ گے
پر سوچ کے غفلت کے تئیں روؤ گے
کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ھے
جاگو تک "مہر" ! پھر بہت سوؤ گے

اندوہ کہیے عشق کے' سارے دل میں
اب درد' لگا رھنے ھمارے دل میں
کچھ حال نہیں رھا ھے دل میں اپنے
کیا جانئے وہ کیا ھے تمہارے دل میں

راضی تک آپ کو رضا پر رکھئے
مائل دل کو تلک قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے "مہر"
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھئے

ھم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرز ادا کلام اس ادا کی باتیں

دیکھیں قرآں میں فال غیروں کے لئے

کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

دل ' غم سے ہوا گداز سارا اللہ

غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ

ہے نسبتِ خاص تجھ سے ہراک کے تئیں

کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

سودا

محمد رفیع نام ' اُن کے ابا و اجداد کابل کے مرزاؤں میں تھے '
سپہ‌گری پیشہ تھا اُن کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے
سے ہندوستان آئے ' اور یہیں قیام کر لیا -

مرزا رفیع ' سودا ' سنہ ۱۱۲۵ ھ میں بہ‌مقام دھلی پیدا ہوے
اور وہیں پرورش اور تعلیم پائی ' طبیعت کا رجحان ابتدا سے شاعری
کی طرف تھا ' کچھ دن سلیمان قلی ' وداد ' سے اصلاح لی پھر
شاہ حاتم کے حلقہ بگوش ہو گئے -

' سودا ' کی طبیعت میں خداداد جوہر پہلے سے موجود تھا '
کثرت مشق اس پر مستزاد ' تھوڑے ہی دنوں میں اُن کی شاعری
کی شہرت ہو گئی اور اُستاد کی زندگی ہی میں اُن کی اُستادی
کا ڈنکا بجنے لگا -

رفتہ رفتہ ' سودا ' کی شہرت ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار تک
پہونچی ' تقدیر کی یاوری بھی ساتھ تھی بادشاہ نے مشورۂ سخن
کے لئے اُن کو منتخب کیا - ایک مدت تک دھلی میں فراغت
سے بسر کرتے رہے - جب شاہ عالم کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا تو
مرزا سودا ' بھی دھلی کو خیر باد کہہ کر فرخ‌آباد پہنچے - وہاں
کے نواب احمد خاں غالب جنگ کے دیوان مہربان خاں ' شاعر
اور مردم شناس تھے - اُنھوں نے مرزا کو ہاتھوں ہاتھ لیا -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خاں کی وفات پر مرزا فیض‌آباد چلے گئے - وہاں نواب شجاع‌الدولہ نے معقول تنخواہ مقرر کر دی اور قدر منزلت کے ساتھ رکھا -

شجاع‌الدولہ کے اِنتقال کے بعد مرزا سودا ' نواب آصف‌الدولہ کے ساتھ لکھنؤ پہنچے اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے -

آبائی سپہگری ' خاندانی میرزائیت ' ذاتي کمال اور شاہي قدر داني اِن سب چیزوں نے مل کر مرزا کو بد دماغ بنا دیا تھا ' اس لئے ذرا ذرا سي بات پر ناخوش ہو جاتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے اُس کی ہجو کہہ کر دھجیاں اُڑا دیتے تھے -

مرزا جب قصیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجا دیتے ہیں - غزل سناتے ہیں تو دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں - مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں - ہجو کرتے ہیں تو حریفوں پر ہستي تنگ کر دیتے ہیں - اُردو شاعري اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر پیش نہیں کر سکتي - بہر حال مرزا سودا ' اُن مسلم‌الثبوت اساتذہ میں ہیں جن پر فن شاعري کو ہمیشہ ناز رہے گا -

مرزا کی ہمہ گیري نے کسي صنف سخن کو نہیں چھوڑا ' قصیدے - غزلیں - مثنویاں - رباعیاں - قطعے - مستزاد - تاریخیں - پہیلیاں - ترجیع بند - مخمس' مرثیے' ہجویں' سب کچھ کہیں اور خوب کہیں -

مرزا سودا ' نے تنبیہ‌الغافلین کے نام سے فارسي میں ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں اُن اِعتراضات کا جواب دیا ہے جو مرزا فاخر

مضامین نے فارسی شعرا پر کئے تھے ' یہ رسالہ اور مرزا کا فارسی کلام اُن کی ادبی تحقیق - صحت ذوق اور فارسی زبان پر غیر معمولی عبور کی نا قابل اِنکار دلیلیں ھیں -

مرزا سودا ' کے تمام معاصر اور تمام تذکرہ نویس اُن کے اِعتراف کمال میں ' یک زبان ھیں - ' میر ' اُن کو " سر آمد شعرائے ھند " کہتے ھیں - حکیم قدرت اللہ خاں ان کو " دریاے بیکراں " قرار دیتے ھیں -

طبقات الشعر کے مصنف کا قول ھے " در فنون انواع سخن طاق و به جمیع کمالات سخن وری شہرہ آفاق " -

میر حسن کہتے ہیں " تاحال مثل او در ھندوستان کسے برنخاستہ " نواب مصطفیٰ خاں " شیفتہ " کہتے ھیں " قصیدہ اش بہ از غزل و غزلش بہ از قصیدہ " شیخ علی " حزیں " کی خود داری اور خود پرستی کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی مگر ان کو بھی ' سودا " کے کمال کا اقرار کرنا ھی پڑا -

" سودا " کی غزل میں " میر کا درد اور " درد " کا تصوف تو نہیں ھے مگر خیالات کی بلندی- بیان کی قدرت - کلام کا زور - جذبات کا جوش کسی سے کم نہیں - ان کے اشعار تمام جذبات کو متحرک کرتے ھیں -

سودا کو چھوڑ کر اُردو شاعری کی ابتدا سے لے کر آج تک کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کے قصیدے اساتذۂ ایران کے قصائد کی شان رکھتے اس صنف سخن میں " سودا " کا پایہ سب سے بلند ھے -

" میر " ایک غمگین ' غیور ' خود دار ' پریشاں حال نازک مزاج شخص تھے اُن کا دل درد اور گداز سے پھوڑا نظر آتا ھے وہ جو کچھ کہتے ھیں

اس طرح کہتے ہیں کہ سننے والا آبدیدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف " میر "
کے " سودا " ایک فارغ البال ، عیش میں زندگی بسر کئے ہوئے -
خوش طبع، ظریف ، خودبیں اور زود رنج آدمی تھے - جس طرح "میر"
کی طبیعت غزل گوئی کے لئے مناسب تھی اسی طرح " سودا " فطرتاً
قصیدے اور ہجو کے لے موزوں تھے -

" سودا " نے ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹۵ ھ میں وفات پائی
اور لکھنؤ میں آغابا قر کے امام باڑے میں دفن ہوے شیخ مصحفی نے
تاریخ کہی : --

سودا کجا و آن سخن دل‌فریب او

اِنتخاب

مقدور نہیں اس کی تجلے کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر حرف زباں کا
پردے کو یقیں کے جو در دل سے اٹھاوے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات ' جہاں کا
اس گلشن ہستي میں عجب دید ہے ' لیکن
جب چشم کھلي گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا
توڑوں کا آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے
ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
بے کس کوئي مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا
ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے
اے ہم‌صفیر ! فائدہ ناحق کے شور کا

کعبہ جاوے ' پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا
اتھ گیا جیدھر قدم' رتبہ ہے بیت‌اللہ کا

عشق کے بھی منزلت ' کچھ کم خدائی سی نہیں
ایک سا احوال یاں بھی ہے گداؤ شاہ کا

دین و دل و قرار و صبر ' عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

نہ پہونچا میرے اشک گرم سے آسیب مژگاں کو
بہا خاشاک کے سایہ تلے سیلاب آتش کا

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا سمجھ کہ اُس بت نے
پرستش سے مری پیدا کیا جلوہ خدائی کا
عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمع الفت سے
چراغ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

گلا کہوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زبان ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے
کہ جن نے دل سے متایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاهد اس آفت جاں کو
خلل دماغ میں تیرے هے پارسائی کا

تجھ سا دانا هزار حیف کہ تو یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہونچے کب اُس کو هاتھ همارے غبار کا
موج نسیم آج هے آلودہ گرد سے
دل خاک هوگیا هے کسي بے قرار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام هے
دل نہیں وابستہ اپنا ' سبحہ و زنار کا

توتے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا
پاني بھي پھر پئیں تو مزا هے شراب کا
دوزخ مجھے قبول هے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
یارب بُرا هو دیدۂ خانہ خراب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں هے هنوز پھپھولا حباب کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیرا مرہم کافور کا

تو ہی اے رات سن اب سوز تک اس چھاتی کا
پلبہ و داغ میں ہے ربط دیا باتی کا

مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو
محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

قفس کے پاس نہ جاکرکے نام‌لو گل کا
ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مری، ظالم!
میں ابتداہی سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
خبر شتاب لے "سودا" کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان، یہ تامل کا

لطف، اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا

سلسلہ بہتر ہے " سودا " کے لئے زنجیر کا

توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے تونے شیخ

برھمن کے دل کي بھی کچھہ فکر ہے تعمیر کا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھہ پہ غربت میں

زیادہ مجھہ سے کوئي بے کس و نا کام کیا ہوگا

رہا کرنے کو لیں ہم منت صیاد ھی ظالم

بس اتنا ھی نہ ' مر رھئے گا زیر دام ' کیا ہوگا

ھو جس کي چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کي

بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گل فام کیا ھو گا

مجھے مت دیر سے تکلیف کر کعبہ کی اے زاھد

جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ھو گا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں " سودا " کا دل اٹکا

اسیر ناتواں ہے یہ ' نہ دے زنجیر کا جھٹکا

اے دیدہ ' خاساں تو ھمارا ڈبو سکا

لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا

" سودا " قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن

بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منھہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے روسیاہ ! تجھہ سے تو یہ بھي نہ ہو سکا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا

جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا

پھونچیں گے اس چمن میں نہ ہم داد کو کبھي

جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا

عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ

سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا

داماں داغ تیغ ' جو دھویا تو کیا ہوا

عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائے گا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا

تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

غنچہ کو دل کے یاں ہے دم سرد سے شگفت

شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا

ٹھہرا نہ گالیوں سے تري کوئی بوالہوس

اک میں ہی رہ گیا ہوں دعا گو قدیم کا

ساقی پہونچ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے میرا
لب ریز خوں پیالہ اور هاتھ مر تعش کا
کیا جانے کس طرح کا وہ سنگ دل هے ورنہ
یہاں رشتۂ محبت هے کوہ کی کشش کا

جوش طوفاں دیدۂ غمناک سے کیا کیا هوا
دیکھ لے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا هوا
پر تجلی ' شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا هوا
جوشش دریاے خوں ' هنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر ' سینۂ صد چاک سے کیا کیا هوا
دور ساغر تھا بھی یا هے ابھی چشم پرآب
دیکھو " سودا " گردش افلاک سے کیا کیا هوا

کہوں کیا ؟ انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
نہ آنکھوں میں تھا اشک اور نہ سینے میں جگر ٹھہرا
عبث تو گھر بناتا هے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر ٹھہرا
کہیں یہ بھی ستم دیکھا هے یارو آشنائی میں
سمجھتے تھے جسے هم نفع' سو جی کا ضرر ٹھہرا

قتل سے میرے' عبث قاتل پھرا   اُس نے منھ پھیرا' همارا دل پھرا

ایک شب آہ کوئی دل سوز نہ رویا اس پر

شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا

دوستو سلتے ہو " سودا " کا خدا حافظ ہے

عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا

الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے

چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گذرے مجھ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا

بلا کشان محبت پہ، جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر

میرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

پہونچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو

کوئی رفو کوئی مرہم کرو، ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو

نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہوا سو ہوا

دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے " سودا "

پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا

مجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خون دل' چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تابہ‌گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہنر ہے گرچہ فن شاعری آفاق میں " سودا "
اگر نادان کو پہونچے ' تو اس میں عیب ہو پیدا

تجھ قید سے دل ہوکر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

سو شکر چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تونے
نظر سے خلق کے گرتے ' نہ مجھ کو تھام لیا
معاشر اہل چمن ' جائے اشک ہے " سودا "
کہ زندگی کا انھوں نے مزا تمام کیا

تاثیر عشق نے ' مزۂ درد کھو دیا
ان نے نداں دیکھ مرا حال ' رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہدو سم میں فرق
ہم پی گئے اسے ' ہمیں قسمت نے جو دیا
" سودا " ہے بے خلش یہ زخود رفتگی کی راہ
کانٹا نہ پا میں ان کے فلک نے چبھو دیا

کرتا هوں سیر ' جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا
جتنے هیں خوبرو یاں' سب دل ستاں هیں لیکن
الله نے تجھي کو اک جان ستاں بنایا
دیر و حرم کو دیکھا ' الله رے فضولي
یه کیا ضرور تھا ' جب دل کا مکاں بنایا

قومت پکار اس کو اے باغباں که هم نے
نزدیک آتش گل ' آپ آشیاں بنایا

اس کا تو گله کیا هے که بستان جہاں میں
مجھ تک ' قدح بادۂ گل فام نه آیا

کچھ کبر سے خاطر میں نه لایا همیں کوئي
رتبه کسی خاطر میں همارا نه سمایا
رونے سے کیا حال دل اس شوخ په روشن
" سودا " نے دیا عشق کا پاني سے جلایا

سمجھے تھا میں ' خطر راہ محبت ناصح
مري تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
خوں کے هر قطرے سے کہتا تھا یهي لخت جگر
تو مژہ تک بهي نه پهونچے گا که میں یه آیا

انکھوں سے اشک جتنا آنا تھا رشب نہ آیا
زخم جگر نے یارو پانی مگر چووایا

قسم نہ کھائیے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا یہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا
بہ رنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا
ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آتا
خبر لے وادی میں "سودا" کی، یوں سنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسی بے گنہ کو مار آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک "سودا"
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

جس طرح چاہتا ہے ' دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو ' عاشق کہیں نہ ہونا

کہتے تھے ہم نہ دیکھہ سکیں روز ہجر کو
پھر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے ہاتھہ بھیجوں میں
نہیں گویا زبان شعلہ ' دوں کس کو پیام اپنا

اے زخم جگر سودۂ الماس سے خو کر
کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

دیکھا ہے تجھہ کو دریچہ ترے جن نے ایک بار
پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا

عشق تھا ' یا کیا تھا ' جس سے دل اٹکتا ہی رہا
ذرا سا سینے میں میرے کچھہ کھٹکتا ہی رہا
تاب کس کو ہے کہ تیرے در سے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سر پٹکتا ہی رہا

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں
آپ ہی اٹھے جہاں سے ' تو گویا جہاں اٹھا

بوئے وفا و رنگ محبت ، نہیں ہے یاں

یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

چہرے پہ یہ نقاب دیکھا

پردے میں تھا آفتاب دیکھا

کچھ ہو وے ، توہو ، عدم میں راحت

ہستي میں تو ہم عذاب دیکھا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا

آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا

سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالی

اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے

پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست آئینہ اِس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر ، پھر منزل مقصد ، نہ کر "سودا"

کوئي خود رفتگی سے راہ پر بہتر نہیں ہوتا

صحبت تجھے رقیب سے ' میں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ ' شمع کہاں ' انجمن کجا ؟

اِس مرغِ ناتواں کی، صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے، گل‌زار تک نہ پہونچا

" سودا " پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں، کل کچھ بھی رہ گیا تھا

اختلاط اہلِ آبادی سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنے پر ' از خونِ جگر پیمانہ تھا

کس گلی دیکھ کے میں اس کو پکارا نہ کیا
مر کے تک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے، کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا، پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے ' بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہاں میں نے سام ، رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا
ہوں تو چراغ راہ ہنر ' زیر آسماں
لیکن خموش ہوکے ' سر شام رہ گیا

لذت دی نہ اسیری نے ' صیاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی' ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ' دین میں تیرے آنکلا
راہب نے جب منھ نہ لگایا' تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

حشر میں بھی نہ اُٹھوں بسکہ اذیت کھینچی
زندگی نے دوعالم سے مجھے سیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے' گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر ' رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تونے سیا تو پھر کیا

وهم غلط کارنے دل خوش کیا　　کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نفع کو پہونچا میں تجھے دے کے دل　　جان کا اپنی میں ضرر کر گیا
دیکھیے واماندگي اب کیا دکھائے　　قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیونکہ کوئی کھائے ترا ، اب فریب　　حال مرا سب کو خبر کر گیا

بہتا کچھ اپنی چشم کا ، دستور ہوگیا
دي تھي خدانے آنکھ ، پہ ناسور ہوگیا

آنکھوں کی رهبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھ
کوچے کي اُس کے راہ بتانے نے کیا کیا
" سودا " عجب طرح کا نشہ جام عشق میں
دیکھا کہ اس کو منھ کے لگانے نے کیا کیا

کی سیر ملک ملک کی " سودا " نے بھی ، ولے
اے شیخ میکدے کي هے آب و هوا عجب

گرچہ هوں زیر فلک ، نالۂ شب گیر نصیب
پر اُسے کیا کروں ؟ یارو نہیں تاثیر نصیب
کیمیا خاک در شاہ نجف هے " سودا "
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

مجھ اشک میں جوں ابر، اثر ہووے گا یارب
قطرہ کبھی میرا بھی گہر ہوئےگا یارب

گذرے ہے شب و روز اِسی فکر میں مجھ کو
کیا جانیے اس وقت کدھ، ہووے گا یارب

کہتے یہی کٹتی ہے مجھے، ہجر کی ہر شب
اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہووے گا یا رب

کیوں اسیری پر مری، صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے، کون سے گلشن خراب

بہہ گئے پانی ہو، سب اعضا مری آنکھوں کی راہ
پیرہن میں، ایک دم باقی ہے مانند حباب

پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

ہندو ہیں بت‌پرست، مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اُس کسی کو، جو ہو آشنا پرست

زمانے کو بھلا "سودا" کوئی کس طرح پہچانے
کہ اس ظالم کی، کچھ سے کچھ ہے، ہر اک آن میں صورت

آتش هے تري گرمي بازار محبت
کیا لے گا بہ جز داغ ' خریدار محبت
کرتے هیں اسیر قفس و دام بهی فریاد
لے سکتے نہیں سانس ' گرفتار محبت

یاد کس کو ' رحم جي میں کب ؟ دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے کا مرے صاحب ' بہانا هے عبث
بوسہ کیا مانگے هے اس بت سے ' باین ریش سفید
زاهدا نزدیک آتش ' پنبہ لانا هے عبث

رهتے تهے هم تو شاد نہایت ' عدم کے بیچ
اس زندگی نے لاکے پهنسایا هے غم کے بیچ

ناصح تو نہیں چاشني درد سے آگاہ
بے عشق بتاں ' جینے کي لذت دیا تجهے

هوتي هے ایک طرح سے هرکام کي جزا
اعمال عشق کے هیں مکافات بے طرح
بلبل کو اس چمن میں سمجهہ کر تک آشیاں
صیاد لگ رها هے تري گهات بے طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہرایک کا منھ
طلب رحم کی نظروں سے ' گنہ گار کي طرح

لہرائی ہے نسیم سحر ' کیا ہے ساقیا ؟
گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

زاہد اب کي مغ نے مے ' اس بو کي کھینچي ہے کہ آج
کوئی میخانے سے گذرا محتسب ' پڑھتا درود

ہوئي ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے ' غبار کے مانند

مجھ ساتھ تري دوستی ' جب ہوگئي آخر
دنیا کي مرے دل سے طلب ' ہوگئي آخر

شوکت نے ہمیں حسن کي ' کھلنے نہ دیا کچھ
بات آن کے سو بار بہ لب ' ہوگئی آخر

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو ' اک بوسے کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے ' آ کے سودا کر

کر خانۂ گردوں پہ نظر ' چشم فنا سے
ہے مثل حباب' اس کی بھی تعمیر ہوا پر

نا صحا اس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب ' دل
جس میں حرمت کم ہو ' رسوائی و خواری بیشتر

دل نا آشنائے نالہ سے ' صدرہ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں جو خوں آغشتہ' ان سے خار و خس بہتر
وفا ' نے گل میں ' نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل ! کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے ' پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں ' پر سے بہتر

طاقت اک آن تحمل کی نہیں ' اور دوست
صبر فرمائے ہے مقدور بشر سے باہر
جنس ناکارہ کے خواں ہیں' خریدیں مجھ کو
یہ وہ "سودا" ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ، اپنا تن زار آخر کار

سمجھے اکسیر تھے ' نکلا یہ غبار آخر کار

اب خدا حافظ ہے "سودا" کا ' مجھے آتا ہے رحم

ایک تو تھا ھی دوانہ ' تس پہ آتی ھے بہار

پلبۂ داغ میں سینہ کے مرے ھے ' جو سوز

یارب اس سوز کو ' رکھیو تو جہنم سے دور

نالاں جو باغباں سے ھے بلبل ' چمن کے بیچ

دیکھی نہیں ھے ان نے ' جفاے قفس ھنوز

شبنم کرے ھے دامن گل' شست و شو ھنوز

بلبل کے خون کا نہ گیا ' رنگ و بو ھنوز

همرہ صبا کے خاک بھی میری ھے در بہ در

جاتي نہیں ھے مجھ سے تری جستجو' ھنوز

غنچوں سے رنگ و بو کی تمنا نکل چکی

تڑپے ھے خوں میں دل کے' مری آرزو ھنوز

"سودا" کا حال تونے نہ دیکھا کہ کیا ھوا

آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ھے تو ' ھنوز

زخم دل پر ہے مرے، تیغ جلوں کا ناصح
تو گریبان کا ناداں، سئے ہے چاک ہنوز

یار کے حسن سے بے خبر اغیار ہنوز
نہیں اس شعلہ سے آگہ، یہ خس و خار ہنوز
بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب سے ہم کنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز
ہوگئے پامال نہ کر ہم کو رہا اے صیاد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار ہنوز
تیری دوری سے عجب حال ہے اب "سودا" کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز

پائے نہ جھانکنے بھی کبھو، ہم در چمن
رکھتے ہیں دل میں یہ رخنۂ دیوار کی ہوس
قدرت نہ ہم کو آہ کی، نے طاقت فغاں
نکلے سو کیوں کہ، اپنے دل زار کی ہوس
"سودا" یہ جنس دل کے تئیں، دے چکے ہم اگ
رکھتے نہیں ہیں کوئی خریدار کی ہوس

نے چین، روز فصل، نہ شب ہجر، کی قرار
کیا جانے کیا ہے اپنے دل زار کی ہوس

ساقي گئي بہار' رهی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے' اور میں کہوں کہ بس
کچھ اس چمن میں آ کے نہ دیکھا میں جوں حباب
آب رواں کو سیر کیا سو بھي یک نفس

ہم گرم تکاپو ہیں' تری راہ طلب میں
یاں آبلۂ پا ہے' سر خار کو آتش

یا نالے کو کر منع تو' یا گریے کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے ہو یک بار' فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم بھی سویا ہے' اے بلبل خموش

روسیاهي سوا نہیں حاصل   نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
مثل نقش قدم یہ رکھتي ہے   تیرے در سے مري جبیں اخلاص

سینے میں دل جو ہے' تو تیري یاد کے لئے
جز دید کیا ہے دیدۂ خوں‌بار سے غرض

آنکھیں بہ‌رنگ نقش قدم ہو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

فضل حق جس کے طرف هو تو اُسے بخشے هے

دور ساغر کی طرح گردش ایام نشاط

دل جنهوں کا هے اسیری کے مزے سے آگاہ

هے قفس بیچ اُسے عیش تہہ دام نشاط

کهاتے جو هو قسم که تجهے چاهتا هوں میں

مشفق غلط ' مـلاذ غلط ' مهـربان غلط

ساقي نه هو تو سیر چمن کا هے کیا مزا

جـانـا بغیـر بـادہ سـوے بـوستـاں غلـط

دونوں سے هم نے اثر دل میں نه پایا اس کے

نالهٔ شب هے عبث ' آہ سحر گہ غلط

بزم آراسته کی جس کے لئے اے " سودا "

آج آنے کی خبر اس کي هے افواہ غلط

یوں هی طریق عشق میں هو راست یا غلط

اجـر جفا درست هے مرد وفا غلط

واشد هے دل مرے کو دم سرد سے ترے

اس غنچه کو شگفته کرے گر صبا غلط

عبث هیں منتظر اس شوخ کي مری آنکهیں

سوائے آئینه کس کو هے انتظار سے خط

ملا کسی سے تو نام بہشت پر تجھ کو
گل بہشت کی پہونچی نہیں ہے بو واعظ

——

تو میرے غم سے نہ رویا اور میری خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتی ہے شمع

——

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آے شمع
دل بے کسی کا مجھ پہ جلے ہے بجاے شمع

——

دل سوز عاشقاں کوئی "سودا" سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع وار داغ

——

ہے خواہش گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختہ سے چمن کے ہیں فزوں اس پہ بھرے داغ
"سودا" نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

——

پہونچا کے تری زلف کی بو غیر کو پیارے
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ
ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے
جب شمع کو کرتی ہے تری جلوہ گری داغ

——

مائل تھا بسکہ دل مرا بیداد کی طرف

خون بہہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف

سامان نالہ سب ہے مہیا پر اے اثر

میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف

خوں کر رہا ہے جوش، رگ جان میں تری

"سودا" نہ دیکھ نشتر فصاد کی طرف

بچ کر وہ میخانہ سے اے شیخ نکلنا

ہر رند ہے واں جبۂ و دستار کا عاشق

کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کی "سودا"

جس کا ہو، فروشندہ خریدار کا عاشق

ترک مجھ سے کیوں کہ ہو عشق بتاں، اے اہل دیں

سمجھوں ہوں تار نفس کو اپنے میں، زنار عشق

اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو

روز و شب کھٹکا کرے سینہ میں جس کے خار عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق

مجھ ناتواں نے کیا کیا اُٹھایا ہے، ناز عشق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا

اس دبی آتش کو ڈرتا ہوں نہ سلگائے فراق

زندگی کیوں نہ ہووے مجھ پر شاق
یار بے التفات دل مشتاق
غم نہیں اس کی بے وفائی کا
کرے ترک وفا نہ ہم سے فراق

شمع اس عارض کی، سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے صرف شمع طور تک
کون سے عارف کو یاں دعوی خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہوچکا منصور تک
خوبی مے خانہ و ساقی نہیں اُس کے نصیب
پہونچے گو زاہد عبادت سے قصور و حور تک

رہے اس فصل ہم، اے بلبل و گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اس کا خمار تک

رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یک نفس گرد چمن هم نہ ہوئے بال افشاں
آشیانے سے نہ اٹھے، رات، گئے دام تلک

اس چمن کی سیر میں لے جا بسر تو اس طرح
چاہئیے ہووے نہ تجھ سا خار دامن گیر ایک

رونے کو میرے، تا بہ کجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بہ جائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا
"سودا" میں کیا بیان کروں اب وفائے اشک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

ابھی جھپکی ہے ٹک اے شور قیامت! یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینے میں اب تو خاک بتایا سراغ دل

نہ دیکھا ہم نے کچھ اپنے سوا وہ جس کو دل چاہے
جو طالب ہوں کسی کے تو کوئی مطلوب دیکھیں ہم

— —

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
آتش کو رنگ گل کی صبا تونے پھونک دی
جلوائے آشیاں کے مرے خار و خس تمام
"سودا" ہوئی ہے شام کو زلفوں میں اس کی راہ
اس دست نارسا کو ہے کیا دسترس تمام

———

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہو، اپنے اُسے کام سے کام

———

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبے میں بت‌خانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو، کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت، دیوانے نے کی زنجیر کھل جانے میں دھوم

———

ٹہرا جو ستم ہے اس کو تو جان   اپنی سی تو خوب کرگئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرہا جی   تھا تن سو گداز کر گئے ہم

ہوگی نہ کسي کو یہ خبر بھی   اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفاے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور چشم مجلس و سوز دل پروانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
ماندگي گر محنت دنیا کی خواب آور ہو یاں
شور محشر کو بھي "سودا" سمجھیں اک افسانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ درست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بے گانہ ہم

دیکھیں تو کس کي چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابر تر کہ ہم
بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئي ایسا شجر کہ ہم
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ برکہ ہم

خانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہو لیں گل سے تک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک ' فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد ہم
خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا
راہ میں تیری ' پھرے جوں نقش پا برباد ہم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

اے گل! صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم
مجھے وضع جہاں اس رشک سے محفوظ رکھتا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں' کہاں پھر گل' کدھر شبنم؟

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام
'' سودا '' تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جلبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

مجھے عاشق نہ بوجھ اے بد جفا کا کب میں حاصل ہوں
لگا لوہو شہیدوں میں ترے کافے کو داخل ہوں

مجھے یارو دماغ اب کب ہے گلگشت دوعالم کا
قدم رکھنے میں باہر گوشۂ خاطر سے کاہل ہوں

برہ کی آگ سے کیوں کر گریزاں ہوں میں اے ناصح
ازل سے ہم ہیں شعلے کی طرح پابند' آتش میں

ہمارے درد کی تدبیر ایسی ہو نہیں سکتی
تاسف ہی سرا کرتے ہیں یہ غم خوار آپس میں

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھوں تو کہوں
ورنہ لیلی ہے ہراک محمل میں سمجھوں تو کہوں

دیکھا جو باغ دہر تو مانند صبح و گل
کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں

عاشق ترے' ہم نے کیئے معلوم بہت ہیں
ظالم تو ہی دنیا میں ہے مظلوم بہت ہیں

ہوئے غبار نہ " سودا " جو چھوٹتے دامن یار
پر اب کی ہوکے حنا پاؤں سے لپٹ جاویں

یار آزردہ ہوا رات جو مےنوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانئے بےہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کہ ہمیں
یاد تیری ہے دوعالم کی فراموشی میں

اشک گل‌رنگ سے ہوں غم میں تیرے باغ و بہار
نالہ بلبل ہے ' چمن نقش و نگار دامن

بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن
کیا گلا صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن
نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں نا چار چمن
لخت‌دل گرتے خزاں میں' جاے برگ اے عندلیب
ہم اگر ہوتے تری جاگہ گرفتار چمن

زہد کو چاہئے ہے زور تو عصیاں کو زر
میں بھی یوں ہی بسر اوقات کروں یا نہ کروں
دل سے لب تک سخن آتے ہوئے ''سودا'' سوبار
مصلحت یار سے ہے بات کروں یا نہ کروں

غم میں تسکین دل زار کروں یا نہ کروں
نالہ جاکر پس دیوار کروں یا نہ کروں

سن لے اک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں

ذرا صبا اُٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کہا یہ سمجھو
ہے زبان میرے بھی گفتار کروں یا نہ کروں

خواب شیریں میں وہ اور دل ہے مرا مائل شوق
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

حال باطن کا نمایاں ہے مرے ظاہر سے
میں زباں اپنی سے اظہار کروں یا نہ کروں

کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے "سودا"
جاکے با دیدۂ خوں بار کروں یا نہ کروں

چمن کا لطف سیر اور رونق محفل ہے شیشے میں
پہونچ ساقی کہ اپنی دوستوں کا دل ہے شیشے میں

تڑپتی ہے یہ خون دل میں ظالم ! آرزو میری
کہوں کیا تجھ سے میں گویا وہ اک بسمل ہے شیشے میں

آشنا مفت نہیں دل سے خیال رخ یار
اتری ہے لاکھ فسوں سے یہ پری شیشے میں

خانۂ دل کہ ہو خوں ہونے کا آئیں جس میں
ہے وہ اک بیت کہ سو معنے ہیں رنگیں جس میں
ہجر اور وصل سے کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
بات وہ کیجئے کہ تک دل کو ہو تسکیں جس میں
کار ورما جو ہمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام ، نہ دنیا ہوئی نے دیں جس میں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں
نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ہیں

لخت جگر آنکھوں سے ، ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارماں نکلتے ہیں

سنتا نہیں کسی کا کوئی درد دل کہوں
اب تجھ سوا میں جا کے خدا یا کہاں کہوں

اپنی توبہ زاہدا! جز حرف رندانہ نہیں
خم ہو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں
صبح دیکھا تھا جو کچھ، وہ کم نہیں ہے خواب سے
ذکر اس کا شام ہو تو بیش از افسانہ نہیں

سنگ سے بیت‌الحرم کی شیخ اٹھائی ہے بنا
آئینۂ دل کا مجھے اس گھر میں بٹھلانا نہیں
تا صبا بالیں سے میری، اٹھ، خدا کے واسطے
جان کھانی اس کو کہتے ہیں یہ سمجھانا نہیں

کوسوں کا نہیں، فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں
ہم ساقیٔ قسمت سے بہر شکل ہیں راضی
یاں فرق نہیں ذائقۂ شربت و سم میں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر، یار مرا ورنہ کہاں کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی، اے شیشۂ گراں ہے کہ نہیں

سر گوشي پر مري ہے تو آشفتہ کیوں ہوا
میں درد دل کہا ہے یہ، کچھ اور تو نہیں

دلا! میں پیتے ہی پیتے پیوں گا عشق کی مے
یہ جام زہر ہے پیارے کچھ انگبیں تو نہیں

تلہا کہیں بتہا کے تجھے آج ایک بات
دل چاھتا ہے کہیئے مري جان، پر نہیں

نہ تلطف نہ محبت نہ مروت نہ وفا
سادگي دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں، شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ‌طرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
ہو لطف کي اُمید تو یہ جور سہوں میں
یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹي بھي تسلي ہو تو جیتا تو رہوں میں

لخت دل، کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتي لہو میں کون سي شب، آستیں

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو
شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

بے اختیار منھہ سے نکلے ہے نام تیرا
کرتا ہوں جس کسی کو پیارے خطاب، تجھہ بن
مل جا جو چاہتا ہے "سودا" کی زندگانی
کچھہ بے طرح سے اس کو ہے اِضطراب، تجھہ بن

گتھي نکلي ہیں لخت دل سے تار اشک کي لڑیاں
یہ انکھیاں کیوں مرے جي کے گلي کے ہار ہو پڑیاں

فرہاد و قیس ووں گئے "سودا" کا ہے یہ حال
کیا کیا کیا ہے عشق نے خانہ خرابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اتھتی ہیں آہیں
سبب کیا ؟ کاروان درد کي مسدود ہیں راہیں

تونے "سودا" کے تئیں قتل کیا، کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم ! اسے کیا کہتے ہیں ؟

نہ اپنا سوز هم تجهہ سے بیاں جوں شمع کرتے هیں
جو دل خالی کیا چاهیں تو آہ سرد بهرتے هیں
جگر ان کا هے جو تجهہ کو صنم کہہ یاد کرتے هیں
میاں! هم تو مسلماں هیں' خدا بهی کہتے ڈرتے هیں
گلی میں اس کی مت جا بوالہوس آ مان کہتا هوں
قدم پڑتا نہیں اس کو میں واں سر سے گذرتے هیں
نہ چارہ کرسکے کچهہ موج دریا کی روانی کا
کهیں وار ستگاں زنجیر جکڑے سے ٹهہرتے هیں

بس خشت کو اٹها کر دیکهیں وہ چشم دل سے
صورت کو اپنے اس میں موجود جانتے هیں
کیا شکر؟ کیا شکایت؟ اپنی هے شکل یکساں
دونوں سے آپ هی کو مقصود جانتے هیں
هم سر نوائیں کس کے آگے کہ بعد آسا
اپنے قدم کو اپنا مسجود جانتے هیں

قدرت اوروں کو هے سر گرم سخن هونے کی
نہیں پهرنے کا دم سرد کے مقدور همیں
کام هے چشم کا نظارہ نہ بهلا شب و روز
آنکهہ خالق نے رقیبوں کو دی' ناسور همیں
کوئی سمجهے هے ترے گهر میں کہ هم آئیں هیں کیوں
هوکے مانع تو نہ کر خلق میں مشہور همیں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز ، کیا لکھوں
ٹھوکر لگے ھے دل کے تئیں جس خرام میں

جب میں گیا اس کے تو اسے گھر میں نہ پایا
آیا وہ اگر میرے تو در خود نہ رہا میں
کیفیت چشم اس کی، تجھے یاد ھے " سودا "
ساغر کو میرے ھاتھہ سے لیجو کہ چلا میں

" سودا " خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑگئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کنشت میں
کہہ اس خدا سے شیخ! جو ھے سنگ و خشت میں
گذرا ھے آب چشم میرے سرسے بارہا
لیکن نہ وہ مٹا جو کہ تھا سر نوشت میں
" سودا " کو شمع بزم ، جو کہتے تو تھا بجا
ھے اشک و آہ سوختن اس کی سرشت میں

خلش کروں نہ کسی سے اگرچہ خار ھوں میں
جلے نہ مجھہ سے دل خس جو شعلہ بار ھوں میں

جسم کا معلوم رهنا ' گر یهي هے سیل اشک
بیٹھ هي جاوے گي یه دیوار دن دو چار میں

امید هوگئي کچھ گوشهٔگیر سي ' دل میں
رها کرے هے تمنا ' اسیر سی ' دل میں
خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے هے بات تري مجھ‌کو تیر سی ' دل میں

دل کو یه آرزو هے ' صبا کوئے یار میں
همراه تیرے پهونچئے مل کر غبار میں
میں وہ درخت خشک هوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نه دیکھا بہار میں

دلا اب سر کو اپنے پھوڑ مت سنگ ملامت سے
یہی هوتا هے ناداں عشق کا انجام دنیا میں
نه کر "سودا" تو شکوہ هم سے ' دل کی بےقراري کا
محبت کس کو دیتي هے میاں آرام دنیا میں

کفر سے اب تو مرا دل هے نهایت بیزار
درمیاں کیا کروں اے شیخ که هے پائے بتاں

جي تک تو دے کے لوں جو ھو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر نہیں
ھوتی نہیں ھے صبح نہ آتی ھے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ھوں سو کہتا ھے مر کہیں
ساقی ھے اک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ھے جام تو جلدی سے بھر کہیں

قاصد کی کیا مجال جو اس کو میں جا سکے
جز مرغ روح کوئی مرا نامہ بر نہیں
میری طرف سے دیجیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پھر بال و پر نہیں

طلب میں سلطنت جم کی نہ صبح و شام کرتا ھوں
در مے خانہ پر جاکر سوال جام کرتا ھوں
جو آزادی میں یاد آجائے ھے لذت اسیری کی
تو کر پرواز گلشن سے تلاش دام کرتا ھوں

ٹکڑے تو ابھی لعل کے دل بیچ دھرے ھیں
ھم نے تو ابھی موتی ھی آنکھوں میں بھرے ھیں
صد شکر کہ مرنے کا خلش اٹھ گیا دل سے
جب سے ھوے پیدا ھم اُسی دن سے مرے ھیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینہ صد چاک دکھلاؤں

جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں

پرستش چھوڑ دے کعبہ کی، "سودا"! شیخ، گر اس کو

جو میرے دل میں بستا ہے بت بے باک، دکھلاؤں

ہے اعتقاد ہمیں، ہندو و مسلماں پر

ہیں دونوں ترے پرستار یہ، نہ ہو وہ ہو

نہیں ہے وصل میں درخواست ہجر کی مجھ کو

ولے خدا سے ہوں ناچار، یہ نہ ہو وہ ہو

لہو اس چشم کا پونچھے سے، ناصح! بند کیوں کر ہو

جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیوں کر ہو

کرے تک منفعل کوئی مرے بے درد قاتل کو

دکھادے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو

الٰہی ہے سکت نعم‌البدل کے تجھ کو دینے کی

مجھے اس کے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

کس کی ملت میں گنوں آپ کو، بتلا اے شیخ

تو مجھے گبر کہے، گبر مسلماں، مجھ کو

اسرار خرابات سے واقف ہو جو زاهد
کعبہ سے نہ کم سمجھے در پیر مغاں کو

"سودا" اُمید وصل کی کس کو ہے یاں کہ رہ نہیں
اپنے دل اور چشم میں ایسے خیال و خواب کو

بادشاهت دو جہاں کي بهي جو هووے مجھ کو
تیرے کوچے کی گدائی سے نہ کھووے مجھ کو
خشک رکھتی هے کبھو چشم جو دامن تجھ بن
آستیں چاهتی هے خوں سے بھگووے مجھ کو

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں هیں فلک پر سے زمیں کو
آتا هے تو آ شوخ کہ میں روک رها هوں
مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو
دیتي هی نہیں چین بدی اپنے گماں کي
ساتھ اس کے میں هوتا هوں کوئی جائے کہیں گو

نہ پوچھو قتل کرنے میں کسو سے بیر هے اس کو
چلے تلوار تو آب رواں کی سیر هے اس کو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق، اے صبح! سلامت رکھے تیرے دم کو

ہم کسو کی نہ چڑھے نظروں میں عنقا کی طرح
دیکھ ڈالا ہے بہ یک آن، ہم اس عالم کو

ہے کہ اب لا کے دکھاویں اُسے تجھ کو ناصح
مت فضیحت ہو عبث کر کے نصیحت ہم کو

کیجے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا گرفتاروں سے مت پوچھو

فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے ''سودا'' ہے
خبر اُس کی جہان آباد کے یاروں سے مت پوچھو

ناصح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

تجھ بن تو دو جہاں سے کچھ اپنے تئیں نہ ہو
ہوویں نہ ہم کہیں کے اگر تو کہیں نہ ہو

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ کہو

هر آن آ مجھی کو ستاتے ہو نا صدو
سمجھا کے تم اُسے بھي تو یک بار کچھ کہو

روا ھے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریاے زھد چھپے' راز عشق رسوا ہو

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن ! ترا خانہ خراب ہو

اے نالہ ! مت سبک ہو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا ھے جگر کي نظر سے تو
دامن' مکان اشک سے ھے دو قدم کی راہ
آنکھیں چرا نہ لذت دل اٹھے سفر سے تو

چھوڑوں گا نہ دامان اسیري کبھو صیاد
ہر صبح رھائی ہو مجھے' شام قفس ہو

کروں گرم با دیدۂ تر نگاہ کہ ڈالے پھپھولا نہ رخ پر نگاہ
نہیں زخم سے اس کے' واقف کوئي ھے باطن یہ برچھي' بہ ظاہر نگاہ

لینے لگا ہے اب تو مرا نام گاہ گاہ
بھیجیں گے ہم بھی نامۂ پیغام گاہ گاہ

عزت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
دوں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

مت مجھ کو ڈرا واعظ محشر کی صعوبت سے
ہے مبدأ و محشر میرا دل شوریدہ

رکھے ہے دل کو مرے اشتیاق سینے میں
کہ جیسے مرغ قفس میں ہو اضطراب زدہ

میں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر
اب شور قیامت نے گھیرا ہے درِ میخانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

کرتے ہو مداوا کب بیمار غم اپنے کا
جب کام ہوا آخر تدبیر نظر آئی
ہے گردش چشم اس کی حلقہ در محشر کا
موج خط پیشانی زنجیر نظر آئی

یار کا جلوہ مرے، کیا شہرۂ آفاق ہے

جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے

ذات پر اس شوخ کی، بس ختم ہے معشوقیت

جو بشر دنیا میں ہے، منجملۂ عشاق ہے

فائدہ اس ہرزہ گوئی سے بھلا ناصح تجھے

زندگی "سودا" کو اب بے عشق کرنی شاق ہے

کوئی تو سمجھے ہے اس چہرے کو مہ اور کوئی مہر

ہم تو سمجھے ہیں، فقط اللہ کا یہ نور ہے

اے خیال یار اس سینے میں اب مت رکھ قدم

شیشۂ دل سنگ سے ہجراں کے، چکنا چور ہے

کروں میں حال کس کس طرح ظاہر، سخت مشکل ہے

کہ دل سے بھی زیادہ خاطر دل دار نازک ہے

تیرے ہی سامنے کچھ بہکے ہے میرا نالہ

ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح

جو دل سے دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہے

کہوں کیا تجھ سے اے "سودا" خرام نازنیں اس کا
دلوں کو ڈھونڈھتی اک آفت ناگاہ پھرتی ھے

جرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ھے
بے گنہ رھنے سے تقصیر بہت اچھی ھے
مجھ کو سونپا ھے زمانے کے تئیں قسمت نے
دست نا مرد میں شمشیر بہت اچھی ھے
نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ
جو کہ قسمت کی ھے تحریر بہت اچھی ھے
جتنے ھیں کام ترے، سونپا خدا کو "سودا"
تیری تدبیر سے، تقدیر بہت اچھی ھے

کب کر سکے وہ تیغ ادا سے ھو جو کچھ کام
گو زخم نہ معلوم ھو قاتل تو وھی ھے

مری بھی سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر
پگھل چکا ھے سراپا، زبان باقی ھے
نہ درد دل ھی کے کہنے کی تجھ سے ھے طاقت
نہ چپ ھی رھنے کی تاب و توان باقی ھے

دل جنس فرد شندۂ بازار ھنر ھے
دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ھنر ھے

ٹک ہم وہاں قافلہ سے، کہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

اے تڑپ چین تو بسمل کو کہیں تل بھر دے
یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامن قاتل بھر دے
بادہ پہلے سے تو خو گر میں نہیں ہوں اے تیغ
ہو کسی شیشہ میں لوہو تو مرا دل بھر دے

دنیا تمام گردش افلاک سے بنی
ماٹی ہزار رنگ کی، اس چاک سے بنی

غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
تیرے سخن کو میں بہ سرو چشم ناصحا
مانوں ہزار بار، اگر دل سے بس چلے

یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے
اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہئے

مخلصی "سودا"، کی کچھ، حق کے کرم سے ہو تو ہو
ورنہ یاں ہر کا کی تقصیر دامن گیر ہے

کاٹی مصیبت شب ہجراں ' میں با رہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
جوں شمع، پانوں ' ز کے جاتا ہوں میں کہاں
در پیش آ گیا ہے کدھر کا سفر مجھے

ساغر دل، خوں سے مالا مال رہتا ہے مرا
اہل دل گر مست رہتے ہیں تو ایسے جام کے

تو کہہ کے ہمیں سخت، نہ بدنام ہو ناصح
یہ شیشہ دل ہاتھ سے ہے چور کسو کے

ہوا کس پر، یہ دیوانہ الٰہی
کہ موج اشک ہے زنجیر دل کی
جفا سے تیرے اٹھ جاؤں میں لیکن
وفا ہوتی ہے دامن گیر دل کی

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آنے کا ناصح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

نہ عندلیبِ گرفتار کو قفس چھوڑے
نہ تیرے دام کے مشتاق کو ہوس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیج دے
دل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیج دے

تری دریا دلی کا شور ہے اے مہرباں جب سے
ہمارے دل سے دریاے تمنا، موج مارے ہے

تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقی میں نہ کم ہوتے
جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

طوبےٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں، تیرے سایۂ دیوار کے لئے

گرمی اس شعلہ سے ہیہات نہ ہونے پائی
ہوں وہ پرواز، جسے رات نہ ہونے پائی
جی کی جی ہی میں رہی، یار مری بالیں تک
پہونچا اس وقت کہ کچھ بات نہ ہونے پائی

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دل جوئی

ناصحا! ہر چند یہ بندہ سبک اطوار ہے
پر سبک ہے کب جو خاطر پر کسي کی بار ہے

——

جو طبیب اپنا تھا اس کا دل کسی پر زار ہے
مژدہ بادا ے مرگ! عیسے آپ ہی بیمار ہے

——

طاقت کہاں ہے اب کہ گنوں وعدے کے میں دن
اس وقت بھي ملو تو دموں کا شمار ہے

——

کیا چیز ہے وہ، دل جسے کہتے ہیں الٰہي!
اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے
دشنام تو دینے کي قسم کھائي ہے، لیکن
جب دیکھے ہے وہ مجھ کو تو اک جنبش لب ہے

——

مت دیکھ خاک سارئ "سودا" بہ چشم کم
گر آسماں ہے تو، تو مقابل زمین ہے

——

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ہم تو کیا
عالم تو سب طرح کا ہماري نظر میں ہے

ان سے جو ہیں نا بینا، وعدہ ہے قیامت کا
بینا کے بہ ہر یک پل، دیدار نظر میں ہے

کرے ہے توبہ جو واعظ کی ہرزہ گوئی سے
مگر بہار کو "سودا" نے دور دیکھا ہے

نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہونچے گا کوئی
جب تلک اے یار خالی عمر کا پیمانہ ہے

اک رنگ کے جلوے نے کھینچا ہے مرے دل کو
صورت تو نہ میں سمجھا گوری ہے کہ کالی ہے

جان تک چاہے اگر وہ تو ہے بندہ حاضر
دل اسے دیوے جو کوئی تو جگر اس کا ہے

چشم پرآب سے "سودا" کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورت آئینہ کچھ دیدۂ تر اس کا ہے

پاک میرے نہ کسی دوست نے کی چہرے سے گرد
دیدہ ہے دشمن جاں، پر مرا منھ دھوتا ہے

گوهر کو جوهري اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

سنے ہے مرغ چمن کا تو نالہ اے ساقی
بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

هم هیں وابستہ محبت کی مدد گاری سے
سب سے آزاد هوئے دل کی گرفتاری سے
سبب غفلت دنیا هے فقط عیش شباب
خواب آور هے سحر' رات کی بیداری سے

مآل مردم ماضی و حال و استقبال
سنا تو ایک کی' کچھ داستان هے سب کی

عدو بھی هو سبب زندگی جو حق چاهے
نسیم صبح هے روغن' چراغ میں گل کے
چمن کھلیں هیں پهونچ بادہ لے کے اے ساقی
گرفتہ دل مجھے مت کر فراغ میں گل کے

پاس اب همارے' نکہت گل کو نہ لا نسیم
دل سے هوس چمن کی اسیروں نے دور کی

محرم! فقط تسلی کے دیلے سے کیا حصول
کر فکر ہوسکے تو دل نا صبور کی

مرے ملنے کی اس کو تب ہوس ہووے اگر ہووے
کہ مجھ میں اک رمق باقی نفس ہووے اگر ہووے

سارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے
صنم رکھتے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
آزاد کرتے تم ہمیں قید حیات سے
اس کے عوض جو دل کو گرفتار کر چلے
تو خوش رہو گھر اپنے میں، جس شکل سے ہو تم
دو چار نالے ہم پس دیوار کر چلے

اثر، نے آہ میں ہر چند، نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

خو گر کو اسیری کے، یہ ظالم رہا کرنا
خوشتر زچمن، اس کو ہے دام گرفتاری

جو کچھ جہاں میں ھے وہ فرق ہے تعین کا
سخن مرا نہ سمجھنا قصور کس کا ہے
یہ سمجھیں ھیں کہ تو خالق ھے اور ھم مخلوق
ترے گناہ سمجھنا شعور کس کا ھے
جہاں کی بزم سے یا رو کسی کا اُتھ جانا
یہ کون جانے کہ نزدیک و دور کس کا ھے

تمیز خوب و زشت اے مہرباں کب عشق نے پائي
محبت میں سبھی یکساں ھیں جس کی جس سے بن آئی
جھکایا تھا مجھے زاھد نے کوچہ رنج دنیا کا
مغاں نے راحت دنیا کي مجھ کو بات بتلائي

دھن غنچے کا جب دیکھوں ھوں گوش گل پہ گلشن میں
تو اپنا درد دل کہنا کسو سے یاد آتا ھے

زیست قاتل ھے مري' تجھ بن' اجل بدنام ھے
سینے میں موج نفس اک تیغ خوں اشام ھے
عشق کے انجام سے دل کو ھے غفلت اس طرح
جیسے وہ ماھي کہ دریا میں میان دام ھے

یاں جو ھوں خاموش سو تیري ندامت کے لئے
ورنہ شکوں کے ذخیرے ھیں قیامت کے لئے
آنکھ اُتھا کر دیکھ تو اے یار میري بھی طرف
کب سے ھوں میں منتظر صاحب سلامت کے لئے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ھے، لیکن داغ دل
رہ گیا ھے دوستی کي یہ علامت کے لئے

میں حال کہوں کس سے، ترے عہد میں اپنا
روتے ھیں کہیں دل کو، کہیں جی کی پڑی ھے
محکوم تصور کي مرے ھے، تری صورت
آگے مري آنکھوں کي شب و روز کھڑی ھے

جان بھی دیجے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے
دین و دل کھو کر میاں اپني سزا هم پا چکے
یہ نوید آمد کے پیارے! مجھ سے مجھ کو لے گئے
آپ میں آیا میں تب اتنا کے جب وہ جا چکے
گوش زد اس کے کیا اعدا نے میرا حرف عشق
کیا رھا جلنے میں اب جب آگ وہ ..لگا چکے

جھلک جس شوخ میں ذرہ نہ ھو نور محبت کی
اگر خورشید ھے کیا ھے و گر مہتاب ہے کیا ھے

سینے کو دور کر مرے سینے کے داغ سے
سوز شب فراق کو دیکھ اس چراغ سے

شمع و چراغ گو کہ مری شب سے دور ہے

تو گھر میں ہو مرے تو اندھیرا بھی نور ہے

جب نظر اس کی آن پڑتی ہے

زندگی تب دھیان پڑتی ہے

دل سے پوچھا میں یہ کہ عشق کی راہ

کس طرف مہربان پڑتی ہے

کہا ان نے کہ یہ نہ ہندستاں

نے سوئے اصفہان پڑتی ہے

یہ دور رہا جو کفر و دیں کا ہے

دونوں کے درمیان پڑتی ہے

نہیں عیسیٰ تو پھر سخن سے ترے

تن بےجاں میں جان پڑتی ہے

گذر ادھر بھی وہ شاہ خوباں کرے جو اک دم تو کیا عجب ہے

ہوئی ہے آگے بھی بادشاہوں سے اس طرح کی گدا نوازی

کل ہے عاشق ترا قسم مت کھا

یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے

عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف

دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

جان تو حاضر ھے ' اگر چاھئے
دل تجھے دینے کو ' جگر چاھئے

عشق ھو' شرط ھے کیا نہ ھو مرض الموت مجھے
یارب ! انسان کے مرنے کے ھیں آزار کئی
ترے بازار میں اب کیونکہ نہ بگڑے " سودا "
ایک یوسف نظر آتا ھے ' خریدار کئی

جھڑ کی تو مدتوں سے مساوات ھوگئی
گالی کبھو نہ دی تھی سو اب بات ھوگئی
بس اب ستم سے در گذر اے یار ! تا کجا
اعمال دے کے میری مکافات ھوگئی
ملنا ترا' ھر ایک سے میں کیا بیاں کروں
عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ھوگئی

کیجیو اثر قبول کہ تجھ تک ھماری آہ
سینے سے ار مغاں لئے لخت جگر' گئی

اب کی بھی دن بہار کے یوں ھی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بھلے گئے
اے شمع ! دل ' گداز کسی کا نہ ھو کہ شب
پروانہ داغ تجھ سے ھوا ' ھم چلے گئے

ہے مدتوں سے خانۂ زنجیر ' بے صدا
معلوم ہي نہيں کہ دوانے کدھر گئے
"سودا" جہاں میں آکے کوئی ' کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں' دل پر آرزو لئے

وعدۂ لطف و کرم ' گر نہ وفا کیجئے
مہر نہیں تو ستم' کچھ تو بھلا کیجئے
فرصت عمر اپنی یہ' لطف خداوند وہ
کچھ تو حق بندگی کیونکہ ادا کیجئے

کہوں میں کسی سے کہ مطلب قرار وا کیجئے
بھلا ہے ترک تعلق کا مدعا کیجے
کہے تھا شمع سے پروانہ' رات جلتے وقت
کہ حق بندگي اس طرح سے ادا کیجئے
کہا طبیب نے احوال دیکھ کر میرا
کہ سخت جان ہے "سودا" کا اہ کیا کیجئے

بھاگ دیوانے سے مت اے غافل
وہیں جاناں ہے جہاں مجنوں ہے

گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے
دل دار تو ہوا تو دل آزار کون ہے
ہر آن دیکھتا ہوں میں اپنے صنم کو شیخ
تیرے خدا کا طالب دیدار کون

"سودا" کو جرم عشق سے کرتے ھیں آج قتل
پہچانتا ھے تو ? یہ گنہ گار کون

الفت میں کچھ اپنی بھی اثر چاھئے "سودا"
ھر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ھے

جگر اور دل پہ اب میرے' بہار ایسی ھے داغوں سے
کہ زخم سینہ گویا ' رخنۂ دیوار گلشن ھے

دل لے کے ھمارا جو کوئی طالب جاں ھے
ھم بھی یہ سمجھتے ھیں کہ جی ھے تو جہاں ھے
ھر ایک کے دکھ درد کا ' اب ذکر و بیاں ھے
مجھ کو بھی ھو رخصت تو مرے منھ میں زباں ھے
جو بندۂ ھر چیز ھے یابندہ جہاں میں
جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈھو سو کہاں ھے
پیری جو تو جاوے تو جوانی سے یہ کہنا
"خوش رھیو مری جان تو جیدھر ھے' جہاں ھے"

جو وہ پوچھے تجھ سے اے قاصد کہ "سودا" خوش تو رھتا ھے
تو یہ کہیو ! کبھو رو رو' دل اپنا شاد کرتا ھے
بساں نے' ترے ھاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا میں
کوئی تک منھ لگاتا ھے تو وہ فریاد کرتا ھے

خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بت‌خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار! کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں "سودا"
جنس دل کا بھي خریدار کہیں دیکھا ہے

یاں چشم سرمہ سا کا، مارا کوئی دیا ہے
ہر سرو، اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے
لب تشنگان جام تسلیم، ہم ہیں ساقی!
یا بادہ، یا ہلاہل، جو ہو سو واہ وا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ، کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی اخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں "سودا" برہنہ پا بھی ہے

کب تاب قفس لا سکے، وحشت مری صیاد
اک الفت گل بس ہے کہ سو دام یہي ہے

" سودا " کے ھاتھ کیونکہ لگے وہ متاع حسن
لے نکلیں جس کو گھر سے تو بازار ساتھ ھے

اس چشم خوں چکاں کا احوال کیا کہوں میں
اب زخم ھے تو یہ ھے، ناسور ھے تو یہ ھے
کچھ بس نہیں ھے تجھ سے، جز رو کے چپ ھو رھنا
قدرت جو ھے تو یہ ھے، مقدور ھے تو یہ ھے
گردش سے آسماں کے نزدیک ھے سبھی کچھ
ھم سے تجھے ملانا اک دور ھے تو یہ ھے

گذرا ھے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ھے سو ھے
" سودا " گلی میں یار سے گو بولتا ھے گرم
پھر ھر سخن کے ساتھ دم سرد ھے سو ھے

درد مہرے استخواں کا کیا ترے دمساز ھے
اس قدر اے نے تری دل‌گیر کیوں آواز ھے

. .

پروا عبث ھے ھم سے یہ خاطر نشاں رھے
جس دم اٹھا یہ بیچ سے، پھر ھم کہاں رھے

کیا پوچھتے ہو حال اسیران چمن کا
یک مشت پر اب کنج قفس میں ہمگي ہے
"سودا" کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھہ لگي ہے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئي فریاد کو پہونچے
صبا یہ مشت پر اس دام سے، صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں ہے رسم یاں کوئی کسي کی داد کو پہونچے

رہا کرنا ہمیں، صیاد! اب پامال کرنا ہے
پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پہونچے داد کو ہرگز، ترے کوچے کا فریادي
کسی کی، شور محشر میں کوئي آواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھہ سے میرا حال تک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئي غماز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجھہ کو آہ! مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی کچھہ اپني ہي کہي

شعلہ میں برق کا ہوں، پر افسردہ یاں تلک
ہر خار اس چمن کا سمجھتا ہے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہو اے نسیم
ہر صبح اس چمن کی ہو شام قفس مجھے

منھ لگاوے کون مجھ کو، گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو، مجھے
منحصر جوں شمع جلنے پر مری ہے زندگی
تاب و تب سے عشق کے یاں تک ہوئی ہے خو، مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چڑھے
جلوۂ حسن اُسے، حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے، او عالم فانوس خیال
گو تحیر نے کیا صورت دیوار مجھے
نہ پھرا ملک عدم سے تو کوئی اے "سودا"
جانا ہے ان کی خبر کے لئے، ناچار مجھے

جل موا، شمع کو دیکھا جو مری بالیں پر
بدگمانی سے میں اب داغ ہوں پروانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبے کی ہوں یا گرد صنم خانے کی

کسو نے حال سے میرے، کبھی نہ تجھ سے بات
اگر کبھی بھی کسو نے تو اپنے مطلب کی

نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
اس دل کی اسیری سے نہیں کچھ تمہیں حاصل
اک نالۂ جاں کاہ سن' آزاد کروگے

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے' یہ نہ ہو سکے

ٹالا ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے ولے
آئے کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

آہ و زاری سے مری' شب نہیں سویا کوئی
تجھ سے نالاں ہوں میں' اک خلق ہے نالاں مجھ سے

دل بے عشق کی دشمن ہے' تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا' میدانئے خالی سے

رکھیو اثر تو خاطر' نالے کی تک ہمارے
پہونچا ہے دل سے لب تک' یہ سخت زحمتوں سے

نہ بھول اے آرسی! گر یار کو تجھ سے محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس ''یہ منھ دیکھے کی الفت ہے

کون! محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں' یہ مقتول ہے

منھ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک! سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے

کہتا ہے عشق' عقل سے مجھ کو تو بیر ہے
ناصح تو کیوں بکے ہے دوانہ سا؟ خیر ہے

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ
شیریں کیا جانے کہ خوں آلود جوئے شیر ہے

رحم کچھ آپ تجھے آوے تو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر' نالہ سو بےتاثیر ہے
اس قدر آغوش میں نظارہ کھینچے ہے تجھے
پشت آئینہ کی تیرا عکس رو تصویر ہے
جو کوئی پوچھے کیا کس جرم پر ''سودا' کو قتل
کہہ ''کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے''

گل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے، وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری، ایک نظر بھی
اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لخت جگر بھی
"سودا" تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

کریں ہیں دیر یہ ترے، شیخ و برہمن سجدہ
بتوں کے حسن و ادا! تیری، یاں خدائی ہے
تن گداز میں دل کیونکہ تیں رکھا "سودا"
یہ آگ، پانی میں کس سحر سے چھپائی ہے

بہار بے سپر جام و یار گذرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے
گذر مرا ترے کوچے میں گر نہیں تو نہ ہو
مرے خیال میں تو لاکھ بار گذرے ہے
ہزار حرف شکایت کا، دیکھتے ہی تجھے
زباں پہ شکر ہو بے اختیار گذرے ہے

سیدوں کو دلوں سے تو نہ خالی کر اب اتنا
ڈرتا ہوں نہ چھاتی کسی بے دل کی بھر آوے

ظالم! کر اب انصاف کہ سینے میں کہاں سے

ہردم کے لہو پینے کو تازہ جگر آوے

بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں "سودا"

اب کہنے کو افسانہ، کوئی نوحہ گر آوے

نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش

قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

درخت خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے

کہ باغباں میرے احوال سے خبر پاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن میں ہے شرر

کہیو برق کو سمجھ کے ٹک ایدھر گذر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے

اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے

فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں

اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو

زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ڈھایا میں ترے کعبے کو، تیں دل مرا اے شیخ
تعمیر میں کروں اُسے، تو اس کو بنا دے
بیمار کو تیرے ہو شفا، اس سے نہ مانوں
عیسیٰ کو یہ قدرت ہے کہ مردے کو جلا دے

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد
تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوس آزادی

کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری، مت اس کو بٹھا پردے

" سودا " چمن دہر سے یہ چشم نہ رکھیو
وہ گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لخت دل اپنے، تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نمودار نہ ہووے

پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پاؤں ہوکے، گر اپنے گھر نہ لاتی

اک خلق کی نظروں میں سبک ہو گیا لیکن
کرتا ہوں میں اب تک تری خاطر پہ گرانی
تک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا
ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی

انصاف کچھ بھی یارو! ہے عشق کی نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتی رو لے

آوے تو وہ چمن میں ترکے ہی میکشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے
کم بولتا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ بھولے
چشم پرآب ہوں میں جوں آئینہ خیالی
رک رک کے پڑ گئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے
کون ایسا اب کہے یہ "سودا" گلی میں اس کی
لا تجھ کو لے چلیں ہم دل کھوے کرکے رولے

کدورت سے زمانے کی بہ رنگ شیشۂ ساعت
ملے ہمدرد اگر کوئی تو کیجئے دل بہم خالی

پہونچے سو کیونکہ ؟ منزل مقصد کو یہ قدم
پیدا ہوئے ہیں گردش ایام کے لئے

"سودا" ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے

مطلعات

غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا
لیکن ہمارے غنچۂ دل کو نہ وا کیا

ہے سخت بے مروت، وہ بت وفا کرے کیا
پر اب تو لگ گیا دل دیکھوں خدا کرے کیا

سننے پائے نہ دہن اس کے سے دشنام تمام
جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

"سودا" کے لئے برسر بازار ہوئے ہم
ہاتھ اس کے بکے، جس کے خریدار ہوئے ہم

آگے یا قسمت جلوے یار یا مارے ہمیں
اب تو آنکھوں سے لگا ہے دیکھنے بارے ہمیں

فردیات

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں تو مانتی نہیں میں اس کو کیا کروں

مےکشاں ! روح ہماری بھی کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

وہ سمندر ہے کہ جس کا نہ کہیں پاٹ لگے
کشتی عمر مری دیکھئے کس گھاٹ لگے

رباعیات

کتنوں کا جہان میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہوں لیکن "سودا"
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

"سودا" پے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو' کب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہوئے
بالفرض ہوا یوں بھی تو' پھر تو کب تک

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب وہی پیرہن وہی ہو داغ
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر
بہ رنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

چاہی تھی بتوں کی آشنائی ہم نے
پر عقل کی مانی رہ نمائی ہم نے
اس دل کے کنارے سے ہمارے یارو
کچھ آگ لگی تھی سو بجھائی ہم نے

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجے
زلفوں سے تری دراز دستی کیجے
ساقی جو نہ ہو شراب ہے آج وہ ابر
پانی ہی پی پی کے فاقہ مستی کیجے

سرمایۂ عیش و کامرانی تو ہے
آرام دل و مونس جانی تو ہے
گر تو نہیں ہووے جینا کس کام
میری تو مراد زندگانی تو ہے

افسوس ہماری عمر روتے گذری
نت دل سے غبار غم ہی دھوتے گذری

دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
ہرچند تمام عمر سوتے گذری

رباعیات مستزاد

دنیا کی طلب میں دین کھوکر بیٹھے — ہوکر گم راہ
کرنا ہی نہ تھا جو کام سو، کر بیٹھے — اے عقل بتا،

کعبے میں شیخ بت‌کدے میں ہندو — بےرنگ و بہ رنگ
کس بو قلموں صنم کے کافر ہم ہیں — اللہ اللہ

قصائد

مدح امام حسین علیہ‌لسلام

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار
کہ سر نوشت لکھی ہے مری بہ‌خط غبار

چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ رو وے مرے روزگار پر شب تار

کروں ہوں تیز میں دندان اشتہا ہر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ہے نہار

شراب، خون جگر ہے، گزک مجھے دل خوش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے، ترانۂ یار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار

ز بس کہ دل ہے مکدر مرا زمانے سے
بہ‌جائے اشک، میں آنکھوں سے پوچھتا ہوں غبار

کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سو گند کھاوے ہے ادبار

دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زنہار

کسو ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار

جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دل زار

شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار

پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار

رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار

کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا
چراغ بت‌کدہ‌وخشت خانۂ خمار

کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
ز بس بھرا ہے سر اس کا ہوائے کج رفتار

دکھاؤں گا اسے، اب مرد، یوں کریں ہیں عزم
مشیت ازلی بھی ہوئی جو ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس ہند کا ' کوئي دن اور
اسی دیار کی گلیوں کا ہو جئے کا غبار
جہاں کے مرگ کو کہتا ہے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سنے صدق سے تو باور کر
محمدي سے فرنگی ہو جو کرے انکار
خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی گر مسیح ہو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آئے واں ہو ویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اس کو' شفا کي نیت سے
قضا قضا ہي کرے ترک اگر کرے تکرار
ہے اس قدر وہ زمیں نور سے ہے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو قرار
ہوا کے وصف میں اُس جا کی گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سر سبز تا بہ روز شمار

ز بس ہوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار سنگ میں ہیں رشک دانہ ہائے انار
گر اس طرف سے ہو جاوے صبا چمن کي طرف
نہ ہو سوائے زمرد عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کي تصویر کھینچے واں نقاش
ہر ایک شاخ وہیں سبز ہوکے' لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز
اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سمہۂ زوار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعۂ زمیں پہ بہار
انھوں کي نظروں میں ہوگی بہشت کي کیا قدر
جنھیں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار
دیا جواب زمین نے کہ اے فلک ہیہات
نہ دیجیو مجھ سے تناسب اُسے تو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ ہے آبروئے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواہرالابصار
اگر نہ چشم کو اکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امام مشرق و مغرب شہہ زمین و زمن
رموز دان خداوند، لجۂ اسرار
اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار
خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی رائے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے منفذ ھوا کا ذرہ خاک

نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

کہ اس کا حکم اتھاوے جہاں سے رشتۂ کفر

مجال کیا جو سلیمانی میں رھے زنار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن

کہاں خیال کو ھے پہونچنے کا واں تک بار

کہ جس کي دیکھ کے رفعت، فلک ھے چکر میں

اسی کے بوجھ سے ھے صفحۂ زمیں کا قرار

نہیں ستارے یہ ھیں بلکہ لوتتا ھے گہ

اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ھے عرش اُسے اپنے جبھہ پر صندل

گر اس کے فرش سے جاروب کا اتھے ھے غبار

کمیت خانے نے اب اس کے وصف گل گوں میں

کیا ھے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صدمے کے جس کی سبک روی آگے

کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ھو کے جب چمکتا ھے

نہیں پہونچتي ھے برق اس کی گرد کو زنہار

بیاں جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں

ملک کو جس کی سواری کا عزم ھو دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے

سکھائی جس کو سواري وھي ھو اس پہ سوار

کہے ہے اشہد ان لا الہ الا اللہ

عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

جہاں نہ پہونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں

کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سوفار

نمط حباب کے ، قالب تہي کریں دریا

گریں جو اُن پہ تری آتش غضب کے شرار

کریں ہمیں نہ ورق آسمان کوتاھي

شہا اگر تیری بخشش کا کیجئے طومار

بھرا ز بس شکم حرص جو دئے تیرے

نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابر فیض کے آگے

کرے نہ گر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تري کیمیا اثر اتني

اگر وہ ہو کرۂ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز

عجب نہیں ہے بغیر از طلائے دست افشار

رہیں فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم

ہمیشہ دیکھے اسي طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رہے اقبال

جدا نہ ہو سر اعدا سے چنگل ادبار

منقبت حضرت علی علیہ‌السلام

اتھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اُردي نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک

دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل

واسطے خلعت نو روز کے ہر باغ کے بیچ

آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گل نو رستہ کی رنگ آمیزی

پوشش چھینٹ قلم کار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے

کار نقاشی مانی ہے دوم وہ اول

تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ

ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے

لوٹتے ہے سبزے پہ از بسکہ ہوا ہے بے کل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہے

شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتی ہے پگھل

جوش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں

شاخ میں گاو زمیں کے بھی جو پھوٹے کو پل

یا سمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا

چاہتی ہے بہ سماجت کرے سبزے سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کے ز بس ہے در پے

غنچۂ لالہ نے سرمے سے بھری ہے مکحل

اس قدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح

چشم سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل

آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے

خط گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کھینچے زمرد کو حل
برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جاوے ہے سنبل پہ پھسل
لڑ کھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے' سنبھل
اتنی ہے کثرت لغزش بہ‌زمین ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بھل
فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل
دانہ جس شور زمیں میں نہ پھلا دہقاں سے
سبز واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل
جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل
آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
نسبت اس فصل کو' پر کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رہے گا سبز بہر مجمع و ہر یک دنگل
تا ابد طرز سخن کی ہے مری رنگینی
جلوۂ رنگ چمن جاوے گا اک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شرینی
یک طرف تار گلستاں میں ہے یکسو حنظل

ہیں برومند سخنور' مرے ہر مصرع سے
مصرعہ سرو سے پایا ہے کسي نے بھي پھل
ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ' نہ مخمس' نہ رباعی' نہ غزل
ہے مجھے فیض سخن اس کی ہے مداحي کا
ذات پر جس کي مبرهن کلم عزو جل
مہر سے جس کی منور رہے دل جوں خورشید
روسیہ کینے سے جس کے رہے مانند زحل
بغض جس کا کرے جوں مور سلیماں کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے' یلوں کا سا بل
شیر یزداں' شہ مردان علي' عالي قدر
وصئ ختم رسل اور امام اول
خاک نعلین کی جس کي مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے یزل
وہ نظر آئے اُسے دھر کی بینائي سے
رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل

مطلع دوم

دید تیرا بہ‌دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ‌چشم احول
تیری قدرت بہ‌جہاں قدرت حق کی خاطر
خلق کے وهم غلط کار میں ٹھہری ہے مثل
رائے تیري کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسے کا مداوا بہ کسل

سرکے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سر مو
ہو اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ "نہ چل"
معنئي علت غائي جو نہ ہو، تو اُن کا
خانۂ ہر دو جہاں پھر ہوں دو بہت مہمل
جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے در کا وہ گدا کہئے جسے اہل دول
وصف تجھہ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل مجنوں کے جو میدان کرے ہے صیقل
کھلبلی اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
اِستقامت کا زمانے کي قدم جائے نکل
عرض میں سے دو طرف ہوکے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ انداز اکل
جمع کب وہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ
دیکھ کر اس کو علم ہاتھ میں تیرے یک پل
توام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
ملتجمد رہنے میں ان کے وہیں آجائے خلل
اس کو آسپ نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ، نہ مڑے وہ، نہ پڑے اس میں بل
زیر راں ہے جو تیرے رخش فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل
شکل کیا اس کي بتاؤں کہ جسے شوخي سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل
حشمت و خیز اس کي بیاں کیجئے گر پیش کلیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجاوے اخلال

مہچہ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بھک آن زحل
اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ھے سبحان للہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہئے اچل
تو سن وھم کو دوڑائیے ساتھہ اُس کے تو ھو
باز گشت اِس کا تمام اُس کے بہ گام اول
ھیبت عدل یہ تیری ھے کہ ھر دشت ' میں شہر
واسطے درد سر آھو کے گھسے ھے صندل
سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دھل
ذکر واذ کار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب' زباں پر یک پل
شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ھے' دل کو
شب سے تا صبح قیامت' نہ سکے موم پگھل
امر سے نہی کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ھے مناھی کا بھی یاں تک بہ ذلل
کیونکہ آواز مفاي ھو گلے سے باھر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا ھے اوجھل
امر حق سے جو ملایک نے یہ چاھا سونپیں
علم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل
عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھہ اس میں ھے بہت ھم ھیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ھي پايا متحمل اس کا

جب یہ دیکھا کہ کسي سے نہیں سکتا ھے سنبھل

مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے

رتبہ تجھ مدح کا اعلی ھے سخن ھے اسفل

عرض احوال ھے اپنا ھي مدعا ھے اس سے غرض

تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ھے رھا ھووے جو تجھ سے مخفي

سادہ لوحی پہ مری کیجئے یہ نظم حمل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن

ایک ہے دونوں ھیں کیا ماضي و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ھے آٹھ پہر دل میرا

گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بے کل

نہ تو روز نہ مجھے اس سے خورش کا آرام

نہ مری چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل

راست کیشوں سے کبھي اتنی بھے اس ملعوں کو

کہ دیا سرد کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل

کرکے دریافت اس احوال کو اب یا مولا

تجھ سے یوں عرض کرے ھے یہ ترا عبد عقل

جلد پہنچا بہ زمیں نجف اس عاصي کو

کہ اسے عمر ابد ہو جو واں آئے اجل

میری قسمت کے موافق تو معین کردے

اپنی سرکار سے واں ما تحصل کا بدل

هاتھ پھیلائے جا زیر فلک کس کے حضور

دست همت نظر آتا هے جہاں کا به بغل

لیکن اس امر میں هے حق به طرف خلقت کے

کر کے جب دیدهٔ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوهر جود و کرم تھا جو به روز تقسیم

لکھ گیا هو وے ترے نام سے منشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی تک "سودا" کو

بخش اے قوت بازوئے نبیٔ مرسل

چاهتا هے کرے آخر وہ دعائیه پر

نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز به بستان جہاں

پاوے تا نیر اعظم شرف برج حمل

تا کرے سبزہ به رخسار گل اندام نمود

تا پڑے سنبل پیچیدهٔ محبوب میں بل

تا رهے داغ دل سوختهٔ عاشق کو

پھولتا لالهٔ خود رو رهے جب تک به جبل

بحر میں قطرهٔ نیسا سے هو جب تک گوهر

کر کے تا وقت تر شح کے' هوا میں بادل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو

تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج هو آب کی تا سرو کے پائیں زنجیر

جب تلک طوق رهے گردن قمری کا محل

تالب جو یہ کرے خیمہ اِستادہ حباب
تا بچھاوے بہ روش سبزۂ فرش مخمل
قدر ہو عود کي تا مجمر و آتش سے فزوں
لطف ہوتا رہے عالم میں بہ چوب صندل
نخل امید سے اپنے ہوں برو مند محب
ہو محبت نہ تري جن کو نہ پاویں وہ پھل

نعت

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغاے مسلمانی
نہ ٹوٹي شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریاني
فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہو وے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کي
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کي پیشاني
عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی
کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتي ہے پہچاني
اکیلا ہوکے وہ دنیا میں چاہے گر بہت جیتا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائي سے هو عاشق کو
بہت رهتا هے نالاں فصل گل میں مرغ بستاني

موقر جان ! ارباب هنر کو بے لباسی میں
که هو جو تیغ با جوهر' اُسے عزت هے عریانی

به رنگ کوه ره خاموش حرف نا سزا سن کر
که تا بد گو صد اے غیب سے کهینچے پشیماني

یه روشن هے به رنگ شمع ربط با دو آتش سے
موافق گر نه هو وے دوست' هے وه دشمن جانی

نہیں غیر از هوا کوئي ترقي بخش آتش کا
نفس جب تک هے داغ دل سے فرصت کیونکه هے پانی

کرے هے دهر زینت ظالموں پر تیره روئي کو
که زیب ترک چشم یار سرمه هے صفا هاني

مطلع دوئم

عجب ناداں هیں جن کو هے عجب تاج سلطانی
فلک بال هما کو پل میں سونپے هے مگس راني

نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
که چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نه حیرانی

زمانے میں نہیں کهلتا هے کار بسته حیراں هوں
گره غنچه کي کهولے هے صبا کیوں کر به آساني

جلوں کے هاتھ سے سر تا قدم کاهیده اتنا هوں
که اعضا دیدهٔ زنجیر کي کرتے هیں مژگاني

نه دیکها جگ میں رسم دوستی اندوه روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رها هے ربط پیشانی

سمجھ بختی میں اے "سودا" نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی
سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہو
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی
خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی
نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی
زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاک قدم سے اُس کی چشم عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی
زباں پر اس کی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی
موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی
پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کی سونپی ہے نگہبانی
ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی
حدیث من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا " نہیں کوئی مرا ثانی "
بس آگے مت چل اے "سودا" میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اس منھ سے اب ایسے کی ثنا خوانی

نعت و منقبت

چہرۂ مہروش ہے ایک، سنبل مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں، ہے سحر ایک، شام دو
فکر معاد اب کریں، یا کہ معاش کی تلاش
زندگی اپنی ایک دم، کیجئے کیونکہ کام دو
پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ
بیٹھ کے ایک دم کہیں، ہوویں جو ہم کلام دو
خرد و بزرگ دہر میں، نسبت جام و شیشہ جان
بادہ تو اُن میں ایک ہے، گوکہ ہوے بہ نام دو
مثل زباں خامہ ہیں، گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوے بہ نام دو
ہونے نہ دے غروب ایک، بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے، قرص مہ تمام دو
ان کے طواف روضہ کو پہنچے کبھی نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام، تا نہ کرے سلام دو
موسی و خضر اور مسیح، درپہ اُنھوں کے وقت طوف
ایک بنے جو چوبدار کرتے ہیں اہتمام دو

سجدہ کریں ہیں مہر و مہ، درپہ انھوں کے روز و شب
برہمن اس سے یوں ہوا داغی ہیں یہ غلام دو

ہوتے حکیم کس سبب؟ معتقد قیام دھر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو

وصف براق و دلدل اب، کہئے تو میں بیاں کروں
شرق سے تا بہ غرب تک جن کے تئیں ہیں گام دو

مرضی حق نہیں ہے یہ دو ہوں ہوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ہیں خوش خرام دو

برش انھوں کی تیغ کی، مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامے کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے باپ کو
احولوں کی طرح اسے، آوے نظر تمام دو

''سودا'' اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے ان کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو

چاہے تھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہویں علی نبی سے یوں، اس کا صلہ تمام دو

یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصہ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو

مدح امام حسن عسکری علیہ‌السلام

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے

مان اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی' کیا ترقی کر سکے

چاہیے دریا ہو' یہ کب گھر میں ڈھنگ ہے

غش بہم پہنچا نہ محروم تجلی دل کو رکھ -

صیقل اس آئینہ کی' گرد شکست رنگ ہے

اپنے بھی مرھوں ہمت ہوں نہ عالی ہمتاں

کوہ کی شمشیر کو کب احتیاج سنگ ہے

تک پڑے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد

خاکساری کو ہماری' سرکشی سے ننگ ہے

محو حیرت کے تمئیں ہے' دوست اور دشمن سے کیا

آئینہ تصویر کا دور از غبار و زنگ ہے

صبحدم "سودا" چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر

ان دنوں شاید وہ کچھ شور جنوں سے تنگ ہے

پائے گلبن' بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا

اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

شمع کا مہرے صدائے خندۂ گل تنگ ہے

تک پڑے جا بول بلبل گو تو ہیر آہنگ ہے

ہوسکیں نازک دلاں کب روکش صرف درشت

عکس بال طوطی اپنے آئینہ پر سنگ ہے

یاں سموم عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ

شعلۂ آتش مرے کانٹے یہ گل کا رنگ ہے

گرد ہوں میں تو نہیں خاطر نشیني کا دماغ
آئینہ ہوں تو صفائي مهري، مجهہ پر زنگ هے

تک پرے گلشن سے میرے شور کر ابر بہار
یاں صداے رعد آواز شکست سنگ هے

ناز پروردہ جو استغنا کے هیں ان کے تئیں
یک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ هے

دیکھنا راہ اجل ان کو تماشا رقص کا
درد دل سننا کسي کا ان کو عود و چنگ هے

غم کسي دل سوختہ پر ان کو کھانا هے کباب
نت انھیں خون جگر پینا مے گل رنگ هے

خاک در ایک ایسے کے هیں، وہ زري مسند هے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھویں تو ان کا ننگ هے

قبلۂ دنیا و دیں یعنے امام عسکري
جس کی میزان عدالت اتنی بے پا سنگ هے

ایک پلے میں هو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے هم سنگ هے

پشت خار آهوے صحرا هے پانچہ شیر کا
باز کا، چڑیا کي خاطر، آشیانہ چنگ هے

نهي سے تجھ امر کے اب یا امام المتقیں
بس کہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ هے

چشم خوباں میں شراب آتي هے لینے کو پناہ
گل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ هے

میں گداؤں کي ترے در کے کہوں همت سو کیا
اس کي یہ هے گفتگو جو ان میں لنج و لنگ هے

کہہ سلیماں سے' نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو

پہنچ ارباب ہمم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ فگن

کچھ سوا گل اشرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

منھ پہ تیغ برق دم' انساس پی کر کے ترے

یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن

خود و قاش زیں دو حصہ تا بہ حد دنگ

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کیے

بلکہ یہ تعریف تو اس کی برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماهی تلک

امتحاں گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے ہیں تعلیم واں ہر روز آکر گرد باد

جس جگہہ سر گرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ

عارض خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے

بگڑا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت

نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا رنگ ہے

کر قصیدے کے تئیں "سودا" دعائیہ پہ ختم

قافیے کی وسعت اب آگے نہایت تنگ ہے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا

ہو نہ جب تک گلشن دنیا میں آب و رنگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم

پر شرر جس وقت تک دامان کوہ وسنگ ہے

شہر آشوب

کہا یہ آج میں "سودا" سے کیوں تو ڈالواں ڈول
پھرے ھے، جا کہیں نوکر ھو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ھے یہ ٹھٹھول
بتا کے نوکری بکتی ھے ڈھیر یوں یا تول

سپاھی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ھوئی ھے بند
کیا ھے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ھے بائیس صوبے کا خاوند
رھی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

بس اُن کا ملک میں کار نسق جو یوں ھو تباہ
کہ کوہ زر ھو زراعت میں تو نہ دیں پرکاہ
جگھہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندہ کے غول

رھی فقط عربی باجے پر انھوں کی شان
جو چاھیں اس کو نہ بجوادیں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ھے تخفیف خرچ پر ھر آن
رھے گا حال یہی ملک کا اگر تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے

پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائي سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الوال
نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاري
سپاهی تا متصدی سبھوں کو بے کاري
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کرکے پنساري
کسی کو آنولہ دے باندھ، کر کسی کو کٹول
یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈیلتے انھوں نے ھو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول
سخن جو شہر کي ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کي آواز
کوئي جو شام کو مسجد میں جاے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول
کسي کے یہاں نہ رہا آسیا سے تابہ اُ جاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ، نہ تیمار، نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کی کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہوکے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہردم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو ...... ہے بار بار
نہ استخواں، نہ گوشت، نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے ز بس کہ ہے مجروح بے شمار
القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کئے وہ اسپ نا بکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انہوں نے کہ اے مہر بان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
مانند میخچوں کے لکد زن ہے تھان پر
لا جذب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیابان کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا منگا کے تیغ بناوے کبھو لوہار
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانوں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، ہے وقت کار
ناچار ہوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جاکے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ سے باگ
تکا تک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار

آگے سے تو بڑا اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکہ کو دیکھ ھوے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ھو وے یہ رواں
یا بادبان باندھ پوں کے دو اختیار
نا چار الغرض میں ھوا مستعد بہ جنگ
اتنے میں مرھٹا بھي ھوا مجھ سے آ دو چار
گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ھي ھے شکل
لے جوتیوں کو ھاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ھوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار
گھوڑے مرے کي شکل یہ ھے تم نے جو سنی
اِس پر بھی دل میں آے تو اب ھو جیے سوار

راجہ نرپت سنگھ کا ہاتھی

بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح ہر استخواں ہے
گویا ہر پسلی اُس کی نردباں ہے
نہ بھڑی ہے نہ کٹ بلندھن نہ لکڑا
رکھے ہے ناتوانی اُس کو جکڑا
ضعیفی نے کی اس کی فربہی گم
گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
ہوئی ہے ناتوانی اُس کے درپے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کی سی گرہ ہے
سمجھنا فیل اُسے دیوانہ پن ہے
کسی مدت کا یہ بام کہن ہے
ستون اس کے تلے یہ پاؤں ہیں چار
رہے دو دانت آگے سو ہیں اڑوار
جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اِس سے ہے دور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج و مزدور
اتم ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں ہیں اِس کو ہاتھی' ہے یہ اندھیر
ہلانا یوں ہے یہ کانوں کو ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
ہے اتنا چلنے میں بجریہ بد ذات
نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ عالم چلنے میں خرطوم کا ہے
کہ وصف کور میں گویا عصا ہے
جو کہیے فیل اُسے بہتان ہے یہ
عجائب تودۂ طوفان ہے یہ

ایک کنجوس امیر کا باورچی خانہ

پھر ان کا گراوے وقت طعام
جائے لقمے کے کھائے وہ دشنام

یونہیں اُٹھ جائیں اس کو دے بتّا
ماریں نہیں چھوتے ہاتھ سے کُتا

کام بھوکے کا ان کے مطبخ سے
نہیں ممکن کہ اس سوا نکلے

کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھو وے
گرمیوں بیچ پیٹ بھر سو وے

بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے

ان کے مطبخ سے دود اُٹھے جو اگر
سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر

لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں
کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں

ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کاٹ
کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ

ان کے باورچی خانے کا احوال
چھولھے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال

ڈالیں ہیں سر پہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے

سیلے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منھ سر پوش

روز باورچي يوں کرين نے ياد
کبھي تو کچھ کرو ہمیں ارشاد
کیا ترے بعد کر کے کھاریں گے
کسب جب اپنا بھول جاریں گے
کي زمانے نے لاکھ ھي تدبیر
نہ ملا دیگچے سے یاں دسگیر
کرے سو عید گنبد گرداں
نہ تلے اِن کے گھر سے پر رمضاں
الغرض مطبخ اِس گھرانے کا
رشک ھے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور
اِن کي نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

ایک ندیدہ پیٹو

ھے عجیب و غریب زیر سما
اک یہاں صورت آشنا میرا
کھیئے اس کے تئیں قسم کھا کر
امت دانیال پیغمبر
شاہ قانع اگر ولي ھو فقیر
اس کو مانے کبھی نہ یہ بے پیر
دھر نے یہ بڑی حماقت کي
اپنے گھر اس کي لا ضیافت کي

لاکر ایسا هي ایک دستر خواں
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں
شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اس پہ تنها اسی کو بٹھلایا
اس پہ نعمات حق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے
اِس میں کچھ اُس سے هوگئي آن بن
اس کو اُٹھوا دیا پکڑ گردن
هاتھ بھي یہ نہ دالنے پایا
چاٹتا هونٹ اپنے گھر آیا
ککڑی چلنے پر هے اب گزران
معدہ اس کا هے مرغ کا سنگدان
سنگ ریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے نو پہاڑ پچے
آدہ سیر آٹے کا خدا هے کفیل
پیٹ اس کا عسر کی هے زنبیل
گھر میں اب جس کے دیگچھ کھڑ کے
دربہ اُس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اٹھ کر آے
میت اس کی اٹھاے یا نہ اٹھاے
خوردنی کي هو جس زمیں پر باس
جمع واں کر کے اپنے هوش و حواس
بیٹھے مکھي کي طرح پے در پے
دونوں هاتھوں سے سر کو پیٹتے هے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود

ایک ذرہ بھی گر ترے ھے نمود

لوگ تو دوڑیں ھیں بجھانے کو

دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو

ھر کسی بنیے کی دکان پہ جا

اپنی باتوں میں اس کو لے ھے لگا

کام ھر وجہہ اپنا کر لیوے

کلے بندر کی طرح بھر لیوے

تو زکھاتا ھے جاکے پا خانے

یہ بواہیر اپنی کے دانے

اس لیے ھجو خلق کرتا ھے

گالیاں کھانے تک بھی مرتا ھے

نان بائی محلہ یوں فریاد

کرے ھے یارو دیکھو یہ بیداد

چاٹے ھے چوری سے رفیدے کو

مار ڈالوں گا اس ندیدے کو

جو اسے میہماں بلاوے ھے

آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ھے

بیٹھتے ھی نکالے ھے یہ ذکر

پیٹ کی میرے کچھ تمھیں ھے فکر

بھوک کچھ کم ھے اِن دنوں میری

روٹیاں سو پچاس اور سیری

نان با کو کہو یہ بلوا کر

جلد اِن کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پک نہ چکیں سارے
ان ھی کو لاکے میرے سر مارے
جب تلک کھانا آوے ھی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح توٹے
جیسے کوئي کسی کا گھر لوٹے
جاوے بازار کو اگر وہ لیئم
خلق سمجھے کہ پہنچي فوج غنیم
نان با ' بلھے ' کلنجرے ' حلوائی
کہیں ' آفت کدھر سے یہ آئی
جو ھے دوکان میں سو اِس کو بیچے
جان یارب ھماری اِس سے بچے
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ھے
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ھے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
توشے کی روٹي کو بھي کھاوے گا

خواجہ میر درد

خواجہ میر نام، صحیح النسب حسینی سید ہیں، آبائی سلسلہ حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ غوث اعظم تک پہونچتا ہے، والد کا نام خواجہ ناصر اور تخلص "عندلیب" تھا پرانی دہلی میں سکونت تھی -

خواجہ ناصر کے والد فارغ التحصیل ہوکر بخارا سے ہندوستان آے، عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا خواجہ میر "درد" سنہ ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوے، اپنے والد سے درسیات پڑھیں، ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور پر تحصیل علم نہیں کیا تھا بلکہ کمال اور تبحر حاصل تھا - ان کا خاندان ایک مشہور صوفی خاندان تھا - سوز و گداز تصوف کے ساتھ شاعری بھی ان کو ارث میں ملی تھی -

میر "درد" ابتدائے جوانی میں ۲۸ برس کی عمر تک اسباب دنیا کی فراہمی کی طرف متوجہ رہے اور اس راہ کے کانٹوں سے ان کا پاے طلب فگار بھی ہوا، لیکن ۲۹ سال کی عمر میں وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر گوشۂ توکل میں بیٹھ گئے - خواجہ ناصر کی وفات کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور آستانۂ توکل و بے نیازی مرکر چھوڑا، دہلی میں انقلاب سلطنت کا طوفان شرافت کے بڑے بڑے ستونوں کو بہا لے گیا، وطن پرست، غریب الدیار ہو گئے، لیکن خواجہ صاحب کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی، یہاں تک

کہ حملۂ نادری کا بادل امنڈ امنڈ کر برسا اور برس کر کھل گیا لیکن ان کے استقلال کا دامن تر نہ ہوا -

" میر درد " کو موسیقی میں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور اور معروف استاد گویے آپ سے استفادہ کرتے تھے' ان کی غزلیات میں جو ترنم ہے وہ ان کے اِسی کمال کا نتیجہ ہے - ان کے یہاں ہر مہینے کی بارھویں اور چوبیسویں تاریخوں میں مجلس سماع منعقد ہوتی تھی جس میں گانے والے بے بلائے آتے اور اپنی خوشی چلے جاتے تھے' میر ''درد'' کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا - میر تقی '' میر '' سا نازک دماغ شاعر اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتا ہے میر '' حسن '' نے اپنے تذکرے میں میر '' درد '' کی شاعری کی انتہائی تعریف کی ہے اور ان کی پیروی کا صاف طور پر اعتراف کیا ہے - '' سودا '' کا سا باکمال شاعر '' درد '' کی غزل کے جواب میں غزل کہنا بے ادبی سمجھتا ہے اور کہتا ہے :—

'' سودا '' بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ

اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

اس کمال شاعری کے باوجود کہتے ہیں کہ ''شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی اپنا پیشہ بنائے اور اس پر ناز کرے'' نالۂ درد میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں :—

فقیر کے اشعار با وجود رتبۂ شعری کے پیشۂ شاعری اور نتیجۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں - فقیر نے شعر کبھی آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ اس میں مستغرق ہوا - کبھی کسی کی مدح نہیں کی ' نہ ہجو لکھی ' اور فرمایش سے شعر نہیں کہا -

خواجہ صاحب میں استغنا اور دنیا سے بے پروائی جو لازمۂ تصوف ہے بدرجہ اتم موجود تھی' اس کے ساتھ حد درجہ مہذب اور متین تھے -

خواجہ صاحب کے شاگردوں میں قیام الدین "قائم" ہدایت اللہ خاں "ہدایت" ثناءاللہ خاں "فراق" غلام قادر "سامی" کا نام لیا جاتا ہے - اِن میں قائم کا درجہ بہت بلند ہے -

آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے :—

"خواجہ میر "درد" کی غزل سات شعر نو شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے' خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں" اردو تغزل کے جام میں تصوف کے ساتھ ترنم کی مستی بھرنے والے سب سے پہلے خواجہ صاحب ہیں' وہ پہلے شاعر ہیں جن کے فیض توجہ نے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسن و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا ہے' خواجہ صاحب کی قدرت' دیکھئے انہوں نے جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے اس طرح کہ اس کو اپنی جگہ سے نکال دیجئے تو پورے شعر میں کمی محسوس ہونے لگے -

خواجہ صاحب کے مختصر دیوان کی منتخب غزلوں میں اخلاق' تصوف' کیفیات قلبی - واردات حسن و عشق سبھی کچھ موجود ہے -

خواجہ صاحب نے تغزل کی بنیاد "عشق حلال" پر رکھی ہے امرد پرستی' بوالہوسی سے اس کے دامن کو داغدار نہیں کیا ہے - اُن کی غزل کا عام موضوع عشق حقیقی ہے لیکن جب کبھی عشق مجازی بیان کرتے ہیں تو بھی عشق کا نہایت بلند معیار پیش نظر رکھتے ہیں - خود فرماتے ہیں " بوالہوسی عشق مجازی نہیں اور اس مجاز

کو حقیقت کي راہ نہیں کہہ سکتے ' پیر کي محبت وہ عشق مجازي ہے جو مطلوب حقیقي تک پہونچا دیتي ہے ''

ان کی تصانیف اسرارالصلوٰۃ - واردات درد (اس میں ایک سو گیار رسالے ہیں) نالۂ درد ' آہ سرد ' درد دل - سوز دل - شمع محفل علم‌الکتاب - دیوان فارسي - دیوان اردو - کے دیکھنے سے ان کے فضل کمال بلکہ علمي تبحر کا پتا چلتا ہے -

غزلوں کے علاوہ میر '' درد '' کی رباعیاں بھي اردو شاعري میر خاص مرتبہ رکھتی ہیں - انھوں نے اپنی رباعیوں میں بھی صوفیانہ عاشقانہ اور اخلاقي مضامین نہایت پر اثر انداز میں بیان کیے ہیں -

شیریں اور فصاحت میر '' درد '' کی زبان کے خاص جوہر ہیں اُن کا کلام نامانوس تراکیب - ثقیل الفاظ ' لفظي و معنوي تعقیدات بعیدالفہم استعارات اور دور از قیاس تشبیہات سے تقریباً بالکل پاک ہے - خواجہ صاحب نے ۹۱ سال کی عمر میں ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی - ایک مرید نے تاریخ کہي

چھٹ دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

مزار ترکمان دروازہ دہلی میں ہے -

انتخاب

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانند حباب آنکھ تو اے "درد" کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ ہو سکی تو، قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت، دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور تیرا
اے "درد" منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرت موہوم، آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

میں اپنا درد دل چاہا، کہوں، جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں، بھر کے نظر دیکھنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے "درد" کیا ہے کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو، اودھر نماز کرنا

ساقی مرے بھی دل کی طرف، ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں، یہ جام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے، پر اے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سر انجام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

شیخ کعبے ہوکے پہونچا، ہم کنشت دل میں ہو
"درد" منزل ایک تھی، کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری' دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض' امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

شدت مہر بتاں' دل سے آہ
" درد " کس طرح سے کم کیجے گا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

قتل عاشق' کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب آج تو میخانوں میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
" درد " کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ تک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
دل بھی اے "درد" قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا
دشت عدم میں جاکے نکالوں گا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل، میں نہ روسکا
جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو "درد" داغ جگر کو نہ دھوسکا

کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہوگیا
بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ہم نے ہی اس جہاں سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تونے کیا خراب

اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

ہرچند کئے ہزار نالے

پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو اے " درد "

تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک ' دل متوطن ہے سفر کا

معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا

بس ہجوم یاس ! جي گھبرا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری

جي میں یہ کس کا تصور آ گیا

پھرتي ہے میري خاک صبا در بدر لئے

اے چشم اشک بار ! یہ کیا تجھ کو ہوگیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا

برابر ہے ' دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو ' آہ یگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب' کوئی پردا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی " درد " ہل گیا تھا

" درد " ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے ؟

تمنا مرخص ' ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہوگیا اور مرے دل میں کیا تھا
تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کردیا تھا

تو ہو وے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان' تو میں خار ہوں تیرا

یوں وعدے تو دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہوگی تو جس آن ملے گا

مرے دل کو جو تو ہردم، بھلا اتنا تڑولے ہے
تصور کے سوا ترے بتا تو اس میں کیا نکلا

تیرے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
دل آوارہ اُلجھے یاں، کسوکی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں سے، اسے میں دیکھوں ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

حال یہ کچھ ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں، لوں نام شکیبائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و مے خانا
مثال زندگی بھر لے! اب اپنا آپ پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے، جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے، کوئی سمجھے ہے بت خانا

کچھ کشش نے تری، اثر نہ کیا　　تجھ کو اے انتظار! دیکھ لیا

مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ناصح میں دین و دل کے تئیں، اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ہم نے چاہا بھی تو اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

موت ہے آسائش افتاد گاں
چشم نقش پا کو مت جانا ہے خواب

جائیے کس واسطے اے "درد" مے‌خانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا، وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے اُن کے، ہر پیرہن کے بیچ

''درد'' جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ

چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

— —

میں کس طرح بتوں کے سر سامنے جھکا دوں

دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے اسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں

گل‌چیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

—

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رہوں

دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر

کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی

کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

—

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں

ٹک تو ہی اے جبیں! عرق انفعال کر

حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستم‌گر کے ہاتھ میں

آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر

اے ''درد'' کر تک آئینہ دل کو صاف تو

پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر

—

اور تو چھوٹ گئے مرکے بھی اے کنج قفس

ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن

دل میں پھرتی ہے مرے ''درد'' وہ رفتار ہنوز

کعبے میں '' درد '' آپ کو لایا ہوں کھینچ کر

دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا

نہ کر اے '' درد '' بار بار افسوس

جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں

گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے '' درد '' پرورش

ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

پیغام پاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک

ہوں نیم جان، سو بھی ترے انتظار تک

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو

پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

سب خون دل، ٹپک ہی گیا بوند بوند کر

اے ''درد'' بس! کہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

پانی پر نقش کب ہے ایسا جیسے نا پائدار ہیں ہم
ساقی! کیدھر ہے کشتی مے؟ اب کے کیچڑ میں پار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر اس میں بے اختیار ہیں ہم

جوں نور نظر ترا تصور تھا پیش نظر، جدھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے معلوم نہیں کدھر گئے ہم
جس طرح ہوا، اسی طرح سے پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک، سو گئے ہم
ہستی نے تو تک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ، سو گئے ہم

ہے کس کی جوں شعلۂ ظالم! آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو، یاں گزر جاتے ہیں ہم

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہے کیا؟ جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں ، نہ شرر ہم ، نہ شعلہ ، نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

کھینچے ہے دور آپ کو ، میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ادراک دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تا حال کہ اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ، ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما " درد "
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہردم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں
یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جا کہ نہ دیجیو یار جی میں

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں
اے "درد" مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنے قدم کو ہی نہیں

نا خانۂ خدا ہے، نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور "درد" مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا، ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع، گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
ہرچند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منھ پھیر لے وہ، جس کے مجھے رو برو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نیں   کیا کیا اے میری وفا تو نیں

تیرا ھی حسن جگ میں ھر چند موج زن ھے

تس پر بھی تشنہ کام دیدار ھیں تو ھم ھیں

جمع میں افراد عالم ایک ھیں

گل کے سب اوراق برھم ایک ھیں

متفق آپس میں ھیں اھل شہود

"درد" آنکھیں دیکھ باھم ایک ھیں

ھمارے اتنی ھی تقصیر ھے کہ اے زاھد

جو کچھ ھے دل میں ترے، ھم وہ فاش کرتے ھیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز

لوگ جاتے ھیں چلے سو یہ کدھر جاتے ھیں

تا قیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے

"درد" ھم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ھیں

دونوں عالم سے کچھ پرے ھے نظر

آہ کس کا دل و دماغ ھوں میں

میں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

دامنِ دشت ہے پر، لالہ و گل سے یارب
خونِ عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن
عالمِ آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہے
تو بھی دامن نہ کیا "درد" نے تر پانی میں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر رہے ہے یہاں نہیں
مرے دل کے شیشے کو بے وفا تونے ٹکڑے ٹکڑے جو کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا، یہ دکان شیشہ گراں نہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

نزع میں تو ہوں ولے ترا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
عشوہ و نازو کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
"درد" مرتا ہے، کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن، ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
"درد" یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

زندگی جس سے عبارت ہے، سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لئے کہہ دے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہئے سودائی، تو سودا بھی نہیں

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

یہ رات شمع سے کہتا تھا " درد " پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

سیر کر دنیا کی غافل ! زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے ' سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہردم بتوں کی صورت رکھنا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

نہیں ہم کو تمنا یہ فلک ہو' تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

افسوس اهل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناہی ہوں   مورد رحمت الہی ہوں

مانع نہیں ہم ، وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو
خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں ، اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی عذر خواہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے، کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگہہ دیکھوں، کسي کے راز پنہاں کو

نکیلے کے سوا کوئي بھی ایسا کام کرتا ھے
کہ ھو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاھي ھو
نہیں شکوہ مجھے کچھہ بے وفائي کا تري ھرگز
گلہ تب ھو، اگر تونے کسي سے بھی نباھی ھو

اپنے بندہ پہ جو کچھہ چاھو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں اِنتظار کو
ویسا ھي اب تلک ھے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے ھے تو میرے غبار کو

سر رشتہ نگاہ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منھہ اس کا نہ موڑیو
جاوے در قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو! پر اس کو نہ چھوڑیو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ ' خاطر ہوں تو رنجیدہ

جب چاہئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھل گئے
ہوتا ہے آز بیان پہ ' میرا سخن گرہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا ! بال . پر پروانہ
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے ''درد'' میں کس سے خبر پروانہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجئے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

خلوت دل نے کر دیا، اپنے حواس میں خلل

حسن بلاے چشم ہے، نغمہ و بال گوش ہے

ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اتھائیے

بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی و بال دوش ہے

نالۂ و آہ کیجئے خون جگر ہے پیجئے

عہد شباب، کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے

محنت و رنج غم سے یاں "درد" نہ جی چھپائیے

بار سبھی اُتھائیے جب تئیں سر ہے، دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے سو گیا تھا جگا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے

لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

عالم سے اختیار کی، ہر چند صلح کل

پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

ہوں کشتہ تغافل ہستی پے ثبات

خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلادئے

چاہو وفا کرو، نہ کرو اختیار ہے

خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اتھا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام

اے "درد" کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ھي کو لے جائے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے
لوٹے ھے تري گلبج شہیداں کو غریبي
جي دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھي ھو وے تو ٹل سکے
مشکل ھے جي میں بیٹھے سو جي سے نکل سکے
نشو و نما کي کس کو امید اے بہار یاں
میں خشک شاخ ھوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

ارض و سما کہاں تري وسعت کو پا سکے
میرا ھی دل ھے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیري حرف دوئي کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے
میں وہ فتادہ ھوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کي طرح نہ کوئی اٹھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
اخفائے راز عشق نہ ھو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائي پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی
جفا و جور اتھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اتھانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل ' سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
زنہار ادھر کھو لیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے " درد "
ہردم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

آگو جو بلا آئی تھی سو دل پہ تلی تھی
اب کی تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
تو ہے اور سیر باغ ہے ہروقت داغ ہیں اور میری چھاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

"درد" تو جو کرے ہے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
تیری گلی ہے یا کوئی آرام گاہ ہے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے
وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے "درد" یاں سے کہ سب یار سو گئے

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا! ہم رہے
رک نہیں سکتی ہے یاں کی واردات
کب یہ ہو سکتا ہے دریا تھم رہے
رکھ "نفخت فیه من روحی" کو یاد
جب تلک اے "درد" دم میں دم رہے

ہر آن ہے واردات دل پر — آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
بسا ہے کون ترے دل میں گل بدن اے "درد"
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جي کی جی هي میں رهي' بات نہ هونے پائي
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
اٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
هم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی

مست عبادت پہ پھولیو زاهد
سب طفیل گناہ آدم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے تو تو
تري خاطر همیں مقدم ہے

مجھ سے هر چند تو مکدر ہے
تجھ سے پر اور هي صفا ہے مجھے
" درد " تیرے بھلے کو کہتا ہوں
یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے اور بھي ہو خراب کیا ہے مجھے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی ' اب سے نہ ملئے
وہ بھی تو نہیں بنتي ہے ' کیا کیجئے اُس سے

واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے
یعني کہ آ گئے ہیں بھکے ہوے عدم سے
گر چاہئے تو ملئے اور چاہئے نہ ملئے
سب تم سے ہو سکے ہے ممکن نہیں تو ہم سے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے
تمنا ہے تیري اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئي آنکھ میں ہوں نہ تو ہے
نظر میرے دل کی پڑی " درد " کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وھي رو برو ہے

رو ندے ہے نقش پا کي طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے' باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کہے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑ نے کی نہیں یہ زباں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
"درد" اب ہنستے ہیں رونے پر مرے' سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

کبھو ہي جي میں نہ گذرا خیال سر تابي
بہ‌رنگ سایہ بنایا ہے خاکسار مجھے
اس امر میں بھی یہ بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے "درد" اگر یاں پہ اختیار مجھے

دیکھئے جس کو یاں اُسے، اور ہي کچھ دماغ ہے
کرمک شب چراغ بھي گوہر شب چراغ ہے
غیر سے کیا معاملہ؟ آپ ہیں اپنے دام میں
قید خودي نہ ہو اگر، پھر تو عجب فراغ ہے
حال کبھو تو پوچھئے میں جو کہوں، سو کیا کہوں
دل ہے، سو ریش ریش ہے، سینہ، سو داغ داغ
پائے کس روش بتا! اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہے
"درد" وہ گل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ہے

پہلو میں دل تپاں نہیں ہے — ہرچند کہ یاں ہے، یاں نہیں ہے
عالم ہو قدیم، خواہ حادث — جس دم نہیں ہم، جہاں نہیں ہے
ڈھونڈھے ہے تجھے تمام عالم — ہر چند کہ تو نہیں ہے
عنقا کي طرح میں کیا بتاؤں — جز نام مرا نشاں نہیں ہے

فریاد کہ "درد" جب تلک میں تیار ہوں ، کارواں نہیں ہے

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کي خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے
اگر بے حجابانہ وہ بت ملے
غرض پرا تو اللہ ہي اللہ ہے
کئے نالۂ و آہ سب ہم نفس
دم سرد ہی اک ہوا خواہ ہے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
یہ محبت نہیں ہے آفت ہے
آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
"درد" یہ بھي خدا کی قدرت ہے

تہمت چلد اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب، ہم تو اپنے گھر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر اور "درد" ہے یعنی بات میں اور جان پڑتی

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منھ اپنا دکھاے

ہوا جو کچھ کہ ہونا کہوں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتي ہے

ترچھي نظروں سے دیکھنا هردم یہ بھی اک بانکپن کا بانا ھے

بت‌پرستي تو یہاں دل کی گرفتاری ھے "درد"

چاھنے جس کو لگے، اس کو صنم کہنے لگے

منظور زندگي سے، تیرا هي دیکھنا ھے

ملتا نہیں جو تو ھے، پھر کیا ھے زندگانی

ایک دم میں تو جي هی جانا ھے

زیست اب کوئي آن ھے پیارے

تري گلی میں، میں نہ چلوں اور صبا چلے

یوں هي خدا جو چاھے تو بندے کی کیا چلے

کہہ بیٹھیو نہ " درد " کہ اهل وفا هوں میں

اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ھے اتني گھٹتی ھے

زندگی آپ هی آپ کٹتی ھے

آج هي آہ کي هوا کچھہ اور

دیکھئے کس طرف پلٹتي ھے

اس خانماں خراب کو لےجاؤں میں کہاں

دل پر تو یہ فضائے بیاباں بی تنگ ہے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یار مجلس ہے

خالی ہو جاے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے

" درد " جوں نقش قدم تا سر رہ پر اس کے

مٹ گیا اوروں ہي کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے

ساقي شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط

کہنے کو یہ بھي لوگوں کے اک بات رہ گئی

چشم رحمت سے ادھر کو بھي نظر کیجیے گا

اسي اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھي ہے

دل' بھلا ایسے کو اے "درد" نہ دیجے کیوں کر

ایک تو یار ہے اور تِس پہ طرحدار بھی ہے

اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف

لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

غمناکي بیہودہ رونے کو ڈبوتي ھے
گر اشک بجا تھکے آنسو نہیں' موتی ھے
دم لینے کی فرصت یاں تک دی نہ زمانے نے
ھم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھي ھوتی ھے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ھے

جو ملنا ھے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں ' کہاں تو ' کہاں نوجواني

" درد " اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

آھوں کی کش مکش میں دیکھو کہیں نہ توتے
تار نفس سے اے دل وابستہ میري جاں ھے

غم سے پہچانتا نہیں ھوں میں
کہ مرا سر ھے یا کہ زانو ھے

هرچند کہ سنگ دل ھے شیریں
لیکن فرهاد کوہ کن ھے

مت جا تر و تازگی پہ اُس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

سیماب کشتہ کس کا؟ ماءالحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے، اے "درد" کیمیا ہے

کعبے کو بھی نہ جائیے، دیر کو بھی نہ کیجے منھ
دل میں کسو کے " درد " یاں، ہو وے تو راہ کیجئے

نے وہ بہار واں ہے، نہ یاں ہم جواں رہے
ملئے پھر اس سے آہ یہ وہ دن کہاں رہے
دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے "درد"
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھرئیے، اثر شرط ہے
وگر ضبط کرئیے، جگر شرط ہے
قدم عشق میں "درد" رکھتا ہے تو
وہ جانے کہاں ہیں، خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پا رہاے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

علاج درد سر، صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہي اس کا، درد سر ہے

خبر اپنی لے اے گلستان خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشي

جگر پہ داغ نے میرے، یہ گل‌فشاني کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کي
ہم اتني عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کہ زندگانی کي

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستي مجھے
زمانے نے اے "درد" جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جاے چراغ کوئي دل مہرباں جلے

یہی پیغام "درد" کا کہنا
گر کوئي کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح' اک تار نفس باقی
یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمیں دل میں کوئی خار و خس باقی

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت ' جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا ' کہاں تو ہے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے ؟ اپنی ہی تقدیر ہے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

بت پرستي هے اب نه بت شکني
که همیں تو خدا سے آن بني

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعني که بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینه کب تلک پریشاں نظري
اب موندے' آنکھ بس جہاں کو دیکھا

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے که هو حرص سے دل بر کندا
جنت میں بھي اکل و شرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی هوگا دهندا

اے "درد" بہت کیا پریکھا هم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا هم نے
بینائي نه تھي تو دیکھتے تھے سب کو
جب انکھ کھلي تو کچھ نه دیکھا هم نے

پیري چلي اور گئي جواني اپني
اے "درد" کہاں هے زندگاني اپني

کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

مخمس

باطن سے جلنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کر باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر آئینہ دل کو رو برو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن ہے یہاں نگاہ در کار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار آہستہ گزر میاں کہسار
سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ ہنر ہے

ترکیب بند

شاهنشہ ملک کفر و دیں تو
ہے تخت نشین دل نشیں تو
ہوں لفظ بہ معنی آشنا میں
ہے معنی لفظ آفریں تو
اے زیور دشت غیب ! ہرجا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمئی بزم مہر و کیں تو
ویرانئی وادئی گماں تو
آبادئی خانۂ یقیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدۂ باری
گر روشنی نظر نہیں تو
توہی تو ہے کوئی بے حجابی
ہے پردۂ چشم شرمگیں تو
معشوق ہے تو ہی تو ہے عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق
میں منتظر دم صبا ہوں
جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں

اک عمر گزر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں

تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں

بے گانہ جو مجھ سے واں پھرے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
گر توے، خدا بھی میں توکیا ہوں

ابتر تو نہ کھوئی تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں

بے دل تو نہ کر مجھے، سمجھ ٹک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہئی طبع نارسا ہوں

پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ یہ جائے عبرت

میر حسن

میر غلام حسن نام ، میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دہلی میں پیدا ہوئے ، بارہ برس کی عمر میں فیض آباد گئے کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ چلے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی -

مذاق شعر و سخن ان کے ضمیر میں تھا - ابتدا میں میر "ضیا" سے اصلاح لی مگر بعد کو ان کا طرز چھوڑ کر " میر " " سودا " اور " درد " کی پیروی کرنے لگے - اُن کی غزلوں میں ان استادوں کی تقلید کا اثر نمایاں ہے - میر حسن غزل گوئی میں بھی بلند پایہ رکھتے ہیں مگر جس چیز نے ان کو غیر فانی شہرت عطا کی ہے وہ ان کی مثنوی کی نظیر پیش نہیں کر سکتی - مناظر کی تصویر کشی جذبات کی ترجمانی - زبان کی شیرینی - بیان کا تسلسل یہ تمام اوصاف اس مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ہیں - ان کے علاوہ یہ مثنوی اس زمانے کا تمدن کا صحیح نقشہ پیش کرتی ہے - ان خصوصیات نے اس مثنوی کو آسمان شاعری کا آفتاب بنا دیا ہے - میر حسن نے اور بھی چھوٹی بڑی کئی مثنویاں لکھی ہیں مگر " سحرالبیان " سے اُن کو کوئی نسبت نہیں - غزل اور مثنوی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں بھی میر حسن نے طبع آزمائی کی مگر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا -

میر حسن نے محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی " مصحفی " نے " شاعر شیریں زبان " - مادہ تاریخ نکالا -

اِنتخاب

توہي تو مری جان و دل و جسم ہے ورنہ
کیسا یہ دل اور کیسا یہ جي اور میں کہاں کا
بیگانہ ہے یاں کون اور اپنا ہے یہاں کون
ہے سب یہ بکھیڑا مرے هي وهم و گماں کا
مرضی هو جہاں اُس کی وهی جا ' هہیں بہتر
مشتاق دل اپنا نہیں کچھ باغ جناں کا

یارب میں کہاں رکھتا ترا داغ محبت
پہلو میں اگر دل زار نہ تھا
دنیا میں تو دیکھا نہ سواے غم و اندوہ
میں کاش کے اس بزم میں هشیار نہ هوتا

چھوتا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا
سامان لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے
کیا جانئے ارادہ دل نے کیا کہاں کا

آنا ہے گر تو آجا جلدی ، وگرنہ یہ دل
یونہیں تڑپ تڑپ کر کوئی دم میں مر رہے گا

عشق کب تک آگ سینہ میں میرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا ، کیا خاک اب سلگائے گا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

آثر ہوئے نہ ہوئے پر بلا سے جی تو بہلے گا
نکالا شغل تنہائی میں ، میں ناچار رونے کا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا ، نہ گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھ کو
ترا گنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا

یہ سب اپنے خیال خام تھے تم تھے پرے سب سے
جو کچھ سمجھے تھے ہم تم کو ، یہ سب اپنا تو ہم تھا

اس کو امید نہیں ھے کبھي پھر بسنے کی
اور ویرانوں سے اس دل کا ھے ویرانہ جدا
گوشۂ چشم میں بھی مردم بدبیں ھیں "حسن"
واسطے اس کے بنا دل میں نہاں خانہ جدا

معشوق کی الفت سے مت جان "حسن" خالی
لبریز محبت ھے یہ جام مرے دل کا

جو کہ هستي کو نیستی سمجھا اس کو سب طرف سے فراغ رھا
سیر گلشن کریں هم اس بن کیا اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رھا

دل خدا جانے کس کے پاس رھا
ان دنوں جي بہت اداس رھا

نہ ھوں غیر گر ساتھ تو آئیے
سر آنکھوں پہ میرے قدم آپ کا
دل و جاں جو ھیں یہ سو اپنے نہیں
سمجھتے ھیں ان کو تو' هم آپ کا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا
سراپا محبت کا گھر جل گیا

گل شمع کا نخل تھا میں "حسن"

لگا شام یاں اور سحر جل گیا

وہ تاب و تواں کہاں ہے یارب

جو اس دل ناتواں میں تب تھا

تھے محو خیال رات اس سے

باتوں کا ہمیں دماغ کب تھا

کوئی دم کے ہیں مہماں اس چمن میں ایک دم آخر

مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

اپنی طرف سے ہم نے تم سے بہت نباھا

پر آہ کیجئے کیا تم نے ہمیں نہ چاھا

مت بخت خفتہ پر مرے ہنس اے رقیب تو

ہوگا ترے نصیب بھي یہ خواب دیکھنا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ میں تماشا وفا کا دکھلاتا

خار سے پھوٹتے پھپھولے پاؤں کے درد ھي آخر مرا درماں ھوا

فرقت کی شب میں آج کی، پھر کیا جلاویں گے
دل کا دیا تھا ایک، سو کل هي جلا دیا

یہ نہ گل میں نہ باغ میں دیکھا
جو مزا اپنے داغ میں دیکھا
آتش دل کا تیرے هم نے پتنگ
رات شعلہ چراغ میں دیکھا

خالي نہ جائے گا یہ هر شب لہو کا رونا
اک روز دل کے ٹکڑے دامن میں بھر رهوں گا
کوچے سے اپنے مجھ کو مت هر گھڑي تو اٹھوا
میں خود بہ‌خود یہاں سے اک دن گذر رهوں گا

کوچۂ یار هے اور دیر هے اور کعبہ هے
دیکھئے عشق همیں آہ کدھر لاوے گا

میں هي نہ غم کو هستی کا سامان دے چکا
دل هی غریب اپنی اُسے جان دے چکا
وحشت میں سر پٹکنے کو کیا مانگیں اس سے اور
هم کو تو عشق کوہ و بیابان دے چکا

دل ہي کہیں نکلتا ' ہو ٹکڑے ٹکڑے یارب
آنکھوں سے خون میری کب تک بہا کرے گا

یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
کبھی اس طرف بھي کرم تھا کسي کا
دم مرگ تک روتے ہی روتے گذري
ہمیں بھی قیامت الم تھا کسی کا
نہ تھمتی تھیں آہیں' نہ رکتے تھے آنسو
"حسن" تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

دکھاویں گے چالاکي ہاتھوں کی ناصح
جو ثابت جلوں سے گریباں رہے گا
وہ آشفتہ بلبل میں جاتا ہوں یاں سے
کہ جس بن چمن سب پریشاں رہے گا

ایک یہي چراغ دل ' جلتا تھا میرے حال پر
آہ! سحر نے میري آہ اس کو بھی اب بجھا دیا

ہر ایک ہدایت کي نہایت ہے و لیکن
اس عشق کے آغاز کا انجام نہ پایا
کیا شکوہ کریں کنج قفس کا دل مضطر
ہم نے تو چمن میں بھی تک آرام نہ پایا

یہی آتا ہے اپنے دل میں پھر پھر   کہ کیا ہوتا جو اپنا دل نہ ہوتا

آسان تم نہ سمجھو نخوت سے پاک ہونا
اک عمر کھو کے ہم نے سیکھا ہے خاک ہونا

مت پوچھ کہ رحم اس کو مرے حال پہ کب تھا
اب کہنے سے کیا فائدہ جب تھا کبھی تب تھا

اتنا بھی تو بے چین نہ رکھ دل کو مرے تو
آخر یہ وہی دل ہے جو آرام طلب تھا
کعبے کو گیا چھوڑ کے کیوں دل کو تو اے شیخ
ٹک جی میں سمجھتا تو سہی یاں بھی تو رب تھا

رتبہ یہ شہادت کا کہاں اور کہاں میں
واں تک مجھے اس شوخ کی تلوار نے بھیجا
میرا تو نہ تھا جی کہ میں اس رتبہ کو پہونچوں
پر کوچۂ رسوائی میں دلدار نے بھیجا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

ضبط نالے سے جو کچھ مجھ پہ ہوا میں نے سہا
درد سر اور کو دینا تو گوارا نہ کیا

مہر و وفا کا میرے جورو جفا کا اپنے
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

دیکھے سے دور ہی کے دھڑکتا ہے دل مرا
کیا حال ہوگا جب کہ وہ نزدیک آئے گا

گھر سے باہر جو نکلتا ہے تو جلدی سے نکل
ورنہ ڈھونڈنے میں لگاتا ہوں یہیں، مجھ کو کیا

تا مجھ سے وہ پوچھے مری خاموشی کا باعث
مجھ کو یہ تمنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا پوچھے ہے مجھ سے مری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ایک مجلس کے ہیں حسن و عشق اس میں عیب کیا
شمع گر تجھ کو کیا تو ہم کو پروانہ کیا
دیکھتے ہی مے کو ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

طرفہ تر ہے یہ کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں
اپنا اپنا کہہ کے مجھ کو سب سے بیگانہ کیا

جانتا تھا اس کی کھوج میں' میں بے خبر چلا
بارے اُسی نے ٹوک کے پوچھا کدھر چلا
کس میں رکھوں گا اب مئے حسرت کو میں بھلا
شیشہ تو دل کا خون جگر ہي سے بھر چلا
لکھنے کی یاں نہ تاب نہ پڑھنے کا واں دماغ
کہہ دیں گے کچھ زبانی اگر نامہ بر چلا

گر ہیں برے تو تیرے اور ہیں بھلے تو تیرے
نیکی بدي میں اپني شامل ہے نام تیرا

تری آنکھوں کا عاشق ہوں ترے رخ کا ہوں دیوانہ
نہ سودائي ہوں میں گُل کا نہ میں بیمار نرگس کا

بندا بتوں کا کس کے کہے سے ہوا یہ دل
حق کي طرف سے کیا اُسے الہام کچھ ہوا

پڑی ہے دل کی بھی کرني خوشامد ان روزوں
زمانہ اب تو رہا ہے زمانہ سازي کا

قاصد بھي کہتا ھے شب وہ نہیں آنے کا
کاھے کو رھوں گا میں جب وہ نہیں آنے کا

یہ جو کچھہ قیل و قال ھے اپنا
وھم ھے اور خیال ھے اپنا

آشـنـا بے وفـا نہیـں ھـوتا
بے وفـا ' آشنـا نہیـں ھـوتا
گو بھلے سب ھیں اور میں ھوں برا
کیا بھلوں میں برا نہیں ھوتا
دل جدا گر ھوا "حسن" تو کیا
وہ تو دل سے جدا نہیں ھوتا

تیرہ بختی کو اپني کھو نہ سکا
اس سیاھی کا داغ دھو نہ سکا

انکھوں میں بھر کے انسو دیکھوں ھوں میں فلک کو
کرتـا ھے ذکر کوئی جب اپنی صحبتوں کا

صبا کے ھاتھہ سے خط گل‌عذار کا پہنچا
خزاں رسیدوں کو مژدہ بہار کا پہنچا
صبا گلي سے تري گـرد راہ کو لائی
ھماری انکھوں کو سرمہ غبار کا پہنچا

اُٹھا بالوں کو چہرے سے ' دکھادے چاند سا مکھڑا
سر شام آج آتا ہے نظر تنہا مجھے تارا
کوئی دیتا نہیں اس بت کو دل کچھ اپنی خواہش سے
جو یوں مرضی خدا کی ہو تو پھر بندے کا کیا چارا

ہوتے ہی اس کے سامنے' جانا رہے نہ یہ
کچھ اختیار اپنا نہیں اختیار پر

اس گنجفۂ یاں سے ہے کھیل اور ہی کچھ
دیتے ہیں جان ناحق انسان مورتوں پر

ہے دھیان جو اپنا کہیں اے ماہ جبیں اور
جاتا ہے کہیں اور تو جاتا ہوں کہیں اور
جب تو ہی کرے دشمنی ہم سے تو غضب ہے
تیرے تو سوا اپنا کوئی دوست نہیں اور

پا برہنہ ساتھ ناقے کے چلا آتا ہے قیس
اک طرف کردے صبا خار مغیلاں دیکھ کر
دامن صحرا سے اٹھنے کو "حسن" کا جی نہیں
پانوں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

ظاہر میں تو اڑتا ہوں ولے اڑ نہیں سکتا
بے بس ہوں میں چوں طائر تصویر ہوا پر

اب جو چھوٹے بھي ہم قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر
آتش دل پر اب لے دوڑا
دیدۂ اشکبار ہی آخر

حد سے در گزرا ہمارا اِس طرف عجز و نیاز
پر ادھر سے بے نیازي بھي رہي سر گرم ناز
درد کي اب بات تھوڑي سی بھی لگتی ہے بہت
ہو رہا ہے بسکہ اک مدت سے دل اپنا گداز

غم دل کے مرے حال سے کچھ تجھ کو خبر ہے
کس گھر کو لگاتا ہے تو اے بے ادب آتش

جیسے لگی ہو ناوک مژگاں سے اس کي آنکھ
ہر پل میں ہے جگر میں نئي طرح کی خراش
یا دل کو میں ہی بھولوں یا اس کو بھولے دل
ان دونوں باتوں میں سے کہیں ایک ہوے کاش

یہ ثابت پھر نہیں رہتا نظر آتا مجھے ناصح
عبث چاک گریباں کو سیا تونے خدا حافظ

دل میں ٹھہری ہے اب یہی کہ "حسن"
ہم نہ ہوں گے جو ہوگا یار و داغ

شعلہ اٹھے ہے دل سے شب و روز ہم نشیں
جلتی ہے اپنی بزم میں شام و پگاہ شمع

مشتعل یوں ہوا ہے دل کا داغ جس طرح سے بھڑک اٹھے ہے چراغ

ہم بھی تب تک ہیں کہ یاں جلوہ ہے جب تک تیرا
ہستی سایہ بھی سچ پوچھو تو ہے نور تلک

ٹک دیکھ لیں چمن کو، چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جیئں نہ جیئں ہم بہار تک

حیراں میں اپنے حال پہ جوں آئنہ نہیں
عالم کے منہ کو دیکھ کے میں رہ گیا ہوں دنگ

کچھ ہو ٹھہرے تو تجھ کو بتلا دوں
اس دل زار و بے قرار کا رنگ
ہجر کی رات دیکھی ہو جس نے
وہ "حسن" دیکھے زلف یار کا رنگ

رشک صد شمع سوز ہر مو ہے
لگ گیا ہے یہ کس چراغ سے دل

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
آسماں گاہ گہہ زمیں ہیں ہم
ہم نہ تیر شہاب ہیں نہ سموم
نالہ و آہ آتشیں ہیں ہم

شمع ساں شب کے میہماں ہیں ہم
صبح ہوتے تو پھر کہاں ہیں ہم
باغباں تک تو بیٹھنے دے کہیں
آہ گم کردہ آشیاں ہیں ہم
دل سے نالہ نکل نہیں سکتا
یاں تلک غم سے ناتواں ہیں ہم
داغ ہیں کاروان رفتہ کے
نقش پائے گذشتگاں ہیں ہم

اور کچھ تحفہ نہ تھا جو لاتے ہم تیرے نیاز
ایک دو آنسو تھے آنکھوں میں سو بھر لائیں ہم

دم بہ دم اس شوخ کے آزردہ ہوجانے سے آہ
جب نہیں کچھ اپنا بس چلتا تو گھبراتے ہیں ہم

دل خدا جانے کدھر گم ہو گیا اے دوستاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کیا اور نہیں پاتے ہیں ہم

دونوں دیوانے ہیں کیا سمجھیں گے آپس میں عبث
ہم کو سمجھاتا ہے دل اور دل کو سمجھاتے ہیں ہم

بس دل کا غبار دھو چکے ہم　　رونا تھا جو کچھ سو رو چکے ہم
ہونے کی رکھیں توقع اب خاک　　ہونا تھا جو کچھ سو ہو چکے ہم

دل غم سے ترے، لگا گئے ہم　　کس آگ سے گھر جلا گئے ہم
مانند حباب اس جہاں میں　　کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
کھویا گیا اس میں گو دل اپنا　　پر یار تجھے تو پا گئے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ "حسرت" وصل میں اور
لذت ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

نا صحا جا اِس گھڑی مت بول تو
جان سے اپنی خفا بیٹھے ہیں ہم

دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک مرے غم سے
عقدے ترے ہیں بسکہ میرے تار نفس میں

دم بہ دم قطع ہوتی جاتی ھے عمر لیل و نہار کے ھاتھوں
ایک دم بھی ملا نہ ہم کو قرار اس دل بے قرار کے ھاتھوں
اپنی سر گشتگی کبھی نہ گئی گردش روزگار کے ھاتھوں
اک شگوفہ اٹھے ھے روز نیا اس دل داغ دار کے ھاتھوں

عشق کا اب مرتبہ پہونچا مقابل حسن کے
بن گئے بت ہم بھی آخر اس صنم کی یاد میں

حسن میں جب تئیں گرمی نہ ھو جی دیوے کون
شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ھیں

دل اور جگر لہو ھو آنکھوں تلک تو پہونچے
کیا حکم ھے اب آگے نکلیں کہو نہ نکلیں

ہم نہ ھنستے ھیں اور نہ روتے ھیں
عمر حیرت میں اپنی کھوتے ھیں
کوس رحلت ھے جلبش ھردم
آہ تس پر بھی یار سوتے ھیں

بن کہے بنتی نہیں ' کہئے تو سنتا نہیں وہ
حال دل اس سے ہم اظہار کریں یا کریں

داغ فراق دل میں اور درد عشق جی میں
کیا کیا نہ هم نے دیکھا دو دن کی زندگی میں

کیوں جھٹکتا ھے هم سے دامن هائے خاک بھی تو نہیں رہے هم میں

"حسن" رکھیو قدم هرگز نہ صحراے محبت میں
کہ ھے سر سے گذرنا رسم یاں کی راہ منزل میں

وصل ھونے سے بھی کچھ دل کے تئیں سود نہیں
اب جو موجود وہ یاں ھے تو یہ موجود نہیں

صیاد هم کو لے تو گیا لالہ زار میں
پردہ قفس کا پر نہ اٹھایا بہار میں
یہ گرد باد خاک پہ میری نہیں "حسن"
میں ڈھونڈھتا ھوں آپ کو اپنے غبار میں

آپ تو اپنا عرض کر لے حال
دل ! همیں تاب التماس نہیں
یوں خدا چاھے تو ملادے اُسے
وصل کی پر همیں تو آس نہیں

چل دل اس کی گلي میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں
دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جي بھی کھو آویں
کب تلک اُس گلی میں روز "حسن"
صبح کو جاویں شام کو آویں

موئے سپید نے نمک اس میں ملادیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

ذرہ ذرہ میں دیکھ ہیں موجود
وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں
ہم تمہارے ہی بندے ہیں صاحب
آپ ہم سے عبث حجاب میں ہیں

آنکھوں سے ہم تو آویں تمہارے قدم کے پاس
دیکھو جو اک نظر ہمیں تم دوربین میں

ہوں دیر میں، نہ کعبے میں، نہ دل ہی میں اپنے
کیا جانوں تجسس میں تري آہ کدھر ہوں

جي نکلتا هے ادھر اور وہ گذر کرتا نهيں
مرتے هيں هم اور اُسے کوئي خبر کرتا نهيں

هم نہ نکهت هيں نہ گل هيں جو مهکتے جاويں
آگ کي طرح جدهر جاويں دهکتے جاويں
جو کوئی آوے هے نزديک هی بيٹھے هے ترے
هم کهاں تک ترے پهلو سے سرکتے جاويں

اک بار تو نالے کی هو رخصت همیں صياد
پنهاں رکهيں هم کب تئيں فرياد جگر ميں

نہ هم دعا سے اب نہ وفا سے طلب کريں
عشق بتاں ميں صبر خدا سے طلب کريں

دل کو اس شوخ کے کوچه ميں دهرے آتے هيں
شيشه خالی کئے اور اشک بهرے آتے هيں

مزا بےهوشئي الفت کا هشياروں سے مت پوچهو
عزيزاں خواب کی لذت کو بيداروں سے مت پوچهو
يه اپنے حال هي ميں مست هيں ان کو کسی سے کيا
خبر دنيا ومافيها کی مےخواروں سے مت پوچهو

دل صد پارہ میرے کي تو پہلے فکر کر ناصح
رفو کیجو پھر اس کے بعد تو چاک گریباں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کي مرا چھالا ھي پاؤں کا
بہ رنگ کہ ربا کھینچے ھے خود خار مغیلاں کو
نہیں معلوم یہ کس کا ھے اتنا منتظر یارب
کہ میں مندتے نہیں دیکھا "حسن" کی چشم حیراں کو

ناقے سے دور رہ گیا آخر نہ قیس تو
کہتے نہ تھے کے پاؤں سے مت کھینچ خار کو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو کیا غضب کرتے ھو ادھر دیکھو
آپ پر اپنا اختیار نہیں جبر ھے ھم پہ کس قدر دیکھو

گئے وے دن جو آنسوں بھی ان آنکھوں سے نکلتے تھے
بہ جائے اشک اب تو رہ گئي ھے حسرت گریہ

کہیو صبا کہ جس کو تو بتھلا گیا تھا سو
چوں نقش پا پڑا تري دیکھے ھے راہ وہ

مجھ سے اب وہ نہ رھی اس بت عیار کي آنکھ
پھر گئي آہ زمانے کی طرح یار کي آنکھ

دید کی سیر راہ ہے یہ مژہ خار پائے نگاہ ہے یہ مژہ

ہوکر ترے جلوہ کے خریدار ہمیشہ
آ بیٹھے ہیں ہم سر بازار ہمیشہ
نے جام کی خواہش ہے نہ مے کی مجھے ساقی
میں نشۂ ہستی سے ہوں سرشار ہمیشہ
ہرآن میں عالم ہے جدا باغ جہاں کا
اک رنگ پہ رہتے نہیں گلزار ہمیشہ

پھر پھر کے پوچھتے ہو عبث آرزوے دل
تم جانتے تو ہو کہ مرا مدعا ہے وہ
رنگ حنا کی طرح نہ کھو اس کو ہاتھ سے
دل ہے مرا کہ ہاتھ ترے لگ گیا ہے وہ

جب کام دل نہ ہرگز حاصل ہوا کہیں سے
دل کو اٹھا کے بیٹھے ناچار سب طرف سے

اب ہم ہیں اور یار کا روز فراق ہے
جوں توں کی تھی رات تو اے شمع کٹ گئی

مجنوں کو اپنے لیلی کا محمل عزیز ہے
تو دل میں ہے ہمارے، ہمیں دل عزیز ہے

جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے کترا کے کبھي

دل مجھے پھیر کے کہتا ہے ادھر کو چلئے

تھے ابھی تو پاس ھي اپنے قرار و ھوش و صبر

تیرے آتے ھی نہ جانے وہ کدھر کو اتھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کي اپنے دل میں اے " حسن "

ھم نے جوں جوں اس کو کھولا اور یہ محکم ھوئی

دل کا ھمدم علاج مت کر اب زخم مرھم پذیر ھیں اُس کے

رائیگاں یوں اڑا نہ ھم کو فلک

خاک ھیں ھم کسي کے چوکھٹ کے

تک تو اونچی ھو اے صداے جرس

دشت میں کب تلک کوئی بھتکے

توھي جب اپنے در سے دیوے اتھا

پھر کدھر جاکے کوئي سر پتکے

زندگی یہ ' ستم یار وہ ' اور بخت زبوں

کس توقع پہ بھلا دل کو کوئی شاد کرے

تیرا خیال ابرو دل میں اگر نہ ہووے
کعبے کا دیکھنا بھی مد نظر نہ ہووے

منھ اپنا خشک ہے اور چشم تر ہے
ترے غم میں یہ سیر بحر و بر ہے
وہ اب کیوں کر نہ کھینچے آپ کو دور
ہمارے چاہنے کا یہ اثر ہے
ہمیں دیکھو نہ دیکھو تم ' ہمیں تو
تمھارا دیکھنا مد نظر ہے

تیرے دیدار کے لئے یہ دیکھ
جان آنکھوں میں آرھی تو ہے

دشمن تو تھے ھي پر تري اس دوستي میں اب
بیزار ہم سے ہو گئے ہیں دوست دار بھي
گر تو نہیں تو جاکے کریں کیا چمن میں ہم
تجھ بن ہمیں خزاں سے ہے بدتر بہار بھي
اک جان ناتواں ھی کا شکوہ " حسن " نہیں
ٹھہرا نہ اپنے بس دل بے قرار بھی

نہ رنگ ہے منھ پر ترے ' نہ دل ہے ترے پاس
سچ کہیو " حسن " آج تو آتا ہے کہاں سے

کیوں کر بھلا لگے نہ وہ دل‌دار دور سے
دونی بہار دیوے ہے گلزار دور سے
بے اختیار اٹھتی ہے بنیاد بے خودی
آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

میں اس خرابی سے مارا پڑا ہوں رستے میں
جو تو بھی گذرے ادھر سے تو ہاتھ مل جاوے
نہ تڑپیو تو دم قتل اے "حسن" ہرگز
کہ دست یار مبادا کہیں نہ چل جاوے

ہے نقش پائے ناقہ، نقش جبیں سے باہم
محمل کے ساتھ شاید نکلا ہے قیس بن سے
سینے سے آہ دل سے نالے جگر سے افغاں
نکلے یہ سب و لیکن نکلی نہ جان تن سے

زمیں سے اب غبار اپنا بھی اٹھ سکتا نہیں یارب
نہیں معلوم ایسے گر گئے ہیں کس کے ہم دل سے
گئے وہ دن جو بالیں سے اٹھا کر سر پٹکتے تھے
جو اب چاہیں کہ کروٹ لیں تو لی جاتی ہے مشکل سے

بہار لالہ نہ ہو گلشن گریباں میں
بہ جائے آب، جو خوں، چشم اشکبار نہ دے

"حسن" بساط میں دل هے یہ تیري اے جاں باز
تو ملنچلا هے نہایت، کہیں یہ هار نہ دے

شب فراق میں رو رو کے مرگئے آخر
یہ رات جیسی تھی ویسی رهی، سحر نہ هوئي

جو هے وہ تیري چشم کا بادہ پرست هے
القصہ اپنے حال میں هر ایک مست هے
بیٹھے هیں جب تلک تبھی تک، دور هے عدم
چلنے کو جب هوئے تو پھر اک دم کی جست هے
اٹھ جائیں گر، یہ بیچ سے اپنے نکات وهم
پھر ایک شکل دیکھنے میں نیست هست هے

کیا جانئے کہ شمع سے کیا صبح کہہ گئی
اک آہ کھینچ کر جو وہ خاموش رہ گئی

رنج و بلا و جور و ستم داغ و درد و غم
کیا کیا نہ دل کے هاتھ مري جان سہ گئی
ناخن نہ پھونچا، آبلہ، دل تلک "حسن"
هم مرگئے پہ هم سے نہ آخر گرہ گئی

کل تک تو آس تھي تیرے بیمار عشق کو
پر آج بے طرح کا اُسے اضطراب ہے

کوئی نہیں کہ یار کي لادے خبر مجھے
اے سیل رشک توھي بہادے اُدھر مجھے
یا صبح ہو چکے کہیں، یا میں ھی مر چکوں
رو بیٹھوں اس سحر ھی کو، میں یا سحر مجھے
ملت تو سر پہ تیشہ کي فرھاد تب میں لوں
جب سر پٹکنے کو نہ ھو دیوار و در مجھے

نالوں سے کیا "حسن" کے تو اس قدر رکے ھے
اک آدھ دم کو پیارے جھگڑا ھی یہ چکے ھے

صبا کوچے سے تیرے ھو کے آئی ھے ادھر شاید
کہ عقدے غنچۂ دل کے لگے کچھ خود بخود کھلنے

آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں
ھاں مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ھے

صبر و قرار ھوش و خرد سب کے سب یہ جائیں
پر داغ عشق سینہ سے، اے ھمنشیں نہ جائے

ھے پارۂ عقیق جگر دیکھیو کہیں
اے چشم تیرے ھاتھ سے ایسا نگیں نہ جائے

لوھو کے جائے حسرت آنکھوں سے اس کی ٹپکے
تیغ نگہ سے تیری جو دل فگار ھووے

جان میں میری جان آئی تھی
کل صبا کس کے پاس لائی تھی
پھر دھک اٹھی آگ دل کی ھائے
ھم نے رو رو ابھی بجھائی تھی
شب سے دل آپ میں نہیں ناصح
ایسی کیا بات اُسے سنائی تھی
دل کو روؤں کہ یا جگر کو "حسن"
مجھ کو دونوں سے آشنائی تھی

ھم درد کے بھروں کی تو رسم فغاں نہیں
خالی ھے نے اسی لئے اُس میں یہ شور ھے

یار گر اپنے پاس ھو جاوے
زندگی کی پھر آس ھو جاوے
قاصد ایسی نہ بات کچھ کہیو
جس سے دل بے حواس ھو جاوے

جس کو سمجھا ہوں میں "حسن" امید
کہیں وہ بھی نہ یاس ہو جاوے

کر کے بسمل نہ تونے پھر دیکھا
بس اسی غم میں جان دی ہم نے

عرق کو دیکھ منھ پر تیرے پیارے
فلک کو پیٹھ دے بیٹھے ہیں تارے
چمن میں کس نے دل خالی کیا ہے
لہو سے جو بھرے ہیں پھول سارے

دل گم گشتہ کی طرف سے ہم کف افسوس اپنے مل بیٹھے

شاید کہیں "حسن" نے کھینچی ہے آہ شاید
کانٹا سا اک جگر میں اپنے کھٹک گیا ہے

دیکھا نہ کسی وقت میں، ہنستے ہوے اس کو
یہ بھی کوئی دل ہے جو کبھی شاد نہ ہووے

سراغ ناقہ لیلیٰ بتائیو اے خضر
کوئی جرس کی طرح پر خروش آتا ہے

دل کی زمیں سے کون سی بہتر زمین ہے
پر جان تو بھی ہو تو عجب سر زمین ہے
سر کو نہ پھینک اپنے فلک پر غرور سے
تو خاک سے بنا ہے ترا گھر زمین ہے

اتنے آنسو تو نہ تھے دیدۂ تر کے آگے
اب تو پانی ہی بھرا رہتا ہے گھر کے آگے

اپنی سو گند جو دی اُس نے تو کھائی نہ گئی
ایک بھی بات محبت کی چھپائی نہ گئی

یاں تک تو تھا ''حسن'' کو کل انتظار تیرا
آنکھوں میں اس کی ہم نے جان نزار دیکھی

قیس کا عدت سے برہم ہو گیا تھا سلسلہ
اپنی ہم دیوانگی سے اس کو جاری کر گئے

شبنم کی طرح سیر چمن بھی ضرور ہے
رو دھو کے ایک رات یہاں بھی گذاریئے

یوں تو ہرگز نہیں آنے کی تمہیں نیند مگر
مجھ سے قصہ مرا کہوائیے، اور سو رہیے

جس طرف دل گیا گئے ہم بھی جان کی اپنی پاس‌داری کی

نغمہ و عشق سے ہیں سبحہ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے
میں تو آشفتۂ دل اور دل آشفتۂ زلف
خوب ہم دونوں گرفتار گرفتار ملے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

گو دل پر اس کی تیغ سے بیداد ہو گئی
تن کے قفس سے جان تو آزاد ہو گئی
اک دو ہی آہیں سن کے خفا ہم سے ہو چلے
دل سوزی ایک عمر کی برباد ہوگئی

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے
تجھ کو منظور جفا مجھ کو ہے مطلوب وفا
نہ یہ بھاتا ہے تجھے اور نہ وہ بھاتا ہے مجھے

کسي کي بے وفائي سے مجھے کیا
میں اپنے کام رکھتا ہوں وفا سے

——

نالۂ دل پر آہ کی' میں نے بات پر مجھ کو بات یاد آئی

——

کس کس کے غم کو سنئے "حسن" اب وہ دل نہیں
اپنی ہي سر گذشت سے جی اپنا سیر ہے

——

ہے دل میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باہر تو اندھیرا ہے اور گھر میں اجالا ہے

——

یاں سے پیغام جو لیکر گئے معقول گئے
اُس کی باتوں میں لگے ایسے کہ سب بھول گئے

——

دید پھر پھر جہان کی کرلوں
آخرش تو گذر ہي جاویں گے
جی تو لگتا نہیں جہاں دل ہے
ہم بھي اب تو اُدھر ہی جاوں گے
بے خبر جس طرح سے آے ہیں
اس طرح بے خبر ہي جاویں گے

——

نوجوانی کی دید کر لیجئے
اپنے موسم کی عید کر لیجئے
کون کہتا ہے کون سنتا ہے
اپنی گفت و شنید کر لیجئے

مثل آئینہ کیا عدم سے ہم تیرا منہ دیکھنے کو آئے تھے
لے کے رخصت "حسن" کوئی دم کی سیر کرنے کو یہاں بھی آئے تھے

گل ہزاروں کو آہ جس نے دیے
دل دیا اس نے داغدار مجھے

صورت نہ ہم نے دیکھی حرم کی نہ دیر کی
بیٹھے ہی بیٹھے دل میں دوعالم کی سیر کی

تیری مدد سے تیرا ادراک ہو سکے ہے
ورنہ اس آدمی سے کیا خاک ہو سکے ہے
وہ جلد دستیوں کے جاتے رہے زمانے
اب ہاتھ سے گریباں کب چاک ہو سکے ہے

نہ آنے کے سو عذر ہیں میری جان
اور آنے کو پوچھو تو سو راہ ہے

ھیں قفس میں، پر عبث باندھے ھے تو
اس قفس سے ہم کہاں اُڑ جائیں گے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے
یونھیں گذر گئے افسوس دن جوانی کے
سنا نہ ایک بھی شب اس نے حال دل میرا
نصیب جاگے نہ افسوس اس کہانی کے

دیکھا جب آنکھ کھول کے مثل حباب تب
معلوم کائنات ھوئی کائنات کی

جانتا ھے وھی مصیبت عشق
جس پر اے مہربان پڑتی ھے
جس کو دل اپنا چاھتا ھے "حسن"
بات کب اُس کی دھیان پڑتی

ہم درد کل جو ایک ملا، ہم کو راہ میں
باتوں میں ہم کھیں کے کھیں بے خبر گئے

مومن و کافر پہ کیا سب کو ندائے خیز ھے
ابلق ایام کو یاں رات دن مہمیز ھے

یار کا دھیان، ہم نہ چھوڑیں گے

اپنی یہ آن ہم نہ چھوڑیں گے

جب تلک دم میں ہے ہمارے دم

تجھ کو اے جان ہم نہ چھوڑیں گے

ہے بڑا کفر، ترک عشق بتاں

اپنا ایمان ہم نہ چھوڑیں گے

دل نہ چھوڑے گا تیرا دامن، اور

دل کا دامان ہم نہ چھوڑیں گے

جان و دل ہیں اُداس سے میرے　　اٹھ گیا کون پاس سے میرے

آج دل بے قرار ہے، کیا ہے　　درد ہے، انتظار ہے، کیا ہے

آ جا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا

تکتے ہیں راہ تیری، سر راہ میں پڑے

کس روش میں آہ پہونچوں گے گلشن تک "حسن"

مجھ کو تو صیاد نے چھوڑا ہے پر باندھے ہوئے

ہو چکا حشر بھی "حسن" لیکن　　نہ جیے ہم فراق کے مارے

جب قفس میں تھے تو تھي یاد چمن هم کو "ح - ن"

اب چمن میں هیں تو پھر یاد قفس آتي هے

دلبر سے هم اپنے جب ملیں گے

اس گم شدہ دل سے تب ملیں گے

جان و دل و هوش صبر و طاقت

اک ملنے سے اس کے سب ملیں گے

انتخاب مثنوي سحرالبیان

(اس مثنوی میں " میر حسن " نے شہزادہ بے نظیر اور
شہزادی بدر منیر کے عشق کي حکایت بیان کي ھے)

شہزادۂ بے نظیر کا باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ

عمارت کي خوبي دروں کی وہ شان
لگے جس میں زر بفت کے سائبان

چقیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پر کھڑي دست بستہ بہار

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری ' مفرق' چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کي گل کاریاں

دئے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
بنی سنگ مرمر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر
قرینے سے گرد اُس کے سرو سہی
کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی
ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے
زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ
چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چلپا کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑا آب جوھر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر
نشے کا سا عالم گلستاں پر
کھڑے شاخ در شاخ باھم نہال
رھیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قر قرے
لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قر قروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے، منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دھکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ہر طرف موسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور وسریوں کی چھانوں
لگی جائیں آنکھیں لئے جس کا نانوں

(شہزادۂ بے نظیر کا غسل کرنا)

ھوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں
تن نازنیں نم ھوا اُس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ھے شبنم میں گل
پرستار باندھے ھوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لے کر وھاں
لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن
ھوا ڈھنڈھا آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی چمک
برسنے میں بجلی کی جیسی چمک
بھوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر
ھوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اُوس
لگا ھونے ظاھر یہ اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن
گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کي شام و سحر
سمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھي کوئی خوب تر اس سے شب
کہوں اس کی خوبي کي کیا تندہو سے بات
کہ جیوں بھیگتي جائے صحبت میں رات
زمرد کے لیے ھاتھہ میں سلگ پا
کیا خادموں نے جو آھنگ پا
ھنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
لیا کھینچ پانؤں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں پر ھوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ھوا
ھنسا اس ادا سے کہ سب ھنس پڑے
ھوے جی سے قربان چھوٹے بڑے
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھہ
اڑھا کھیس لاے اسے ھاتھوں ھاتھہ
نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ھے مہ جس طرح

(شہزادۂ بے نظیر کي سواري)

نکل گھر سے جس دم ھوا وہ سوار
گئے خوان گوھر کے اس پر نثار

زبس تھا سواری کا باھر ھجوم
ھوا جب کی ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار
ھزاروں ھی تھی ھاتھیوں کی قطار
سنہری روپہلی وہ عماریاں
شب و روز کی سی طرح داریاں
چمکتے ھوئے بادلے کے نشان
سواروں کے غث اور بانوں کی شان
ھزاروں ھی اطراف میں پالکی
جھلا بور کی جگمگی نالکی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور ان کے دبے پاؤں کی پھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کی سر اوپر
چھا چوندھ میں جن سے آوے نظر
وہ ھاتھوں میں سونے کے مرتے کڑے
جھلک جس کی ھر ھر قدم پر پڑے
وہ ماھی مراتب وہ تخت رواں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں
وہ شہنائیوں کی صدا خوش نما
سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا
وہ آھستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم با لباس زری

بجاتے ہوے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

سوار اور پیادے صغیر و کبیر
جلو میں تمامی امیر و وزیر

وہ نظریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں

ہوے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس تمام

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر ادھر کچھ ورے کچھ پرے

مرصع کے سازوں سے کوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دو چند

وہ فیلوں کی اور میگ ڈنبر کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائباں

چلی پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نپٹی جریب

سواری کے آگے پڑے اہتمام
لئے سونے روپے کے عاصے تمام

نقیب اور جلودار اور چوبدار
یہ آپس میں کہتے تھے ہردم پکار

اسي اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے

یہ لانو! جوانو! بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لئے آئیو

بڑھے جائے آگے سے چلتا قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ باد بہاري چلي

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھي لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعہ سے شہر کی حد تلک
دکانوں پہ تھي بادلے کی جھلک

منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
تمامي تھا وہ شہر سونے کا گھر

کہا تھا ز بس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چاند

رعیت کی کثرت ' ہجوم سپاہ
گزرتي تھی اک اک کی ہر جا نگاہ

ہوے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن
ہر اک سطح تھا جوں زمین چمن

یہ خالق کي سن قدرت کاملہ
تماشے کو نکلي زن حاملہ

لگا لاج سے تا ضعیف و نحیف
تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جس کو آیا رہ ماہ تمام
کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

(شہزادي بدر منیر کا باغ)

سنو ایک دن کی یہ تم واردات
اٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا نا گہاں اس کا اک جا گزر
سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھي عمارت بلند
کہ تھي نور میں چاندنی سے دوچند
مغرق زمین پر تمامی کا فرش
جھلک جس کی لے فرش سے تابہ عرش
ہر اک سمت واں نور کا اژدحام
لگے آئینے قد آدم تمام
ملبب وہ چوپڑکی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتي سے لٹتے ہوئے
مقرض پڑا اس میں مقیش جو
گرا ماہ واں اشک سے پرزے ہو

لئے گرد مقیش چھوٹے بڑے
ہر اک جا ستارے اُڑاویں کھڑے

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
مکیں جلوۂ مہ کو زیر قدم

زمانہ زر افشاں ہوا زر فشاں
زمیں سے لگاتا سما زر فشاں

گل و غنچہ زرین و تاج خروس
زمیں چمن سب جبیں عروس

کھڑا ایک نمگیرۂ زر نگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار

کہوں کیا میں جھالر کي اس کی پھبن
کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن

مفرق بچھي مسند اک جلمگی
کہ تھي چاندنی جس کے قدموں لگي

بلوریں صراحی وہ جام بلور
دل و دیدہ وقف تماشاے نور

زمیں نور کي آسماں نور کا
جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا

وہ مسند جو تھی موج دریاے حسن
وہاں دیکھی اک مسند آراے حسن

دئے کھلی تکیے پہ اک ناز سے
سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام
ادھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ
اودھر یہ زمیں پر مہ چار دہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منھ کو لگے چار چاند

(بدر منیر کا اپنے باغ میں جلوہ افروز ہونا)

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل ربا
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کدھر گل کی تھی اس کے منھ پر نظر
چمن اس گھڑی بر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بے ہوش تھا
ز بس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اس کی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اس کا جو طرف چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
درختوں پہ اس کی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اس نے چمک
ہوئی اس کے بیٹھے سے گلشن کی زیب
گیا اڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب دل میں ہوئی جلوہ‌گر

(بدر منیر کا بے نظیر کو اپنے باغ میں پہلے پہل دیکھنا)

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی نا گہاں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
درختوں کی ہے اوٹ ماہ مبین

کسی نے کہا، ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارہ پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح شب کا گیا اٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک ہول سے خوف کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

گئی ہند میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبیں

سرکنے کي واں سے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں
دئے حیرت عشق نے گڑ پاؤں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں جواني کے دن

عیاں چستي و چابکی گات سے
نمود جوانی ہر اک بات سے

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

گئي اس جگہ جب کہ بدر میز
اور اس نے جو دیکھا شہ بےنظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی - دل سے دل

وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹک
وہیں رہ گیا نقش پا سا بھٹک

کہ وہ نازنیں منھہ جھجک موڑ کر
وہیں نیم بسمل اسے چھوڑ کر

ادائیں سب اپنی دکھاتي چلي
چھپا منھہ کو اور مسکراتي چلی

غضب منھہ پہ ظاہر ولے دل میں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کم‌بخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
چھپی جاکے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

— —

(بےنظیر سے بدر منیر کی پہلی ملاقات)

بہزور اس کو لاکر بٹھایا جو واں
نہ پوچھو اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

— —

(بے نظیر کے ہجر میں بدر منیر کی حالت)

گئے اس پہ دن جب کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
در اشک سے ا چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے ہاں جی چلو

جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے

تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی

یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے

کہا خیر بہتر ہے منگوائیے

جو پانی پلانا تو پینا اُسے

غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے

نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش

بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش

غزل یا رباعی و یا کوئی فرد

اُسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد

سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں

نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں

سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب

نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب

کہا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل

کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

زباں پر تو باتیں ولے دل اداس

پراگندہ وحشت سے ہوش و حواس

نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر

نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر

نہ منظور، سرمہ نہ کاجل سے کام

نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

و لیکن یہ خوباں کا دیکھا سو بھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

بدر منیر کا جوگن بن کر جنگل کو نکل جانا اور
چاندنی رات میں کدارا بجانا

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اُس کا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
اداسی وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ
بندھا اس جگہ اس طرح کا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے

خس و خار سارے جھمکتے ہوئے

درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور

کرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

ویا یہ کہ جوگن کا مکھ دیکھ کر

ہوا نور و سایہ کا ٹکڑے جگر

گیا ہاتھ سے بھن سن کر جو دل

گئے سایہ و نور آپس میں مل

ہوا بند ہو گئی اُس گھڑی اس اصول

بسیرا گئے جانور اپنا بھول

درختوں سے لگ لگ کے باد صبا

لگی وجد میں بولنے واہ وا

کدارے کا عالم یہ تھا اُس گھڑی

کہ تھی چاندنی ہر طرف کھل پڑی

سوز

سید محمد میر نام' - دهلي میں پیدا هوے اور عمر کا بیشتر حصه وهیں صرف هوا - آخر عمر میں لکهنؤ گئے اور وهیں کے هو رهے -

شعر و سخن کا شوق ان کی فطرت تها' ابتدا میں " میر " تخلص کیا جب میر تقي کا شهره اس تخلص سے سنا تو اس کو ترک کر کے " سوز " بن گئے -

" میر تقی " میر ان کے زور طبع کا اعتراف کرتے هیں' میرحسن' ان کے طرز ادا اور انداز شعر خواني کی تعریف کرتے هیں -

شاعري کے علاوه وه شهسواري اور تیراندازی میں بهی کمال تها طاقتور ایسے تهے که ان کی کمان کا چڑهانا هر شخص کے بس کی بات نه تهی -

شاه عالم کے عهد میں دهلی کی تباهی کے ساتهه " میر " بهی خانماں برباد هوکر گهر سے نکلے' پهلے فرخ‌آباد گئے مگر قسمت نے یاوری نه کي پهر لکهنؤ پهونچے' سیاه بختي سائے کی طرح ساتهه تهي' وهاں بهي ان کا رنگ نه جما - لکهنؤ سے مرشدآباد پهنچے وهاں بهي بهتري کي کوئی صورت نه نکلی - کچهه دنوں بعد دوباره لکهنؤ گئے تو قسمت کا ستاره چمکا' نواب آصف‌الدوله کے سے آفتاب کرم کو مشورهٔ سخن دینے اور سکون و اطمینان کي زندگی بسر کرنے لگے میر " سوز "

بزم تغزل میں شمع محفل ہیں ' خود جلتے ہیں اور محفل کو بھی گرماتے ہیں - سوز ' کے ساتھ کلام میں ساز بھی ہے - جذبات کے بیان میں بے ساختگی کا جوہر دکھاتے ہیں - زبان صاف اور بندش چست ہوتی ہے - محاورہ بندی کی طرف خاص توجہ رکھتے ہیں " سوز " کے انداز میں ' میر " کا رنگ جھلکتا ہے -

" میر " " سوز " نے سنہ ۱۲۱۳ھ میں ۷۰ برس کی عمر پاکر لکھنؤ میں انتقال کیا -

---

انتخاب

اھل ایماں "سوز" کو کہتے ھیں کافر ھو گیا

آہ یارب! راز دل ان پر بھی ظاھر ھو گیا

——

دیکھ، دل کو چھیڑ مت ظالم کہیں دکھ جائے گا

ھاں بغیر از قطرۂ خوں اور تو کیا جائے گا

——

ملدے گر چشم ظاھر دیدۂ بیدار ھو پیدا

در و دیوار سے شکل جمال یار ھو پیدا

——

جی ناک میں آیا بت گل‌فام نہ آیا

جینا تو الٰہی مرے کچھ کام نہ آیا

——

قتل سے یہ بے گنہ راضی ھے اپنے اس لئے

ھاتھ میں اک روز تو داماں قاتل ھوئے گا

ابر کے قطرے سے ھو جاتے ھیں موتی نا صحا

کیوں ھمیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل ھوئے گا

اپنے رونے سے گر اثر ہوتا　　قطرۂ اشک بھی گہر ہوتا

''سوز'' کو شوق کعبہ جانے کا　　ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا

نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اس کے کبھو اپنے

بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا

خدا یا کس کے ہم بندے کہاویں سخت مشکل ہے

رکھے ہے ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا

خدا کی بندگی کا ''سوز'' ہے دعویٰ تو خلقت کو

و لے دیکھا جسے، بندہ ہے اپنی خود نمائی کا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا

جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

قاضی ہزار طرح کے قصوں میں آ سکا

لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا

رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا

اس کو سراہئے جو ترا ناز اٹھا سکا

بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا

دو آنکھ موند ہم نے وہ من ہی من میں دیکھا

اس سوا کھوج نہ پایا ترے دیوانے کا
قطرۂ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا
مرے سوال کا منھہ سے جواب نکلے گا

تو روز وصل تو اے "سوز" اپنے آنسو پونچھہ
ابھی بہت ہے تجھے ہجر یار میں رونا

بتوں کے عشق سے واللہ کچھہ حاصل نہیں ہوتا
انھوں سے بات کرنے کو بھی اب تو دل نہیں ہوتا

ساغر عیش دیا اوروں کو "سوز" کو دیدۂ پرنم بخشا

جس نے ہر درد کو درماں بخشا مجھہ سے کافر کو بھی ایماں بخشا
چشم معشوق کو دی عیاری "سوز" کو دیدۂ گریاں بخشا

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھہ باور نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
وابستہ ہوں چشم خوں چکاں کا

الٰہی ! محبت کو لگ جائے لوکا
کہ اٹھتا ہے ہردم جگر سے بھبو کا
فریب محبت نے مجھ کو پھنسایا
میں بھولا میں بھولا میں چوکا میں چوکا

مرا قتل کیا دل ربانے نہ چاہا
وہ کب چوکتا تھا خدانے نہ چاہا

یار اغیار ہو گیا ہیہات کیا زمانے کا انقلاب ہوا

عاشق ہوا ، اسیر ہوا ، مبتلا ہوا
کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

دل تھا بساط میں سو کوئی اس کو لے گیا
اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا

بہم اس سے ہم سے بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
وہ میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منہ کہ ہنسا دیا

پوچھے ہے مجھ کو سنھو عاشق تو سچ ہے میرا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا

جن کے نامے پہونچتے ہیں تجھ تک
کاش میں ان کا نامہ بر ہوتا

دعوی کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بو کا
ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منھ پہ تھوکا

" سوز " کیوں آیا عدم کو چھوڑکر دنیا میں تو
واں تجھے تھی کیا کمی ؟ یاں تجھ کو کیا در کار تھا

بہت چاہا کہ تو بھی مجھ کو چاہے
مگر تونے نہ چاہا پر نہ چاہا

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محجوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ہوگا

کھولي گرہ جو غنچہ کی تونے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہو اے صبا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا ، میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے مرے خدا عجب

صاحبو ! طوف دل‌مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ہے بغیر از سنگ وحشت

مجھ کو تو نہیں ہے کچھ، خیال خوب و زشت
ایک ہے اس کو ہوائے دوزخ و باغ بہشت
ناصحا گر یار ہے ہم سے خفا تو تجھ کو کیا
چین پیشانی ہی ہے اس کی ہماری سر نوشت

کي فرشتوں کي راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

قیامت کا بھي دھڑ کا " سوز " کے دل سے نکل جائے
خداوند! گذر قاتل کا ہو گور غریباں پر

ھجر میں مرتا ھوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

یوں دیکھ لے ھے وہ کہ ادا کو نہ ھو خبر
چھیڑے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ھو خبر
عشاق تیرے تیغ تلے اور ستم پناہ
سر اس طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ھو خبر

کم نہیں ھوتا غبار خاطر جاناں ھنوز
خاک سے میرے جھکتا ھے بھرا داماں ھنوز

مرضی جفائے چرخ کی بے داد کی طرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کی طرف

دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ھیں اب زیادہ
اے لالہ داغ دل کے کرلیں شمار ھم تم
تو میرے دل کو دیکھے میں تیرے دل کو دیکھوں
دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ھم تم

دل ھے یا میں ھوں، میں ھوں یا دل ھے
اور اب ھم کدھر کس کا ھوں

قاتل پکارتا ھے ' ھاں کون کشتنی ھے
کیوں " سوز " چپ ہے بیٹھا کچھ بول اٹھ نہ ھاں ھوں

سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ھیں راھیں
جیتے مسافروں کو دیتی نہیں نگاھیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
" سوز " ! عاشق کا یہ شعار نہیں

میں وہ درخت خشک ھوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

مقبروں میں دیکھتے ھیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر ' یہ پدر ' یہ خویش ' یہ فرزند ھیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ھیں یار
جانتے اتنا نہیں سب خاک کے پیوند ھیں

ھاں اھل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو
تنہا نہیں ھوں بھائی با نالۂ و فغاں ھوں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اس میں کچھ میرا اختیار نہیں

اے اہل بزم میں بھي مرقع میں دھر کے
تصویر ہوں و لے لب حسرت گزیدہ ہوں

بس غم یار ایک دن دو دن
اس سے زیادہ نہ ہو جہو مہماں

جلوں کي بری آہ ہوتی ہے پیارے
تم اس سوز کي اپنے حق میں دعا لو

خدا ہی کي قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

دل سا رفیق میرا تونے جدا کیا ہے
لے عشق جی بھي لے چک! تیرا اگر بھلا ہو

کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہي نہیں دشت کے آواروں کو
بال باندھے جلھیں کہتے ہیں یہی عاشق ہیں
کیا چھڑاوے کوئي زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاشقو سر رشتۂ تدبیر کو

او جانے والے اُس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ

ہرچند میں لائق تو نہیں ترے کرم کے
لیکن نگہ لطف سے تک آنکھ اٹھا دیکھ

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ الحمدللہ الحمدللہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا استغفراللہ استغفراللہ

راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاہئے

جس کو نہ ہو شکیب، نہ تاب فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اُس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

مت کیجئے خیال کل ملیں گے
ہے پل میں یہ خواب زندگانی

مثل نے ' ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے
سبھوں سے پوچھتا ہے اُس کو کس نے مار ڈالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے' یہ شخص عاشق ہے کہیں
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

کہوں کس سے شکایت آشنا کی
سنو صاحب! یہ باتیں ہیں خدا کی

دونوں جہان سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

اثر

سید محمد میر نام ' خواجہ عندلیب کے بیٹے ' خواجہ "میر" درد کے بھائی تھے ' دھلی مولد اور مسکن تھا - خواجہ " میر " درد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی - علوم و فنون کی تحصیل اساتذہ دھلی سے کی ' ریاضی میں خواجہ احمد دھلوی کے شاگرد ہوکر استاد یگانہ ہوگئے - تصوف میں اپنے خاندان کے پیرو تھے موسیقی میں بھی کمال تھا - تذکرہ میر " حسن " میں ھے :-

" درویش است موقر' صاحب سخنے است موثر' عالم و فاضل ' رتبۂ قدرش بغایت بلند " اثر کی شاعری درد کا آئینہ ھے ' وہ جو کچھ کہتے ہیں بے ساختگی سے کہتے ھیں ' لیکن لوازم شاعری سے بے خبر نہیں رھتے - زبان بھی ایسی میٹھی کہ قند گھولتے ھیں محاورات دل نشین سے دلوں پر اپنا سکہ بٹھاتے ھیں غزل میں عشق ' تصوف ' اخلاقیات ' پند و نصائح سب کچھ اس انداز میں کہتے ھیں کہ دل میں اترتا چلا جاتا ھے پند و نصیحت کی تلخی میں طرز ادا کی شیرنی اس طرح ملا دیتے ھیں کہ غذائے روحانی بن جاتی ھے - خواجہ " میر " درد کی طرح مختصر الفاظ میں وسیع معانی پھناتے ھیں - اور معمولی ترکیبوں میں طلسم بندی کا لطف دکھاتے ھیں ' غزلوں کا

ایک مختصر دیوان ہے جو ناقدی کے ھاتھوں کم یاب تھا ، لیکن اب مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع کیا ہے - خواب و خیال نام کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کو ایک زمانہ میں بڑی شہرت حاصل تھی -

خواجہ اثر نے سنہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے وفات پائی -

اِنتخاب

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا
ساقي به یک نگاہ ، مرا کام ہو گیا
ملت رہےگی حشر تلک تیري اے اجل
گو جي گیا ، په هم کو تو آرام ہو گیا
میرے تئیں تو کام نه تھا ان بتوں سے آہ
پر، دل کے ساتھ، مفت میں بدنام ہو گیا

کبھو منھ بھي مجھے دکھائیے گا
یا یونھیں دل مرا دکھائیے گا

دیکھ لیجو ، یہ انتظار مرا ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا
''اثر'' اب تو ملے ہے تو اس سے پھر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

بے وفائی پہ تیرے جی ہے فدا قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

ہو جائیں گے حور اس کے معلوم داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کبھی آہ کرنا دل میں ''اثر'' اُس کے راہ کرنا

جي اب کے بچا خدا خدا کر   پھر اوو بتوں کي چاہ کرنا

یہ خاک نشیں، تیرے سر راہ جو بیٹھا

جوں نقش قدم مرھي مٹا لیک نہ سر کا

عشق تیرے کا، دل کو داغ لگا

دیکھہ تو بھي، نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا   جب تجھے ڈرکے اک نظر دیکھا

بے طرح کچھہ گھلائے جاتا ھے   شمع کي طرح دل کو چور لگا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا

کچھہ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا

کون سا دل ھے وہ کہ جس میں آہ

خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

نہ رہی گو کہ خاک بھی اپنی

تیرے خاطر میں پر غبار رہا

ساری مجلس میں تیري اے ساقی

ایک اپنے تئیں خمار رہا

حق تري تيغ کا ادا نه هوا
اپني گردن په سر يه بار رها
تو نه آيا ولے " اثر " کے تئيں
مرتے مرتے بهي انتظار رہا

تيرے آنے کا احتمال رها
مرتے مرتے يه هي خيال رها
شمع ساں جلتے بلتے کاٹي عمر
جب تلک سر رها وبال رها
دل نه سنبهلا اگرچه' ميں تو اُسے
اپنے مقدور تک سنبهال رها

دل تو اُودهر سے اٹهه نهيں سکتا
هاتهه اب کس طرح اٹهائے گا

اب توقع کسے بهلائی کي دل نه هوتا تو کچهه بهلا هوتا
بے وفائی په تيری جي هے فدا قهر هوتا جو با وفا هوتا

کبهو کرتے تهے مهربانی بهي آه وه بهي کوئي زمانه تها
تو نه آيا ادهر کو ورنه همیں حال اپنا تجهے دکهانا تها
کيا بتاويں که اس چمن کے بيچ کهيں اپنا بهي آشيانه تها

گر کے اتھا نہ پھر میں قطرۂ اشک
کوئی ایسا بھی کم گرا ہوگا

تیرے ہاتھوں سے میں ہلاک ہوا
مفت ہی مفت جل کے خاک ہوا

دل سے فرصت کبھو جو پائے گا
حال اپنا تجھے سنائے گا

زیست ہو تو تعجبات ہے اب   مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت
واہ اپنی بندی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن
نہ ہوا دوست وہ بھی یا قسمت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپی
کب چھپے ہے یہ منھہ نقاب کے بیچ

شب زندہ دار یوں "اثر" مردہ دل ہو "درد"
مانوں نہ پیر! تیری کرامات کس طرح ؟

جوں گل تو ' ہنسے ہے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلا کر
مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے
تک رام کیا خدا خدا کر

دل سے گزر کے ' نوبت پہونچی ہے ' گو کہ جاں تک
تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ہو یارب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
تھامتا ہوں " اثر " میں آہوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی
یارب ! آرام' دل کو ہو وے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں' پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے "اثر" کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانا　　تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے　　ایک بھی گل نے پر سنا ہی نہیں

واہ رے عقل، تجھ سے دشمن سے　　دوستی کا گمان رکھتا ہوں

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں
پر ہمیں آہ کچھ خبر ہی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری جو معتبر ہی نہیں
تیری اُمید چھٹ نہیں امید
تیرے در کے سوائے در ہی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
تو ہی بہتر ہے آئینہ ہم سے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر "اثر" کی ہمیں تو آس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئي
فریاد ہے یہی ' کوئي فریاد رس نہیں

تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں' سو یقیں ہوا
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اس کا گماں نہیں

مر تو چلے ' کہاں تئیں اب در گزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ھي دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں' پہ اب نہیں تو تو جہاں نہیں

یہ دولت مند ہیں پابند انواع گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئي کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

اسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقش قدم نہیں ہیں یہ لوح مزار ہیں

کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیري یہ باتیں نگاہ میں

یا خدا پاس ' یا بتاں کے پاس   دل کبھي اپنا' یاں رہا ہی نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے   مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

ایک تیرے ہی بات کے لئے ہم
باتیں سو سو سبھوں کی سہتے ہیں

جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھے   اس دل بے قرار کے ہاتھوں
رو برو دیکھنا محال ہوا   دیدۂ اشک بار کے ہاتھوں

کیا کہوں اپنی میں پریشانی
دل کہیں' میں کہیں ہوں' دھیان کہیں

بے وفا تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

بے وفا کچھ تري نہیں تقصیر   مجھ کو میري وفا ہی راس نہیں

بےگناہوں سے دل کو صاف کرو   نہیں تقصیر پر معاف کرو

نہ لگا ' لے گئے جہاں دل کو　　آہ لے جائیے ' کہاں دل کو
یوں تو کیا بات ھے تری لیکن　　وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو
آزمانا کہیں نہ سختی سے　　دیکھیو! میرے ناتواں دل کو

جو سزا دیجے ' ھے بجا مجھ کو　　تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

مانا "اثر" کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹتی نہ آج یہ شب اِنتظار کی
ٹک آکے سیر کر جگرداغدار کی
ھوتی ھے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اس بت بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

راہ تکتے ھی تکتے ھم تو چلے　　آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم لگی ھے کیا کیا کچھ　　جان ھے تو جہان اپنا ھے
غیر کا تو کہاں سے دوست ھوا　　دشمن اپنا گمان اپنا ھے

کیجئے نا مہربانی ھی آکر　　مہربانی اگر نہیں آتی
دن کٹتا جس طرح کٹتا لیکن　　رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے ھیں یار اتا ھے　　دل! تجھے اعتبار اتـا ھے؟
دوست ھوتا جو وہ تو کیا ھوتا　　دشمنی پر تو پیار آتا ھے

بیگانہ تو کس حساب میں ھے　　رکھے نہ توقع آشنا سے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے　　بندہ ' بندہ خدا ' خدا ھے
اس بحر میں حوں حباب سب کے　　سر میں بھری اور ھی ھوا ھے

ھمیں حیرت ھے ابھی' تجھ کو دیویں دھا جواب اس کا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ھم نے زندگانی کی

یارب قبول ھو وے اتنی دعا تو بارے
دونوں جہان ھارے عاشق' پہ جی نہ ھارے
ھے ایک بار مرنا برحق کسی طرح ھو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اس کو مارے
ھم راست گو مسلماں حق ھی بتاں کہیں گے
تم بندے ھو خدا کے' ھم بندے ھیں تمہارے

دل جو یوں بے قرار اپنا ھے　　اس میں کیا اختیار اپنا ھے
جو کسو کا کبھی نہ یار ھوا　　وھی قسمت سے یار اپنا ھے
روز و شب آہ و نالہ و زاری　　اب یہی کارو بار اپنا ھے

سخت جانی "اثر" کی دیکھئے آہ
اس ستم پر جئے ہی جاتا ہے

آتش عشق، قہر آفت ہے ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

فرض آئینہ داری دل سے تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے
تیرے در پر بسان نقش قدم نقش اپنا ہمیں بٹھانا ہے
ہر طرف توڑ جوڑ کرتے ہو دلبری ایک کارخانہ ہے

دیکھتا ہی نہیں وہ مست ناز اور دکھلاوں حال زار کسے

"اثر" اب تک فریب کھاتا ہے تیرے وعدوں کو مان جاتا ہے
میں بھی ناصح اسے سمجھتا ہوں گو برا ہے پہ مجھ کو بھاتا ہے

کام کیا تجھ کو آزمانے سے قتل کرنا ہے ہر بہانے سے

نہ ملوں جب تلک کہ تو نہ ملے
اب بھی قصد دل میں ٹھانا ہے
وعدے کر انتظار میں رکھنا
نت نئی طرح کا ستانا ہے

کهيں ظاهر يه تيري چاه نه کي

مرنے مرتے بهي هم نے آه نه کي

هم غلط احتمال رکهتے تهے — تجهه سے کيا کيا خيال رکهتے تهے

نه رها انتظار بهي اے ياس — هم اميد وصال رکهتے تهے

بهولنا يوں بهلا يه ياد رهے — غم رها هم کو تم تو شاد رهے

دل دهي سب کي مري دل شکني — بارے اتنا تو اعتماد رهے

اسکو سکهلائي يه جفا تونے — کيا کيا اے مري وفا تونے

صرف غم هم نے تو جواني کي — واه کيا خوب زندگاني کي

نهيں طاقت که دم نکال سکوں — اب يه نوبت هے ناتواني کي

دل ربائي و دل بري تجهه کو — گو که آتي هے پر نهيں آتي

کيا کهيں آه ميں کسو سے حضور — نيند کس بات پر نهيں آتي

نهيں معلوم دل په کيا گذري — ان دنوں کچهه خبر نهيں آتي

ايک تيرا خيال بيٹهه گيا

دل سے خطرے تو سب اٹهائے تهے

بہ گیا سب میں اپ ہو کے گداز
شمع ساں اشک کیا بہائے آہ

حرف نکلا نہ اس دہن سے کبھو
کام نکلے ہے چشم و ابرو سے

تیرے کوچے میں آ کے جو بیٹھے
جان سے اپنی ہاتھہ دھو بیٹھے
حال اپنا کسو سے کیا کہئے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

نگہ گرم سے پگھلتا ہے　　دیکھہ یہ اٹنہ نہیں دل ہے

نفع یاں تو گماں اپنا ہے　　سود بے شک زیاں اپنا ہے
شورش اشک و آہ کی دولت　　سب زمین آسمان اپنا ہے
تیرے کوچہ میں مثل نقش پا　　ہر قدم پر مکان اپنا ہے

جرأت

نام قلندر بخش، اصلی وطن دهلی، باپ کا نام حافظ امان تھا
ان کے آبا و اجداد بادشاهوں کے "دربان" تھے، "جرأت" نے
فیض آباد میں نشو و نما پایا - جوانی سے پہلے آنکھوں سے معذور هو گئے
تھے، موسیقی اور ستار نوازی کے ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق پیدا هوا،
جعفر علی "حسرت" سے اصلاح لینے لگے - کثرت مشق اور پر گوئی
نے ان کے کلام میں غیر معمولی روانی اور دل نشیں سلاست پیدا کردی -
شیخ جرأت نے لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں بھی خوب شہرت حاصل
کی اول نواب محبت خاں کی سرکار میں پھر مرزا سلیماں شکوہ کے دربار
میں ملازم رهے - جرأت نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی هے
مگر ان کی طبیعت کا اصلی رجحان غزل گوئی کی طرف تھا اس لئے
اسی صنف میں کمال حاصل کیا - پرگوئی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک
زمین میں تین تین چار چار غزلیں کہتے چلے جاتے هیں اس پرگوئی
کا نتیجہ هے کہ ان کے کلام میں کہیں کہیں بے مزہ تکرار پیدا هوگئی هے -
زبان کی صفائی اور روانی اور محاورہ بندی کی طرف بہت توجہ
رکھتے هیں معاملہ بندی ان کا خاص شیوہ هے اور اس خصوص میں
ان کا پایہ اس دور کے شعرا میں سب سے بلند هے -

جرأت کے تلامذہ کی تعداد خاصی تھی اور اکثر ان کے نقش قدم پر
چلتے تھے - انہوں نے لکھنؤ میں سنہ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی -
"انشاء" نے تاریخ کہی (هائے هندوستان کا شاعر موا)

انتخاب

آے جو مرقد پہ میري ' سو مکدر هو گئے
خاک هو کر بھی غبار خاطر یاراں هوا

محمد هے نبی ' ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ گر اس کي مدح ' دعوی هے خدائی کا

هر رنگ میں گر هم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشن گیتی کا کوئی رنگ نہ بھاتا

رتبہ دل بازي کا دلا! کاش تو پاتا
هاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائي پہ اپنے هوں نپٹ ششدر و حیراں
آنے کا جو ھ نام تو رونا نہیں آتا
جلد اپني گلی سے نہ نکالو مجھے اے جاں
جاتا تو هوں میں یاں سے ' پہ جایا نہیں جاتا

کیفیت محفل خوباں کی نہ اس بن پوچھو
اس کو دیکھوں نہ ' تو پھر دے مجھے دکھلائي کیا ؟

دل کي بے تابی نے مارا هي تها ، مجهہ کو صاحب
هاتهہ سینے پہ جو اس دم نہ تمہارا هوتا
شکر تم آگئے گهر اس کے ، نہیں " جرأت " نے
سر اتها کر ابهي دیوار سے مارا هوتا

جس طرف دیکهتا هوں میں اس بن	یہ نہیں جانتا کدهر دیکها
درد کي طرح جان " جرات " کو	تو هي آیا نظر جدهر دیکها

سب سے پہلے عشق کي دریا میں چلتی ہے هوا
وائے قسمت اپني هے کشتی کا لنگر کهل گیا
اشک سرخ آتی هیں شاید دل کا پهوتا آبلہ
بارے یہ عقدہ ترا اے دیدۂ تر کهل گیا

گر بیتهتے هیں محفل خوباں میں هم اس بن
سر زانو سے اتهتا نہیں دو دو پہر اپنا
یا آنکهوں سے اک آن نہ هوتا تها وہ اوجهل
یا جلوہ دکهاتا نہیں اب یک نظر اپنا
رونے سے تهرے کیا کہیں اے دیدۂ خوں بار
یہ خاک میں ملتا هے دل اپنا جگر اپنا

وہ گئے دن کہ سدا میکدہ هستي میں
بادۂ عیش سے لبریز تها ساغر اپنا

هم نشیں ! اس کو جو لاتا هے تو لا جلد که هم

تهامے بیٹھے رهیں کب تک دل مضطر اپنا

غم زدہ اتھ گئے دنیا هي سے هم آخر آہ

زانوے غم سے و لیکن نه اتھا سر اپنا

بہت ایذا اتھائی ' لے اجل بس آشکارا هو !

که صدمه اب تو اس درد نہاں کا اتھ نہیں سکتا

رکھا تھا بار عشق اک دن جو اس نے پشت پر اپني

سو اب تک سر زمیں سے آسماں کا اتھ نہیں سکتا

چلا جو اتھ کے وہ تو کب یه "جرأت" هے که میں روکوں

ادب سے هاتھ بھی مجھ بے زباں کا اتھ نہیں سکتا

سارے عالم هي سے بیزار وہ کچھ بیتھا هے

آج "جرأت" کو خدا جانے یه کیا دھیاں بندھا

به از گل جانتاهوں چاک میں اپنے گریباں کا

مجھے گلزار سے کیا ؟ هوں میں دیوانه بیاباں کا

سیاهي نزع کے دم کي سی چھا جاتي هے آنکھوں میں

نظر آتا هے اب جوں جوں اندھیرا شام هجراں کا

ہوئی یہ مدو ہم تہری کہ گذرے دین و دنیا سے
نہ اندیشہ ہے کچھ یاں کا ہمیں نہ فکر ہے واں کا
تڑپ کر بستر اندوہ پر ہم مرگئے آخر
کسی پر غم ہوا ظاہر نہ اپنے درد پنہاں کا
دل مجروح سینہ میں دھڑکے ہے سخت بے تابی
اب اس گل کا ٹوٹا آہ پھر شاید کوئی ٹانکا

جلوں سے دیکھو رتبہ میرے حال پریشاں کا
قدم بوسے کو آیا چاک تا دامن گریباں کا
نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا

گر یہی ہردم کا غم کھانا ہے تو اے ہم دمو
دیکھ لیجو اک نہ اک دن غم مجھے کھا جائے گا
مت بلاؤ بزم میں "جرأت" کو ہے آتش زباں
کہہ کے کچھ آتش دلوں کی سب کے بھڑکا جائے گا

وعدہ یہ اس کے توڑے ہے یاں کوئی اپنی جاں
اچھا قرار کر کے وہ پیماں شکن گیا
اب ہم ہیں اور شام غریبی کی دید ہے
مدت سے وہ نظارۂ صبح وطن گیا

بس نا صحا یہ تہر ملامت کہاں تلک
باتوں سے تیری آہ کلیجا تو چھن گیا
کس کس طرح سے کی خفگی دل نے مجھ سے آہ
روٹھا کسی کا یار کسی سے جو من گیا

همدمو! میری سفارش کو تو جاتے هو ولے
کہیں واں جاکے نہ کچھ اور خلل کر آنا

سچ تو یہ هے بے جگہ ربط ان دنوں پیدا کیا
سوچ هے هر دم یہی هم کو کہ هم نے کیا کیا
دم بہ دم حسرت سے دیکھوں کیوں نہ سوے چرخ میں
اس نے اوروں کا کیا اس کو همیں جس کا کیا
وہ گیا اٹھ کر جدھر کو میں ادھر حیران سا
اس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

دل ملے پر بھی ملاپ ایسی جگہ هوتی رهی
هم ادھر تڑپا کئے اور وہ ادھر تڑپا کیا

حیراں هوں میں قریب کہ پوچھوں یہ کس سے بات
رستہ کدھر هے منزل مقصد کی راہ کا

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اس کے دوں
کچھ دل ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا
یہ بخت سوگئے کہ ترستے ہیں اس کو بھی
وہ دیکھنا جو خواب میں تھا گاہ گاہ کا
تیرے مریض غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
اک تار بندہ گیا ہے فقط آہ آہ کا

کل جو رونے پر مرے تک دھیان اس کا پڑگیا
ہنس کے یوں کہنے لگا کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا

جو دم لب پہ گھبرا کے آنے لگا
تو شاید مرا دل ٹھکانے لگا
میں رو کر جو کہنے لگا درد دل
وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا
یہ کون آکے بیٹھا کہ محفل سے وہ
اشاروں سے مجھ کو اٹھانے لگا

ہم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ہیں کیوں
راہ لے اپنی چل اے بادصبا تجھ کو کیا
ہاتھ اٹھانے کا نہیں عشق سے میں اے ناصح
تو نصیحت سے مرے ہاتھ اٹھا تجھ کو کیا

کچھ الم، کچھ درد ہے، کچھ سہو ہے، کچھ محو ہے
بھول جاتا ہے، ترا بیمار اٹھنا بیٹھنا
ہے قیامت نشۂ مے سے ترا نام خدا
لڑکھڑا کر، اے بت مےخوار ؟ اٹھنا بیٹھنا

کیوں ہو حیران سے، کیا آئنہ دیکھا پیارے
کچھ تو بولو کہ یہ کس نے تمہیں خاموش کیا
جام مے کی نہیں اب ہم کو طلب اے ساقی
بس تری آنکھ دکھانے ہی نے مدھوش کیا

خدا جانے کدھر جاتے ہیں ہم؟ ہوکر زخود رفتہ
یہ کہنا جب کسی کا یاد آتا ہے "اِدھر آنا"
ہوا نظروں سے وہ غائب تو ہم آنکھوں کو رو بیٹھے
کسی شکل اب نظر آتا نہیں اس کا نظر آنا
مری یہ چشم پر خوں، بات کہنے میں بھر آتی ہے
مجھے مشکل نظر آتا ہے زخم دل کا بھر آنا
جواب خط کی جا، اب دل میں رہ رہ کر یہ آتا ہے
کہ شاید اس گلی میں جا کے بھولا نامہ بر آنا

بلائے جان تھی ہستی، بقول "جرأت" آہ
بلا سے جاں گئی میں عذاب سے چھوٹا

درد الفت نے یہ کچھ صورت بنادی ہے کہ آہ
جو ملا غم‌خوار ہم کو، سو تماشائی ملا

عالم بتاں ! کرے ہے جو وسعت دو عالم
اس سے وسیع اپنے ہے دل کا ایک کرنا

بہ صد آرزو جو وہ آیا تو یہ حجاب عشق سے حال تھا
کہ ہزاروں دل میں تھیں حسرتیں اور اُٹھانا آنکھ محال تھا
جو چمن سے در قفس ہوا، تو میں اور اسیر ہوس ہوا
یہ جو ظلم اب کی برس ہوا، یہی قہر اگلے بھی سال تھا

نواسنجی سے دل لبریز ہے مجھ محو حیرت کا
بہ رنگ بلبل تصویر پر بولا نہیں جاتا
رہی ہے بے قراری دل کو وصل و ہجر میں یکساں
خدا جانے یہ کیا سمجھا ہے کچھ سمجھا نہیں جاتا

نکلے ہے بے خودی ہی کا کلمہ زباں سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

اس بن کسی سے ملنے کو جی چاہتا نہیں
گویا کہ جگ سے ہم گئے اور ہم سے جگ گیا

پر از گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا
تری دولت سے بس اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

ترے بیمار کو دیکھا تو کچھ جنبش نہ تھی تن میں
کسی کو پر وہ آنکھوں کے اشارے سے بلاتا تھا

الهي پڑگئی آفت یہ کیا تاثیر الفت پر
وهي یہ جذبۂ دل ہے جو اس کو کھینچ لاتا تھا
خدائی ہے کہ وہ تب اب منائے سے نہیں منتا
وگرنہ روٹھتے تھے اس سے ہم اور وہ مناتا تھا

پردہ مت منہ سے اٹھانا زنہار مجھ میں اوسان نہیں رهنے کا

کچھ بہت تم هنستے ہو مرنے پہ مجھ بیکس کے آہ
یہ تو تھي رونے کي جا پیارے تماشا کچھ نہ تھا

درد دل ہے جو دم لگا رکنے سانس لینا مجھے محال ہوا

صیاد نہ کر منع کہ گلشن کي هوس میں
تڑپیں نہ تو ، یہ مرغ گرفتار کریں کیا

آتا ہے نہ تو یاں ، نہ ترے بن ہے همیں چین
جینا ھی ہوا ہے همیں دشوار کریں کیا ؟

نہیں چھوڑتے تجھ کو جوں سایہ ہم
ترے ساتھ ہیں ، تو جدھر جائے گا

——

سینہ میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغ خوش آہنگ اُڑ گیا

——

جہاں کچھ درد کا مذکور ہوگا   ہمارا شعر بھی مشہور ہوگا

——

ہستی ہے جوں حباب ، پہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا
لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

——

ہم ہیں وہ جنس کہ کہتے ہیں جسے غم "جرأت"
ہے محبت کے سوا کون خریدار اپنا

——

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

——

ڈھونڈھ کر تجھ سے پری‌زاد کو دل میں نے دیا
ہوں اب اس بات سے میں آپ ہی مفتوں اپنا

——

کیسا پیام؟ آکے یہ تو نے صبا دیا
مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا
آتے ہی یار کے جو میں سوتے سے چونک اٹھا
یہ کون جاگتا تھا کہ جس نے جگا دیا
کیا اپنے دل کو روؤں میں "جرات" کہ عشق نے
مانند شمع آہ مجھے سب جلا دیا

اے جنوں! ہاتھوں سے تیرے آتے ہی فصل بہار
مثل گل، یہ جیب و دامن ناگہاں ٹکڑے ہوا

"جرات" کو قتل کر کے پشیماں کیوں ہے تو
ظالم وہ اپنے جی سے گیا تجھ کو کیا ہوا

پوچھتے کیا ہو ہمارا بود و باش اے دوستو
جس جگہ جی لگ گیا اپنا وہی مسکن ہوا

یا وہیں کا ہو رہے گا، یاعدم کو جائے گا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائے گا
کیسے ویرانے میں پھینکا مجھ کو تونے اے فلک
کون یاں جز ابر میری خاک پر رو جائے گا

آوارہ گرچہ اور بھی عالم میں ہیں بہت
لیکن نہیں کوئی دل خانہ خراب سا

بحر جہاں کے دید سے غافل نہ رہیو تو
نادان! یہ تجھ میں دم ہے کوئی دم حباب سا

قدر پھر اپنی ہو گیا، اس کے خریداروں میں
روز و شب جس کے گلی میں رہے بازار لگا

کھینچے کیوں کر نہ اسے بادشہ کشور حسن
کہ جہاں جا کے وہ بیٹھا وہیں دربار لگا

میں ہوں خورشید سر کوہ یقیں ہے وہ ماہ
آئے گا بام پہ تب، جب کہ میں ڈھل جاؤں گا

اے خیال شمع رویاں تو سدا روشن رہے
خانۂ دل کو مرے تونے تو روشن کر دیا

وہ اٹھاتا ہے گلی سے اور میں اٹھ سکتا نہیں
اب تو جی ہونے لگا اس ناتوانی سے نڈھال

کچھ نصیحت نے نہ کی تاثیر گو اک عمر تک
مجھ کو ناصح اور میں اس دل کو سمجھاتا رہا

جس کو تو ڈھونڈے ہے وہ ہم نشیں جاتا رہا
جان تو مجھ پاس ہے، پر دل کہیں جاتا رہا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن کی خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

سوچ رہ رہ کر یہی آتا ہے اے "جرأت" مجھے
خلق کرنے سے مرے خالق کو حاصل کیا ہوا

یک بار ترے ہجر میں برباد ہو گیا
جتنا کہ آہ دل میں مرے صبر و تاب تھا

بزم میں کل نگہ مست سے اس کی یا رو
کوئی ایسا نظر آیا نہ کہ مدہوش نہ تھا
آج اس کوچے میں کیا جا کے تو سن آیا ہے
"جرأت" ایسا تو کبھی آکے تو خاموش نہ تھا

تیرے محبوس نے شاید کی رہائی پائی
شب کو اک شور عجب وضع کا زنداں میں رہا

آہ جب کوچۂ جاناں ہی میں جانا نہ رہا
تو کہاں جائیں کہ جانے کا ٹھکانا نہ رہا

تھی یہ خواھش کہ کرے ھم پہ ترحم کي نظر
سو وہ اب قہر سے بھي آنکھ دکھانا نہ رھا

"جرات" اب کیوں کہ بچے جان کہ آہ
زھر غم دل میں اثر کر ھی گیا

دل مجھ سے جو بے درد سے میں یار لگایا
اک جان کو سو طرح کا آزار لگایا
چل سیر کو ٹک تو بھی کہ سودائی نے تیرے
بازار نیا اک سر بازار لگایا

یاں جي ھي ٹھہرتا نہیں مجھ خستہ جگر کا
واں تم جو ارادہ کئے بیٹھے ھو سفر کا

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ھوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

اُس کا بیمار نہ نکلا کبھو باھر "جرأت"
گھر سے تابوت ھي آخر میں نکلتے دیکھا

یہ خاک بہ سر تو اے پیارے　　کوچہ ہی میں تیرے گھر کرے گا
یا ہم ہی نہیں ہیں، یا نہیں پھر　　ادھر کو جو تو نظر کرے گا

آج کی رات کٹے دیکھئے کس مشکل سے
دوستی وعدۂ دیدار سحر پر رکھا
ہاتھ ''جرأت'' کے جو سنگ وہ دل دار لگا
کبھی چھاتی سے لگایا کبھی سر پر رکھا

دل لے کے پھر دوبارا وہ اس طرف نہ آیا
کیوں آشنا ہوا تھا میں ایسے بے وفا کا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ہوا اور بھی دعویٰ اسے یکتائی کا

مرگیا درد اٹھا کر جو وہ تنہائی کا
کوئی اٹھاتا نہیں لاشا ترے شیدائی کا
ایڑیاں کیونکہ نہ رگڑیں کہ دیا دل اس کو
جس کے در پر نہیں مقدور جبیں سائی کا
کوئے جاناں ہے یہ ٹک دیکھیو اے ہمدم ہاتھ
کہ ٹھہرتا نہیں یاں پاؤں شکیبائی کا

دے گیا جاتے وقت دل پر داغ   میں جو بندہ ہوں اس نشانی کا

کبھو صبا جو ہووے گذر کوئی یار میں
دل سب طرف سے آپ کے جانے سے اُٹھ گیا
ہمدم نہ مجھ کو قصہ عیش و طرب سنا
مدت سے دل کچھ ایسے فسانے سے اٹھ گیا

میں باغ جہاں شجر سوختہ ہوں گا
کیسی ہی بہار آئے نہ پھولوں نہ پھلوں گا
اوسان نہیں رہتے جو دیکھ اُس کو کہوں کچھ
یوں کہنے کو کہتا ہوں کہ کیا کیا نہ کہوں گا

آن پہونچا نہ وہ اور جان لبوں پر پہونچی
دیکھ اب دیر نہ اے عشق کی تاثیر لگا
نگاہ قہر سے وہ دیکھ' روتے ہم کو دیکھے ہے
اثر اتنا تو دیکھا ہم نے اپنے اشک باری کا

گر آزمائی ہے مری الفت تو جلد یاں دم نزع
تم آن پہونچو کہ ہے وقت امتحاں پہونچا

دم کا ہے کیا بھروسا کب تک رکا کرے گا
اے دل ترا تڑپنا کیا جانیں کیا کرے گا

اب اٹھ کے بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے
کب تک یہ درد پیارے دل میں اٹھا کرے گا

تجھے کیا دیکھوں اے خورشید عالم
کہ عالم یاں تو جوں شبنم ہے میرا
اُلجھ پڑنے کو جي ہر ایک سے ہے
مزاج اس بن یہ کچھ برہم ہے میرا
ہوا بڑھنے سے درد دل کے ظاہر
کہ جینا کچھ بہت اب کم ہے میرا

ہمدم نہ پوچھو حال سنایا نہ جائے گا
یہ ضعف ہے کہ لب بھي ہلایا نہ جائے گا
تو ہی اب اِس مریض محبت کي لے خبر
"جرأت" سے تیرے در تک اب آیا نہ جائے گا

لو مبارک ہو کہیں آنکھیں تمہاري بھی لگیں
تم بھی اب رونے لگے دو دو پہر اچھا ہوا

خیال اپنا ہمیں جس نے لگایا
نہ آیا خواب میں بھي وہ نہ آیا

هوئي قسمت میں اخر تلخئي مرگ
مزا یہ زیست نے اچھا چکھایا

دیکھنا دشوار ہے اب اس بت دل خواہ کا
ہم کو یہ در پردہ گویا عشق ہے اللہ کا

ایک عالم جس پہ غش ہے وہ خدا جانے ہے کیا
ہم نے تو عالم نہ دیکھا یہ کسي انسان کا

سارے عالم سے دلا تو کس لئے بیزار ہے
ان دنوں میں پھر کوئی تجھ سے خفا کیا ہو گیا

کسي نسخہ میں پڑھے تھا وہ مقام دل نوازی
مجھے آتے جوں ہي دیکھا ورق کتاب اُلٹا

دے سکیں جس کا نہ ہم تم کو جواب — منھ سے وہ بات نہ فرمائیے گا
ہو در یار پہ سجدہ جو نصیب — سر کو پھر واں سے نہ سرکائیے گا
ناصحو آپ میں "جرأت" نہ رہا — اب سمجھ کر اسے سمجھائیے گا

اُڑادي خاک مري تونے ہائے صرصر آہ
فنا ہوے پہ بھي میرا نہ واں غبار رہا

نہ دیکھا مڑ کے بھی یاران رفتگاں نے مجھے
میں ناتواں انھیں کس کس طرح پکار رہا
لگاؤں چھاتی سے ''جرأت'' نہ کیوں کہ اس کو کہ یہہ
وہ ہاتھ ہے کہ کس کے گلے کا ہار رہا

کر بند نہ اشک چشم تر کر بہتر ناسور کا ہے بہنا
اللہ رے سادگی کا عالم درکار نہیں کچھ ان کو گہنا

مجھے اس شمع رو کے غم میں جلتا دیکھ کر یارو
تصدق آن کر ہوتا ہے لاکھوں بار پروانا
قیامت کے بھی دن سے ہجر کا دن سخت ہوتا ہے
خداوندا! یہ مجھ کو دن نہ دکھلانا نہ دکھلانا

دل کی خبر نہ پوچھو کچھ، آج کل عزیزو
کیا جانیں دل کہاں ہے دو چار دن سے اپنا

جوش وحشت سے عجب صبح تھی یہ ایام بہار
یعنی کس وقت گریباں مرے داماں میں نہ تھا

حباب وار ہے آنکھوں میں جان مرغ اسیر
چمن تک اب تو قفس اس کا باغباں پہونچا

آغاز محبت میں نہ دی پند کہ ناصح
تھیں اس کو لگاتے نہیں جو زخم ہو آلا
"جرأت" سے بھی عاشق نہیں ہوتے کہ شب و روز
ہے محو بتاں سلمہم اللہ تعالی

دل کے لگ جانے سے جی تن سے ہمارے نکلا
دل لگانے کا تھا ارمان سو بارے نکلا

عاشق کے بعد مرگ یہ بے درد نے کہا
یہ جان سے گیا تو گیا اپنا کیا گیا

یا رائے گفتگو نہ رہا ضعف سے تو آہ
کس کس کا منھ تکے ہے ترا ناتواں پڑا

اپنی بے خوبی کی باتیں جمع ہوتے ہوتے آہ
نیاد اڑا دینے کا اک اچھا فسانہ بن گیا

دل دم کا ہے مہماں بخدا اے بت بے رحم
کر رحم کہ یہ قابل آفات نہیں اب
اللہ ہی پہ روشن ہے دلوں کی تو حقیقت
ظاہر میں تو کچھ حرف و حکایات نہیں اب

نہیں اٹھنے کی "جرأت" ہم کو اُمید
یہاں بیٹھے ہیں جوں نقش نگیں اب

درد عشق آیا جو دل میں صبر رخصت ہو چلا
گھر کو چھوڑا صاحب خانہ نے مہماں کے سبب

سر کو ٹکرا نے بھی کہتے ہیں ہم ہائے نصیب
ربط دو شخصوں میں سنتے ہیں جو اے "جرأت" ہائے

رات اس کے گھر میں ہنستے بولتے تھے سب بہم
اک ہمیں بیٹھے تھے در پر صورت دیوار چپ

چلی آتی ہے ناداں صبح پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات
گذرتی ہے بہ ایام جدائی
تڑپتے شام سے لے تا سحر رات

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدہ پہ حالت تھی یہ ہماری رات

اُدھر دست جنوں کو ربط ہے تجھ بن گریباں سے
اِدھر ہے آستیں کی دیدۂ خوں بار سے صحبت

گرداب بحر غم میں یکایک ہماری آہ
کشتی جب آ پڑی تو گیا بادبان ٹوٹ

دل تو لبریز شکایت تھا، ابھی اُس کو دیکھ
بند میرا لب گفتار ہوا کس باعث
مرض عشق مجھے آپ وہ دیکے "جرات"
پوچھتا ہے کہ تو بیمار ہوا کس باعث

کام دل واں کسی صورت سے نہیں بر آتا
بےقراری ہمیں لے جائے ہے دن رات عبث

ہم کو کل تک نہیں جینے کی اُمید
جی پہ ایسا تعب عشق ہے آج

کوئی دم میں اس کے جانے کی یہاں سے خبر ہے آج
چل آ شتاب بےخبری تو کدھر ہے آج
کل رات وصل یار سے عشرت کدہ تھا ہائے
مانند قید خانہ وہی اپنا گھر ہے آج
پیغام یار آیا تو ہے پر سنیں سو کیا
بےخود کچھ اپنی طرح سے پیغام بر ہے آج
کل تم نہ تھے تو رات تھی پیارے بلا طویل
اب ہو تو تم دیکھ کے دم میں سحر ہے آج

"جرأت"! میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دل کی طپش کا، کاهش جاں کا، نہیں علاج
کیا کیجے تیرے غمزدگاں کا نہیں علاج

کوچۂ یار میں پہونچے ہیں تو بس رهنے دے
جیتے جی یاں سے کہیں گردش ایام نہ بھیج

تھی مری شکل گل اس بن، یہ گلستاں کے بیچ
جیسے بیٹھے خفقانی کوئی زنداں کے بیچ

کہتا ہے مجھ کو منہ سے جو ہر ایک آن تلخ
اے لب شکر نہ ہو کہیں تیرا دہان تلخ

حیراں نہ ہو سر دیکھ مرا، اپنی زمیں پر
دیکھو تو لکھا کیا ہے میری لوح جبیں پر
یہ دل کی طپش سے ہے قلق جان حزیں پر
گویا کہ کوئی دیے دیے پٹکتا ہے زمیں پر
آزردگی یار کہوں یا غم اغیار
کیا کیا نہیں اندوہ مری جان حزیں پر

میں روز و شب ہوں اس آرزو میں کہ دیکھوں دن رات تجھ کو بیٹھا
بلائیں لے لے کے زلف و رخ کی فدا ہوں لیل و نہار تجھ پر

چلا صبح گھر کو وہ ، اے کاش کوئی
لگا دے موا بخت روئے سحر پر

کچھ نہ دیکھا اُٹھا کر سر نگوں بیٹھے رہے
محفل خوباں میں ہم اس بد گماں کو دیکھ کر

اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹتا سر
تو روئیو اے دیدۂ خوں‌بار سمجھ کر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ
یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر

یہ بھی کوئی ستم ہے' یہ بھی کوئی کرم ہے
غیروں پہ لطف کرنا' ہم کو دکھا دکھا کر

طوبےٰ کی' ہم کو شیخ نہ ترغیب تو دلا
جاویں گے ہم نہ سایۂ دیوار چھوڑ کر

اے ہم صفیرو ! آہ تم آزاد ہو چلے
گلچیں قفس میں مجھ کو گرفتار چھوڑ کر

تري فرقت میں یوں " جرأت " نے اپني جان دي ظالم
مجھے آتا ھے رونا اس کي جي دینے پہ رہ رہ کر

جلوہ تجھے کس آئینہ رو کا نظر پڑا
" جرأت " جو دیکھتا ھے تو حیراں اِدھر اُدھر

نہ جی کو دل کي خبر ھے نہ دل کو جي کي خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر

بہ رنگ بلبل تصویر کیا کہوں تجھ سے
نہ اپنی مجھ کو خبر ھے نہ گلستاں کی خبر
ترے خیال میں دونوں جہاں سے ہم گذرے
نہ اس جہاں کی خبر ھے نہ اس جہاں کی خبر

اے دل نہ کھینچ آہ جہاں سوز دم بہ دم
کوئی گھڑی تو جبر بھي تو اختیار کر

جاتا ھوں میں گلي سے تري ' پر یہي ھے سوچ
پلکوں سے اس کو کون رکھے گا بہار کر

قفس میں ہم اسیروں کے تئیں جینے دے کوئی دم
نسیم صبح تو مت بوئے گل ہمراہ لایا کر

غم کھانے سے دنیا کا اسے کام نہیں ہے
جو کوئی کہ عاشق ہے وہ غم کھاے ہے کچھ اور
میں اور توقع پہ اسے بھیجوں ہوں نامہ
اور واں سے مرے خط کا جواب آئے ہے کچھ اور

اب عشق تماشا مجھے دکھلائے ہے کچھ اور
کہتا ہوں میں کچھ منھ سے نکل جائے ہے کچھ اور

چمن دکھایا نہ صیاد نے کبھی ہم کو
رکھا قفس کو بھی دیوار گلستاں سے دور

اس کے ملنے سے کرے ہے منع ناصح مجھ کو واہ
ایک پایا ہے جسے سارے جہاں کو چھان کر

قاتل خدا کے واسطے شمشیر جلد کھینچ
بار گراں یہ سر ہے تن ناتوان پر
کیا جانیں اس کے کوچہ میں ''جرأت'' پہ کیا ہوا
کل واں ہجوم خلق تھا اک نوجوان پر

شب خواب میں جو یار کا در آئے ہے نظر
کھلتی ہے آنکھ موت کا گھر آئے ہے نظر

مت اٹھا یار! تیرے کوچہ میں
آن بیٹھا ہوں دو جہان کو چھوڑ

کھلتے نہیں کش مکش دام سے، مرغان اسیر
کھینچ لاتی ہے ہمیں جانب گلزار ہوس

لگ اٹھی یوں دل سوزاں سے جگر کو آتش
جیسے اک گھر سے لگی دوسرے گھر کو آتش

ہم گریہ ناک مرگئے اک آہ کھینچ کر
راس آئی تجھ بغیر یہ آب و ہوائے باغ

وہ گیا کس طرف، اٹھ جانے سے جس کے یارب
دل کسی اور طرف جائے ہے جاں اور طرف

لاکھ گالی کھی ہے! کم مت دے
میں گنوں گا نہ ہو حساب میں فرق
آنکھ جب سے کھلی نہ دیکھا کچھ
زندگانی میں اور حباب میں فرق

تن سے میرے سر اُتر جاوے تو هو جاؤں سبک

اب اٹھا سکتا نہیں میں اپنے سر پر بار عشق

کبیریائی میں ہوا وہ بت دل خواہ ہے ایک

لوگ سچ کہتے هیں یہ بات کہ اللہ ہے ایک

درد فراق سے ہے یہ بہتر کہ آئے مرگ

کردے چراغ عمر کو گل اے هوائے مرگ

اشک جو تھم رہے هیں آنکھوں میں

ہے مگر انتظار لخت دل

عمل حسن پرستی میں ہے کیا مصروف

ابھی واقف جو نہیں اس کے مکافات سے دل

دس خرابی سے هوئی صبح نہ پوچھو یارو

کیا کہوں هائے کہ کہنے میں نہیں رات سے دل

آہ اس میکدۂ دهر سے آخر اپنا

جام معمور هوا پر نہ ملا جام وصال

افسوس ہے کہ هم تو تڑپتے هیں دام میں

اور کہاں رہا ہے کیا گل و گلزار آج کل

آنکھوں میں اشک، جان بہ‌لب سینہ چاک ہے

"جرأت" کہیں ہوا ہے گرفتار آج کل

اس مژہ کی مرے دل سے کوئی جاتی ہے کھٹک

وہ نہیں تیر کہ یوں کھینچ کے سوفار نکال

چھوڑ اس ضبط کو گھٹ گھٹ کے نہ دے جان اپنی

نکل اس قید سے زنجیر کی جھنکار نکال

میں تو سب کچھ چھوڑ بیٹھا ہوں تمہارے واسطے

چھوڑ کر تنہا کہیں پھر مجھ کو کیا جاتے ہو تم

میں تو حیراں ہوں کروں کیوں کر کنارہ تم سے جان

سامنے ہوتے ہی بس دل میں سما جاتے ہو تم

نہ ہو اک دم کے خاطر سر گراں تم کہاں یہ بزم پیارے اور کہاں تم

بہ دریائے محبت زورق آسا غم کے مارے ہم

کبھی ہیں اس کنارے اور کبھی ہیں اس کنارے ہم

فراق یار میں کیا، آنا جانا سانس کا کہئے

کلیجے پر سدا کھینچا کیا کرتے ہیں آرے ہم

مرے وحشت سے رک کر دل ہی دل میں یوں وہ کہتا ہے

الٰہی، لگ گئے کیوں ایسی دیوانے کو پیارے ہم

جوراہ ملاقات تھی سو جان گئے ہم ‏ ‏ اے خضر تصور ترے قربان گئے ہم

کہے ہے یوں دل مضطر سے اُس بن جان غم دیدہ
چلو تم رفتہ رفتہ آتے ہیں پیچھے تمہارے ہم
نہ مانی دل نے اپنی اور نہ ہم نے بات ناصح کی
ہمیں کہہ کہہ کے ہارا وہ اسے کہہ کہہ کے ہارے ہم

آنکھوں سے جدا کب ہے حقیقت میں وہ لیکن
اس کو تو تصور کی حقیقت نہیں معلوم

خدا کے واسطے سینے کو کوئی چاک کرو
کہ جاں بہ‌لب ہیں اب اس دل کے اضطراب سے ہم
جو دیکھنے کو ہمارے وہ دیکھے ہے "جرأت"
تو آنکھ اپنی چرا لیتے ہیں شتاب سے ہم

یا تو اس کے گھر سے آتے تھے نہ اپنے گھر کو ہم
یا اب اپنے گھر میں بیٹھے دیکھتے ہیں در کو ہم

دکھ جدائی کے ہمیں تونے دکھائے اے زیست
کاش کہ وصل ہی میں جی سے گذر جاتے ہم

مرض عشق کو تھوڑا نہ سمجھنا اے دل
ایک دن کام کرے گا یہی آزار تمام
تیرے هی نام کو جیتے هیں سب اے بت اب تو
ایک مذهب پہ هوئے کافر و دیں دار تمام

هوگئے سنتے هی هم وصل کا پیغام تمام
کام دل کچھ نہ بر آیا کہ هوا کام تمام

سارے عالم سے کچھ جدا هے آہ دل خانہ خراب کا عالم
کچھ بھروسا نہیں هے جینے کا زندگی هے حباب کا عالم

سینہ' دل سوزاں کے گئے پھر بھی رها گرم
دهکے هے جہاں آگ تو رهتی هے وہ جا گرم
کھینچے هے دم گریہ جو دل آہ جہاں سوز
حیرت هے کہ برسات میں چلتی هے هوا گرم

جوں اٹھے پاس سے اس شوخ دلا رام کے هم
اٹھتے هی بیٹھ گئے اپنا جگر تھام کے هم
گھر میں جانا تو کہاں اس کے میسر هے مگر
صدقے جاتے هیں تصور سے در و بام کے هم

نہیں لگتا دل آبادی میں اب جی پر یہ گذرے ہے
گریباں چاک کرکے دامن کہسار دیکھیں ہم

مثل آئینہ باصفا ہیں ہم دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
تک تو کر رحم اے بت بے رحم آخرش بندۂ خدا ہیں ہم
دل کے ہاتھوں سے اے میاں ''جرأت'' زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

کہتا ہوں کہ مت ہو مری فریاد سے غافل
قائل ہے مری آہ کی تاثیر کا عالم
باتیں تو سبھی کرتے ہیں اے جان! جہاں میں
ہے سب سے نرالا تری تقریر کا عالم

لائے تشریف دم بے خبری تم افسوس
پوچھنے پائے تمھاری نہ خبر تم سے ہم
جیتے جی ہو نہ جدا تم یہی بہتر ہے کہ بس
ہم سے رخصت ہو اِدھر تم اور اُدھر تم سے ہم

روز کہتے ہیں وہ آوے تو کہیں ہم ''جرأت''
جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

چھاتی سے لگائے تھے سو ہے نزع میں ''جرأت''
اب کس کے حوالے تری تصویر کریں ہم

هستی کی کھلی بات، پس ازمرگ کہ تھا خواب
جب بند ہوئي آنکھہ تو بیدار ہوئے ہم
جو جنس گراں مایہ ہے نایاب زمانہ
افسوس اسی کے ہي طلب‌گار ہوئے ہم

اب تو کچھہ ہمدرد سے میرے آتے ہو تم مجھہ کو نظر
ہم سا کوئی شاید پیارے تم کو ملا ہے اور کہیں

یہ دعا ہے کہ ترے کوچہ سے اتھیں مر کے
جیتے جي یاں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
خاک ہونے پہ بھي اس کوچے میں ''جرأت'' ہے یہ خوف
یاں سے لے جائے اڑا کرنہ صبا اور کہیں

قید ہستي سے ہوا شاید رہا تیرا اسیر
آج شور و غل نہیں ہے خانۂ زنجیر میں

لاؤ اس آئینہ رو کو، مت دکھاؤ آئینہ
اور کچھہ حالت ہے ''جرأت'' کي اسے سکتا نہیں

میری بے تابی سے محفل میں یہ دھڑکا ہے اُسے
اٹھہ کے ہونے نہ لگے یہ میرے قربان کہیں

روئے ھے بات بات پہ "جرأت" ھے گرفتار یہ کہیں نہ کہیں

اب وہ آواز ھی کانوں میں نہیں آتی ھے
کون ایسا نہیں اس در پہ جو پہونچائے ہمیں

دل کی طپش سے صدمے جوں برق جان پر ھیں
گاھے زمیں پہ ھیں ھم گہ آسماں پر ھیں

ھم دونوں کو کچھ اس بن سدھ بدھ نہیں ھے "جرأت"
دل ھم سے بے خبر ھے ھم دل سے بے خبر ھیں

جلوہ گر ھے وھی ھر مجلس میں اللہ اللہ
طرفہ وہ شے ھے کہ جس شے کا خریدار ھوں ھیں

دل بے تاب کی کرتا نہیں جب کوئی غم خواری
تو پھر ناچار میں ھی اپنے چھاتی سے لگاتا ھوں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ھوں
تو شکل نقش پا ھر ھر قدم پر بیٹھ جاتا ھوں

خانۂ پر ورد قفس' ھم ھیں اسیر اے صیاد
تو بتادے ہمیں پرواز کسے کہتے ھیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اس کو
ابھی مت پوچھو کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

اس بن جہان کچھ نظر آتا ہے اور ہی
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

تفرقہ ایسا بھی کم دیکھا ہے اے ہمدم کہیں
دل کہیں ہے، جی کہیں ہے، وہ کہیں ہے، ہم کہیں
آمد و رفت نفس کب بے سبب ہے جلد جلد
ہوں تو بیٹھا، پر چلا جاتا ہوں میں ہردم کہیں

تا جہاں سے نہ اٹھیں ہم نہ اٹھیں گے یاں سے
کوئے جاناں میں یہی کر کے یقیں بیٹھے ہیں
کیا بھلا حاصل ہے دیوانے کے سمجھانے سے آہ
کوئی اتنی بات بھی ناصح کو سمجھاتا نہیں

اے ہم نوا قفس میں اسیروں کو جینے دے
کیوں دے ہے فصل گل کی خبر آہ تو ہمیں
اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ
مرنے تلک رہیگی یہی آرزو ہمیں

دل ھے پہلو میں مرے روز ازل کا دشمن
جان هي لے کے یہ چھوڑے گا بغل کا دشمن

کہاں اے اشک خونیں دل کو ڈھونڈھوں
ترے باعث گیا یہ سل لہو میں

سحر کو بلبلیں کرتي هیں غل' غنچے چٹکتے هیں
قفس کے هم درد دیوار سے سر کو پٹکتے هیں

آ جاوے تو حال دل سنائیں   رہ جاوے نہ جي کی بات جي میں

قفس کو اس کے نہ لے جائیو چمن کي طرف
کہ یہ ھے مرغ گرفتار اس میں حال نہیں

خوں چھپانا ھے تو میں تجھ کو جتا رکھتا ہوں
تیرے دامن پہ نشاں هي تجھے معلوم نہیں

ذکر سن تو جو هنسے ھے دل گم گشتہ کا
کچھ نہ کچھ میں بھي تو اس بات سے پا جاتا ہوں
میرے رونے کا سبب پوچھتے کیا ھو مجھ سے
دو گھڑي آن کے میں تم کو هنسا جاتا ہوں

گرمی مرے کیوں نہ ہو سخن میں　　اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں
خواری کا مرے وہ لطف سمجھے　　کامل ہو جو عاشقی کے فن میں
بے تابی دل کرے ہے رسوا　　کیا جائیے اس کی انجمن میں

بے اجل مجھ کو کیا درد محبت نے ہلاک
مبتلا ہو وے نہ یارب کوئی اس آزار میں

نیستی بہتر تھی اس ہستی سے کیوں اے زندگی
کس خرابی میں پھنسایا تونے یاں لاکر ہمیں

بات مجھ سے اس کی محفل میں نکلنے دے درست
آہ اے بے تابئی دل یاں نہ رسوا کر ہمیں

ہمنشیں! پوچھو مت کہیں ہوں میں
ان دنوں آپ میں نہیں ہوں میں

وقت وداع یار، نہ نکلا زباں سے کچھ
بس وہ اُدھر اُٹھا کہ غش آیا اِدھر ہمیں

تدبیر سے کب وصل ہو اس شوخ کا ہمدم
موقوف ہر اک بات ہے تقدیر کے ہاتھوں

کہاں تک تار تار اس کا بھلا جوڑے گا تو ناصح
گریباں چاک کر اپنا رفو میرا نہ کر دامن

——

اب تو کوچے میں ترے بیٹھ گئے آ کر ہم
یاں سے جاویں گے نہ جوں نقش قدم اور کہیں

——

رکھیو یارب تو پھنسا دل کے گرفتاری میں
موت بھی آوے تو آوے اسی بیماری میں

——

همنشیں! باتوں پہ تیری کیا کروں هربار هوں
تجھ کو اک قصہ لگا میں جان سے بیزار هوں

——

اپنے بیمار کی مت پوچھ غذا کچھ سوا غم کے وہ کھاتا هي نہیں

دعا سے اور دوا سے فائدہ کب هم کو هوتا هے
همیں هے عشق کا آزار کرتے هیں ضرر دونوں

——

جانے سے تیرے اے صنم! ٹھرے نہ ٹھرے تن میں دم
زیست کا کیا هے اعتبار دیکھئے کیا هو کیا نہ هو
باغ جہاں میں بے گناہ بلبل خستہ دل کا آہ
دشمن جاں هے خار خار دیکھئے کیا هو کیا نہ هو

ہم نے قمار عشق میں دل کا لگا دیا ہے دانوں
جیت ہو اپنی یا کہ ہار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو

کاش رہتا وہ یہاں کوئی دم تو دم کے جینے سے بھی گئے ہم تو
رگ ابر سے ہے ہر مژگاں کوئی طوفاں ہے چشم پر نم تو

دل نے اک نالہ کیا درد جدائی کے سبب
ہم نے جب پہلو سے کھینچا اپنے تیرے تیر کو
دل کی جی دینے کا "جرأت" تم کو بھی افسوس ہے
کی بہت تدبیر لیکن کیا کریں تقدیر کو

مرگ سو بھی ہے آج کل مجھ کو بے کلی سے نہیں ہے کل مجھ کو
غم ہجراں سے دل گیا شاید خالی لگتی ہے کچھ بغل مجھ کو

وہی پیغام کہیو اے قاصد جو مرے یار کی زبانی ہو

ذرا تو اپنے اسیروں کی لے خبر صیاد
قفس میں کیسے ترستے ہیں آب و دانے کو

وصل میں جس کے نہ تھا چین سو "جرأت" افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ ہیں جتنے طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

رکھا مجھ کو قفس میں آہ میری نغمہ سنجی نے
ہزار اب سر کو پٹکوں میں' ولے کیوں کر رہائی ہو

اب تو قلق سے اس کے ٹھہرتا نہیں ہے دم
روکوں کہاں تلک دل پر اضطراب کو

کرم اس کا ہو وے تو خوش سب جہاں ہو
خدا مہرباں ہو تو کل مہرباں ہو
کرو یاں مری کچھ نہ تدبیر یارو
وہیں لے چلو تم مجھے وہ جہاں ہو

شمع ساں بھڑکا دیا ہو غم سے سرتا پا جسے
خاک پھر اس دل جلے کو زندگانی راس ہو

آنے کی خبر ہے اس کے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو

عزیزو ہوسکے اس دل کی جو تدبیر کر دیکھو
خدا کے واسطے سینہ شتابی چیر کر دیکھو

کوئی کہتاہے مرناھي اب اس کے حق میں بہتر ھے
کوئي کہتا ھے دیوانہ ھے یہ' زنجیر کر دیکھو

نہ کر صیاد اُنہیں آزاد جو پابند اُلفت ھیں
گرفتاری سے بدتر جانتے ھیں وہ رھائی کو

گر چرایا نہیں ھے تم نے دل مسکراتے ھو کیوں ادھر دیکھو

اس کے آنے میں اب جو دیر ھے کچھ
یہ بھی قسمت کا ھیر پھیر ھے کچھ

جی دیا ھم نے تو پہلے ھي ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ھوا عشق کے آغاز کے ساتھ
ناتواں ھوں میں یہاں تک کہ قفس سے چھوٹوں
جی نکل جائے مرا پہلے ھي پرواز کے ساتھ

ناصح کی نصیحت کا اثر ھم کو نہیں کچھ
ھیں بے خبر ایسے کہ خبر ھم کو نہیں کچھ

چھوڑا گلزار سے دور اور پر بلبل کترے
ھائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے

ہونے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہم نے تو اتنی بھی نہ فرصت پائی

یاں تلک اس دل کی بے تابی نے ہے رسوا کیا
جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے دیوانا مجھے
بے وفائی مجھ سے تو مت کیجیو اس وقت میں
اس کے کوچہ تک ذرا اے عمر پہونچانا مجھے
بس کہ روتا ہوں میں اس کے ہجر میں بے اختیار
دیکھ کر ہنستا ہے یارو اپنا بیگانا مجھے

جب بلندکیں آنکھیں تو ہوئے یار سے ہم دزم
کیا راہ ملاقات کی ہموار نکالی

مریض عشق ہیں ہم جس کے کیا تماشا ہے
کہ اپنی درد کی پوچھے ہے وہ دوا ہم سے

کہتے ہیں عزم سفر یار کا ہے وقت سحر
مجھ کو فردا نظر آتا ہے قیامت ہوگی

کیوں نہ روؤں کیا کروں مجبور ہوں لاچار ہوں
اختیار اب لے کے تم بے اختیاری دے گئے

در تلک تو اس کے آپہونچے ہیں پرائے سیل اشک
کچھ مدد ہو اور بھی تھری تو بیڑا پار ہے
ہائے وہ لڑنا ہی تھا اس کا غنیمت وصل میں
صلح کو روتے تھے کیا اب جنگ بھی دشوار ہے

ہاتھ اتھاتا ہے مری نبض کو یوں دیکھ طبیب
جیسے جیلے سے کوئی ہاتھ اُتھا لیتا ہے
جاں بہ لب جان کے عاشق کو نہ در سے اُتھواو
اپنا جی دیتا ہے وہ آپ کا کیا لیتا ہے

سو طرح کا سوچ اپنے دل میں اس دم آئے ہے
کان میں اس کے کوئی جب آ کے کچھ کہہ جائے ہے
کیا مزے سے خون دل پیتے ہیں ' اور کھاتے ہیں غم
جو کسی کو خوش نہیں آتا وہ ہم کو بھائے ہے
کیا طبیعت ہے اُداس اب سچ ہے اے "جرأت" یہ بات
جی کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

سب خواب میں اس شوخ کے آنکھوں پہ قدم تھے
پھر آنکھ کُھلی کھل تو عجب سوچ میں ہم تھے
تھا بزم جہاں بیچ عجب لطف یہ لیکن
ٹک چونک پڑے ہم تو وہ محفل تھی نہ ہم تھے

کیا غضب ہے دل کے لگ جاتے ہی جاتے ہیں حواس
اور جو ہے عاشقی سو کام ہشیاروں کا ہے

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے و لیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جان آ پہونچی ہے گھبرا کر مرے ہونٹوں پہ جان !
اب بھی آ پہونچو جو میری زندگی منظور ہے

خود بہ خود دل سے جو نکلے یہ تمنائے وصال
یا الٰہی یہ مری آہ اثر تک پہونچے

دیکھ دریاے محبت میں اب احوال مرا
کف افسوس کبھی ملتے ہیں ساحل والے

بیمار محبت ہوں نہ غم خوار ہو میرا
صحبت سے مرے تو کہیں بیمار نہ ہو جائے

کہا لاچار ہم نے ضعف سے یوں پاؤں پھیلا کر
قدم اٹھتا نہیں تم جاؤ ! ہم اے ہمرہاں بیٹھے

رنج تھوڑا سا اٹھانا تجھ کو ہمدم اور ھے
تن میں مجھ بیمار غم کے دم کوئی دم اور ھے
کل ھي بستر پر ھمیں تھا ضعف سے اُٹھنا محال
اور دیکھا آج طاقت کو تو کچھ کم اور ھے

یوں وہ آنکھوں میں کھے ھے جب کہ روتا ھے کوئی
پھوٹ پھوٹ اتنا نہ رو بدنام ھوتا ھے کوئی

فقط میں اس کی کہوں سادگی کا کیا عالم
لگے نہ لاکھ طرح سے جسے بناو کوئي

ناصح میں اور ہم میں یہ صحبت ھے طرفہ آہ
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ھے

گر پختہ مزاج ھو تو سمجھو ھے رشتۂ خام زندگانی

جس جگہ جائے نظر آجا شتابي تو مجھے
کل نہیں پڑتی کسی کروٹ کسي پہلو مجھے

دے کےجي عشق میں ہم چھوڑ چلے اے "جرأت"
ایک افسانۂ پر درد زمانے کے لئے

چھیڑے اب شعر کہنا ہم سے کیوں کر آہ اے "جرأت"

مثل ہے دل میں عاشق کی سدا ناسور رہتا ہے

شب کو اس تن تن سے میری جان جو جانے لگی

آہ سوزاں آگے آگے شمع دکھلانے لگی

اب تو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی

میری بےتابی جو اس بےدرد کو بھانے لگی

وہ جس طرف سے آن نکلتا تھا گاہ گاہ

رہتی ہے اپنی آنکھ ادھر بیشتر لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیوں کر

جس کو پایا ہو جان کھو کھو کے

وہ اور ہیں جو رکھتے ہیں منہہ دیکھے کی اُلفت

مر مٹتے ہیں اک بات پہ ہم چاہنے والے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آ تماشا تو بھی دیکھ

کھینچ لائی ہے سر بازار رسوائی مجھے

لوگ آتے ہیں تماشا کو مرے بےاختیار

عشق نے جب سے کیا تیرا تماشائی مجھے

کرتے ھیں جوں گل، گریباں چاک ھم بےاختیار
جب کہ وحشت میں ھمیں باد بہاری لائے ھے

سچ ھے کب خاطر میں تو اُلفت ھماری لائے ھے
پر ھمیں مجبور یاں بےاختیاری لائے ھے

پوچھتے کیا ھو کہ سینہ پہ ھے کیوں ھاتھ ترا
کیا کہوں تم سے کہ اک درد سا یاں رھتا ھے

دل ٹھہرتا ھي تھا نہ اس بن رات
بےقراری سی بےقراری تھي
مر گئے ھجر یار میں صد شکر
جیتے رھتے تو سخت خواري تھي

نہ جی تن سے نکلتا ھے نہ تن میں دم سماتا ھے
بھلا اے اِنتظار یار یہہ کیا زندگانی ھے

وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ھے اور
ڈھل چلا یاں زیست کا دن آتے آتے شام کے

جو آتا ھے تو آ جینے کا اس کے کیا بھروسا ھے
کوئی دم اور بھي ڈھارس ترا بیمار باندھے ھے

نہیں ہے لذت دردِ محبت تم کو اے ناصح
یہ اپنی خاطر غمگیں دل خرم سے بہتر ہے

جوش گل چاک قفس سے دم بہ دم دیکھا کئے
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

کارواں جاتا رہا اب اور ہم گم کردہ راہ
گرد کے مانند صحرا میں بھٹکتے رہ گئے

یہ جی میں تھا کہ کوچے میں اس کے نہ جائیں گے
اس دل کی بےقراری کے ہاتھوں میں پڑ گئے

تو چلا اور ہم رہے جیتے   خاک یہ زندگی ہماری ہے

دل گیر جوں کھینچے کوئی تصویر اس طرح
سر لگ گیا ہے زانوئے غم پر دھرے دھرے

پہلو میں تو "جرأت" کا جگر چاک ہے یارو
ظاہر میں گریبان اگر چاک نہیں ہے

نہ صبر جی کو، نہ تاب دل کو، نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائی سے جاں میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
خموش رہنے دے مجھ کو ہمدم کہ بات منھ سے میں کیا نکالوں
کیا ہے ایسا سوال اس نے کہ سو خرابی جواب میں ہے

نا توانی سے تو نکل نہ گئی   ہائے اے جان زار کیا کیجے

دم کی آمد شد نے جب تا خیر کی
ہمدموں نے اور ہی تدبیر کی

نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
بھلا اے جنوں! اشک پونچھوں میں کس سے
نہ ہے تن پہ دامن نہ اب آستیں ہے

گاہ جیتا ہوں گاہ مرتا ہوں   مسکرانا ترا قیامت ہے
شور محشر کرے ہے دل برپا   یہ دوانا ترا قیامت ہے
حشر برپا ہوا ہے اے بدمست   لڑ کھڑانا ترا قیامت ہے

هم نشیں ہو گئے رقیب اپنے کیا گلہ کیجئے' نصیب اپنے
وہ جو روے ہے تو یہ تڑپے ہے دیدۂ و دل بھي ہیں عجیب اپنے
نہ ملے اب تو کیا کریں "جرأت" گرچہ ہے وہ بہت قریب اپنے

نہیں ہے قید هستي سے کوئي وا رستہ اے یارو
وهي ناداں ہے جو اپنے تئیں آزاد جانے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ اب الفت کسی کے ساتھ ہے
آہ یہ دل کا مزا تو اپنے جی کے ساتھ ہے

اختیار اب تو کسی بات پر اپنا نہ رہا
دل کے لگ جاتے هي اے وائے یہ مجبور ہوے

ہوتے ہیں آسماں و زمیں پل میں غرق خوں
سوجھی ہے اب یہ دیدۂ خوں بار سے مجھے

تا صبح بے کلی هي رہی شام سے مجھے
تجھ بن کٹی نہ ایک شب آرام سے مجھے
ناصح نہیں ہوں میں دل وحشی کو دوں جو پند
کیا کام ہے کسي کے بھلا کام سے مجھے

نہ دیکھو چشم کم سے دیدۂ پرخوں کا بھر آنا
کہ یہ حسرت بھرے دل کا مرے ارمان نکلے ہے

دل مرا مثل برق و باراں ہے   گاہ خنداں ہے گاہ گریاں ہے
اپنی اس چشم خوں فشاں سے آہ   کوچۂ یار بھی گلستاں ہے

ازل سے گرفتار پیدا ہوا ہے   یہ دل کیا مزے دار پیدا ہوا ہے

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے   درد غم عشق نے مارا مجھے
عشق میں پہلے وهي کرنا پڑا   جو کہ نہ ہوتا تھا گوارا مجھے

لذت درد و غم عشق ہے ایسا کہ اگر
روئیے اس میں تو رونا بھي مزا دیتا ہے

اللہ رے تجلی کہ لب بام پر آکر
دی گھر میں دکھا روشنی طور کسی نے

مالک نہیں جینے کے نہ مرنے کے ہیں مختار
افسوس کیا ہے ہمیں مجبور کسی نے

جس طرف کو جائیے وہ تو یہ دل بے تاب بھي
پیچھے پیچھے اس کے بے تابی سے دوڑا جائے ہے

سبھوں کی ھے زباں پر داستاں میری خموشی کی
مرے کم بولنے نے بات یہ کتنی بڑھائی ھے
کوئی پہچانتا مجھ کو نہیں ھے اب تو اے "جرأت"
یہ بگڑی کس سے ھے جو تونے یہ صورت بنائی ھے

داستانیں تو ہزاروں ھی بھری ھیں دل میں
پرکہوں کیا کہ نہیں ھے لب اظہار مجھے

اک دم کے بھی مہماں نظر آتے نہیں ھم تو
تشبیہ نہ دو ھم کو چراغ سحری سے
"جرأت" تو زمانے کی خبر پوچھ نہ ھم سے
اپنی بھی خبر ھم کو نہیں بے خبری سے

لے خبر جلد کہ تک ٹھہر گیا ھے اب تو
کام آخر ترے بیمار کا ھوتے ھوتے

قلق یہ اس بت کافر کی ھے جدائی سے
کہ آہ بیٹھے ھیں بیزار ھم خدائی سے
غرض نہ اپنی سی قسمت کسی کی میں دیکھی
پناہ مانگئے طالع کی نارسائی سے

مجھ سے پوچھے ہے بگو کہ وہ حقیقت میری
کچھ تو اے بے خردی بات بنانے دے مجھے

بیٹھنے اٹھنے کو اُس بزم میں پہونچے تو وہاں
بیٹھنے نالۂ جاںکاہ نہیں دیتا ہے

مصور نے جو کھینچا اُس کا نقشہ تو یہ نکلے ہے
کہ گویا منھہ سے یہ تصویر ابھی واللہ بول اُٹھے

غم سے گھٹتا یہ مرا سب میں بڑھاتا ہے اُسے
جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اُسے
لگ چلے ساتھہ نہ کیوں کر دل بےتاب اس کے
کیا کرے وہ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُسے
اس کا ہاتھہ آنا ہے دشوار کہ جوں بحر و حباب
جب کوئی آپ کو کھوتا ہے تو پاتا ہے اُسے

پوچھہ نہ ماجرائے خوں اب نہیں تن میں ہائے خوں
تپکے ہے یاس جائے خوں دل کی ہر اک خراش سے
کاش ملیں بھی یار سے سخت ہیں بے قرار سے
نالۂ دل فگار سے آہ جگر فراش سے

گئے صبر و دل و تاب و تواں جب خانۂ تن سے
اکیلے گھر میں تو پھر جان بھی کب رہنے والی ہے

سالہا گزرے کہ یہ حالت بنی جس کے لئے
دل گیا ' طاقت گئی ' دولت گئی' دنیا گئی

اے اجل اب تو یہ رسوائی نہ دیکھی جائے گی
طبع غم خواروں کی اپنی اب بہت اُکتا گئی

آہ کس پردہ نشیں سے دیدۂ دل لڑ گئے
شدت گریہ سے جو آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

یہ نقش اپنے دل کے نگینے پہ حرف ہے
گر تو یہاں نہ ہووے تو جینے پہ حرف ہے

وہ چاہنا ہمارا اب جانتے نہیں ہیں
لو چاہ نے ہماری تاثیر کی تو یہ کی
تم جو خفا ہو مجھ سے ہے اور تو خطا کیا
ہاں دل دیا ہے تم کو تقصیر کی تو یہ کی
تدبیر سے نہ حاصل ہو کچھ بہ جز ندامت
معلوم ہم نے اپنی تقدیر کی تو یہ کی

جو غور کیجے تو وہ گئے دن، کہاں کا آنا کہاں کا جانا
اک آمد و رفت سانس کی ہے بس اور اب ہم میں کیا رہا ہے
ہجوم یاس اب یہی ہے دل پر نہیں کوئی پاس غیر حرماں
وبال جاں زندگی ہوئی ہے کہ لطف جینے کا کیا رہا ہے

پاتے نہیں کچھ ہم میں ہیں اور ہی عالم میں
مرجائیں گے اک دم میں ہنگام گرفتاری

نقاب اپنا اُلٹ کر ماہ دکھا تصویر سا اپنا
کوئی دم میں ترے بیمار کی پتلی اُلٹتی ہے

بزم سے اٹھتے ہی اس کے یہ ہوا بے خود میں
کہ خبر اپنی رہی مجھ کو نہ کچھ مجلس کی

کھاؤں یارب نہ غم عشق تو غم کھائے مجھے
گرنہ بیمار محبت ہوں تو موت آئے مجھے

کریں گے فکر طبیعت کی ہم اٹھانے کی
کہ ہم میں تاب نہیں اب الم اٹھانے کی

یارب کبھی تو دیکھوں میں یہ انقلاب عشق
میری طرح سے وہ بھی کرے جستجو مری

نہیں کٹتی یہ ہجر کی شب تار
کچھ عجب رنگ آسماں کا ہے

اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ
مرتے تلک رہیگی یہی آرزو مجھے

(رباعیات)

جوں برق ہی تو جگر جلانے والا روتوں کو ہے اور بھی رلانے والا
رہ جارہ جا برس نہ اے ابر سیاہ رہ جائیگا ورنہ کوئی آنے والا

آتش سے جو غم کے دل جلا خاک ہوا
اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ہوا
چوں شمع ملا نہ کچھ بہ جز سوز فراق
حاصل ہمیں عاشقی میں کیا خاک ہوا

دل آنکھوں سے خون ہو بہا ہے میرا
احوال میں کیا کہوں کہ کیا ہے میرا
جی تن میں کسی طرح ٹھہرتا ہی نہیں
آ جلد کہ دم اکھڑ چلا ہے میرا

آرام نہیں ہے بے قراری سے ہمیں
اب کام پڑا ہے آہ و زاری سے ہمیں

دل پر ہے ہاتھ اور آنکھوں میں اشک
حاصل یہ ہوا ہے تیری یاری سے ہمیں

دم رکنے لگا ہے نالے کرتے کرتے
قربان ہوا دل آہیں بھرتے بھرتے
غم دل پہ رہا یونہیں تو ''جرأت'' اک روز
مر جائیں گے ہم کسی پہ مرتے مرتے

دل لے کے تو مجھ سے اور کیا چاہتا ہے
ملتا نہیں کیوں جی ہی لیا چاہتا ہے
یوں ہی جو تری مرضی ہے تو یاقسمت
ہوتا ہے وہی جو کچھ کہ خدا چاہتا ہے

(مخمسات)

بس اتنی بھی نہ بے پروائیاں تم مجھ کو دکھلاؤ
وہ پرواز اور میرے چھٹے تک دھیان میں لاؤ
اسیری پر مری اور بے کسی پر رحم تک کھاؤ
قفس میں ہم صفیرو ! کچھ بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا

طبیعت میں تھی کیا کیا لنترانی
کوئی اپنا سمجھتے تھے نہ ثانی

سو اب صورت بنــا کے تو ڈرانــی
چلی منهه موڑ کر کیوں هے جوانی
همیں یه و لولے اپنے دکها کے

نه کهونکه روئے زانوئے غم په سر کو دهرے
بغل میں کیوں نه دل اپنا تڑپ تڑپ کے مرے
حبر جو هوے اسے تو وہ کچهه خدا سے ڈرے
سو اپنے حال سے آگاہ کون اس کو کرے
نه قاصدے نه صبائے نه مرغ نامه برے
کسے ز بیکسي مـا نمی برد خبرے
غم فراق سے هے دکهه په دکهه، الم په الم
جگر په داغ، مژہ اشک بار لب په هے دم
سنائیں کس کو کهے کون اس سے اپنا غم
نه کوئی یار نه کوئي رفیق نه همدم
نه قاصدے نه صبائے نه مرغ نامه برے
کسے ز بیکسی مانمي برد خبرے

واسوخت

یـارب اندوہ جدائی سے تو مرنا بهتر
گذرے غم جی په تو بس جي سے گزرنا بهتر
بحر الفت میں ندم کا نهیں دهرنا بهتر
هے کنارا بهی اب اس چاہ سے کرنا بهتر
رفته رفته وہ هوے لجهٔ آفت میں غریق
موج زن جن کے هوا دل میں یه دریائے عمیق

قیس و فرہاد سے اس بحر میں لاکھوں تیراک
آہ کیا جانیں کدھر بہ گئے مثل خاشاک
آشنا مثل صدف اس سے کوئی ہو کیا خاک
حاصل ربط یہی ہے کہ جگر ہووے چاک
اس سے جوں موج رواں جس کو پڑا اُلجھیڑا
نہ ملا پھر نہ ملا اس کا کہیں تھل بیڑا

دل کو ہرچند میں سمجھایا کہ اے خانہ خراب
جان اس ہستی موہوم کو تو نقش بر آب
جی لگا کر کسی بے رحم سے مت ہو بیتاب
اب جو دیکھو تو دم آنکھوں میں ہے مانند حباب
کوئی دم کا جو یہ مہمان نظر آتا ہے
ایک دریا مری آنکھوں سے بہا جاتا ہے

جس ستم گر نے کیا آہ یہ حال دل زار
جی میں آتا ہے کہ روکش ہوں میں اس سے اک بار
یہ کہوں صاف کہ ٹک سن تو اب اے ظلم شعار
واقف اس بات کے ہیں ایک سے لے تا بہ ہزار
محو نظارہ ترا تاکہ یہ دل تھا نہ مرا
سادگی پر گل رخسار کب ایسا تھا ترا

آئینہ دیدہ گریاں نے دکھایا تجھ کو
جس سے آگاہ نہ تھا تو وہ جتایا تجھ کو
اپنی وحشت نے پری زاد بنایا تجھ کو
دل کی بے تابی نے کیا کیا نہ سکھایا تجھ کو
آنکھ ورنہ تری ہرایک سے شرماتی تھی
کل کی ہے بات تجھے بات نہ کر آتی تھی

تجھ میں یہ خوبی گفتار کہاں تھی توبہ
ایسی اٹکھیلی کی رفتار کہاں تھی توبہ
طبع عالم کی گرفتار کہاں تھی توبہ
اس قدر گرمی بازار کہاں تھی توبہ
اپنے هی چاهنے سے تو یہ نمودار هوا
کہ ترے حسن کا هرایک خریدار هوا

مثنوی بحرالفت

دربکتا هے بحر محبوبی
رونق افزائے گلشن خوبی
بعد صد آرزوئے شوق وصال
هے نوشتن تمام جس کا مال
سمجھیو حرف مطلب دل زار
کہ تڑپتے کٹے هے لیل و نہار
کہا کے کچھ مرر هیں یہ جی میں هے
خیریت هے تو بس اسی میں هے
گرچہ مرتے هیں پر همیں هے یار
حق سے تیری سلامتی در کار
اور یہ جب سے فلک نے کام کیا
کہ جدائی کا دل کو داغ دیا
هے مجھے لطف زندگی کیا خاک
شکل گل هے مرا گریباں چاک

خم غم سے ہوں بادہ نوش سدا
صورت غنچہ ہوں خموش صدا

تم کو جب دل میں یاد کرتا ہوں
جوں صبا ٹھنڈے سانس بھرتا ہوں

متصل اشک دیدہ گریاں
آہ جاری ہیں مثل آب رواں

جب جدا تجھ سا یار جانی ہو
کس روش اپنی زندگانی ہو

دیکھوں میں گل کو جب چمن میں یار
یاد آتے ہیں وہ گل رخسار

بے قراری سے جان دیتا ہوں
منھ کو میں پیٹ پیٹ لیتا ہوں

غنچہ و گل کو دیکھتا ہوں میں جب
یاد آتے ہیں پیارے پیارے لب

کھینچوں ہوں دل سے آہ یوں اک بار
ٹکڑے ہوتا ہے غنچہ ساں دل زار

سوئے نرگس جو آنکھ جاتی ہے
چشم کہفسی وہ یاد آتی ہے

دل یہ ہوتا ہے مضطر و بے تاب
خفقانی کو جوں پلائیں شراب

گل چلپا پہ جب کروں ہوں نگاہ
چلپائی رنگ یاد آتا ہے آہ

بس وہیں دل میں درد ہوتا ہے
رنگ چہرے کا زرد ہوتا ہے

دیکھوں ہوں جب کہ میں گل اورنگ
یاد اُن فندقوں کا آے ہے رنگ

ہاتھ مل مل کے تلملاتا ہوں
اس خرابی سے گھر کو جاتا ہوں

انشا

میر انشاء اللہ نام، ان کے والد میر ماشاء اللہ ایک عالم فاضل شخص اور حاذق طبیب تھے، شعر بھی کہتے تھے، دہلی وطن تھا - ایسے باپ کے دامن تربیت میں پرورش پاکر انشا بھی عالم فاضل طبیب اور شاعر ہوئے -

شاعری کی طرف مائل ہوئے تو علوم نے اس میں جلا دیدی - ذہانت نے چمکا دیا - اور شعرا میں انشا یہ خصوصیت اور امتیاز رکھتے تھے کہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں میں نظم کی یکساں قدرت رکھتے تھے - مگر زمانے کے مذاق اور ماحول کے اثر سے اردو کی شاعری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی -

انشا کچھ دنوں مرشدآباد میں رہے - وہاں سے واپس آکر دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے زیدت محفل بنے، دہلی سے طبیعت گھبرائی تو لکھنؤ پہونچے - وہاں شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ نے ان کو باپ کا نمک خوار سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان سے مشورہ سخن کرنے لگے، کچھ دنوں کے بعد نواب سعادت علی خاں کے دربار میں ان کی رسائی ہوگئی - انشا علم و فضل کے ساتھ حد درجہ کے ظریف - بذلہ سنج اور شوخ مزاج تھے - نواب ان سے اسقدر مانوس ہوئے کہ ایک دم ان کے بغیر چین نہ آتا تھا - انشا کی فطری ظرافت اور درباری زندگی نے ان کو ہزل اور تمسخر کی طرف مائل کردیا تھا - ہر لمحہ ہنسنے ہنسانے سے

کام تھا - ان کی شاعری کا مقصد بھی تفریح طبع کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا - کبھی مضمون میں ظرافت ہوتی ہے کبھی سیدھی سی بات میں انداز بیان سے ظرافت کا ایک پہلو پیدا کردیتے ہیں - کبھی مشکل اور کٹھن قافیے اور ردیفیں اختیار کرکے نظم کی قدرت دکھاتے اور لوگوں پر حیرت کا اثر ڈالتے ہیں - طبیعت کی شگفتگی کا یہ عالم ہے کہ غم انگیزی مضامین سے بھی دلوں کو شگفتہ کر دیتے ہیں - غم و حسرت کا اثر پیدا کرنے والے اشعار ان کے یہاں بہت کم ہیں ان کی شاعری زیادہ تر مضامین خارجی پر مشتمل اور آورد کا نتیجہ ہے - مگر یہ اپنی قدرت نظم سے آورد میں آمد کی بے ساختگی پیدا کر دیتے ہیں -

سید انشا نے تمام اصناف سخن میں اسی رنگ میں طبع آزمائی کی ہے - ریختی میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی - وہ عورتوں کے مخصوص جذبات وخیالات عورتوں ھی کی زبان میں بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں - انشانے سنہ ۱۲۳۳ ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی -

انتخاب

صلما ! بہ رب کریم یہاں ترے ہیں ہرایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بہ ربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلٰے
بہ محمد عربی تو دے دوسہ جام بادۂ نور کے
کہ نہ سوجھے سکر میں ساقیا مجھے کچھ جہاں کا برا بھلا

کیوں شہر چھوڑ عابد غار جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈھتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا

تلپھا نہ اس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا
اپنی بھی جاں لوٹ ہوئی دل نے غش کیا

جس دم کہ ترے محو تجلی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرت موسیٰ کو غش آیا
گرنے نہ دیا اس کو ملایک نے زمیں پر
جس ادم ترے بیمار تمنا کو غش آیا

رها ہے ہوش کچھہ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا
یہی آہنگ اے مطرب پسر تک اور چھیڑے جا

خداهي جانے کدھر سدھارے شکیب و صبرو قرار و طاقت
ہرایک اُن میں سے دے گئے ہیں ہمارے سینے کو داغ اپنا

خیال کیجے کیا آج کام میں نے کیا
جب ان نے دي مجھے گالی سلام میں نے کیا
کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ
حقوق بندگي اپنا تمام میں نے کیا
ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پھر کبھي نہ کہا
کہ آج سے تجھے "انشا" غلام میں نے کیا

اس بندے کی چاہ دیکھئے گا
اور اس کا نباہ دیکھئے گا
میں کیسے نباهتا ہوں تم سے
انشاء اللہ دیکھئے گا
عاشق مجھے جان کرتے ہیں قتل
تقصیر و گناہ دیکھئے گا

جھوٹا نکلا قرار تیرا اب کس ہے اعتبار تیرا
کر جبر جہاں تلک تو چاہے میرا کیا ؟ اختیار تیرا

فقیرانہ ہے دل مقیم اس کی رہ کا
غرض کیا کہ محتاج ہو بادشہ کا
یہی لطف ہے ساقیا مے کشی کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

ہیہات اس کو یار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا
باہم دگر جو تھی خفگی سب کُٹی، اسے
بے اختیار پیار کیا ہم نے کیا کیا
رہ رہ کے دل میں آوے ہے "انشا" یہی کہ کیوں
اس دل کو بے قرار کیا ہم نے کیا کیا

رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتا کہیں اور
ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
اے باد سحر، محفل احباب میں کہیو
دیکھا ہے جو کچھ حال تہ دام ہمارا

نہ کہہ تو شیخ مجھے، زہد سیکھ، مستی چھوڑ
تری پسند جدا ہے مری پسند جدا
خجل ہے آپ کی دیوار کی بلندی سے
ہماری آہ جدا ریشمی کمند جدا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بہ روز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

مجھے چھیڑنے کو ساقی نے دیا جو جام اُلٹا
تو کیا بہک کے میں نے اسے اک سلام اُلٹا

کیا خدا سے عشق کی میں رہنمائی مانگتا
مانگتا بھی اس سے تو ساری خدائی مانگتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن
تسکین دل اپنا کچھ اے یار نہیں پاتا

کسی طرح سے نہیں نیند آتی "انشا" کو
اسی خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
اپنا دل شکستہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تونے ظالم ایسے کنول کو توڑا

لرزہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب

همیں اس صنم کي هے اُلفت بہت
جھکے جس کے سجدہ کو پتھر کے بت

گرچه مے پہلے سے کي توبه هے میں نے ساقی
بھول جاتا هوں ولے تیري مدارات کے وقت

گر نکہت بہار سے مل جائے پوچھیو
میري طرف سے باد سحر خیروعافیت

بزم رندانه میں کیا زهدو ورع کا چرچا
شیخ صاحب هے بہت یه تو قیامت کي بحث

صیاد نے خبر کہ دیا چاهتے هیں جان
کلبے قفس میں تازہ گرفتار چار پانچ

فضل خدا سے خیر بهر حال شکر هے
کیا پوچھتے هو مجھ سے دل افگار کا مزاج

هے شب وصل کہلے کاش نه دروازہ صبح
کم نہیں شور قیامت سے کچھ آوازہ صبح

کریم جلد کرم کر کہ ہو مزاج صحیح
بہ رنگ نرگس بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیم فضل و کرم میں تری وہ ہے بو باس
نہ پہونچے دَرد کو جس کے کبھی شمیم مسیح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارت دل نے
ہلادے مروحۂ لطف تک پئے ترویح

گھر سے باہر تو نہ نکلا تھا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح
آبروئے ابر یاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح
صاف دل کیونکر کروں تجھ سے بھلا
ٹوٹی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح

افسوں نگہ سے تری اے ساقی بدمست
شیشہ میں ہوئی مثل پری اپنی نظر بند
ٹھہراے ہوے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے
کیا کہیئے دروازہ ادھر بند ادھر بند

ابتدا سے دوستی میں دل کو ہے یہ بے دلی
کچھ نظر آتا ہے اِس آغاز کا انجام بد

نظر کر علی کو قرین محمد ہوا نور حق ہم نشین محمد
یہ اللہ کے نام سے ہے جہاں میں درخشندہ نقش نگین محمد

اجی سر اٹھا کر ادھر دیکھنا اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ
بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا انہیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

چٹخارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں
کوئی مزہ نہیں ہے ترے نام سے لذیذ

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازے سے باہر

جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے
گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دل امیدوار پر

اپنے داغ جگر میں سوجھے ہے مجھ کو اس نازنین کی تصویر
نظر آتی ہے اشک "انشا" میں جبرئیل امیں کی تصویر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر

نگہ جو پڑی تجھ سے رشک قمر پر
گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
مجھے رونا آتا ہے شمع سحر پر
کہ بےچاری اب مستعد ہے سفر پر

گیا یار آفت پڑے اس سحر پر
اداسی برسنے لگی بام و در پر
نہ آنسوے بہا دور ہو یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخم جگر پر
کوئی دیوتا تھا کہ جن تھا یہ کافر
مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر

پھنس گئی عندلیب ہو بےکس ہائے تنہائی اور کنج قفس

بس نہ دنیا کی رکھ اے صاحب ادراک ہوس
خاک ہی خاک ہے سب خاک کی کیا خاک ہوس

بال و پر تو تک ہلاؤ پنجۂ و منقار سے
ہم صفیرو توڑ ڈالو دام کو چیر و قفس

ہو جائے اگر جہاں فراموش
کب دل سے ہو دل ستاں فراموش
تو بھولے یہ دخل کیا ہے ہم تو
کر بیٹھے ہیں خود کو یاں فراموش

آوارۂ دشت شوق میں مانند گرد باد
بھٹکا پھروں ہوں کرکے رہ کارواں غلط

ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق
کچھ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق
پوچھا کسی نے قیس سے تو ہے مقصدی
بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق

دیکھ تو عشق کے دھڑکے کو شب وصل میں آہ
گرچہ ہے پاس ترے تو بھی ہے ششدر عاشق

تالب بام قفس اڑ نہ سکے ہم صیاد
اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم

کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھا
قاصد نے تو لو اور سنائی خبر گرم

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم
خم کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

بندہ درگاہ کی بھی اک نرالی ہے نماز
عرش سے بھی کچھ پرے ہے اس نمازی کا مقام
ہے خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی
ورنہ کیا باقی رہا ہے چارہ سازی کا مقام
سید "انشا" کو نہایت ان دنوں تشویش ہے
بندہ پرور ہے یہاں بندہ نوازی کا مقام

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں
مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منھ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں
چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
ہے محبت جو ترے دل میں وہ اک طور پہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اس کو نہ بڑھا سکتے ہیں

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

اجی کیوں رو بیٹھے ہو ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہی میں بھی پانوں تو پڑ سکتے ہیں

یا وصل میں رکھے مجھے یا اپنی ہوس میں
جو چاہئے سو کیجئے ہوں آپ کے بس میں
یہ جائے ترحم ہے اگر سمجھے تو صیاد
میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹی کس طرح اپنی
جز درد نہ دیکھا کبھی اس تیس برس میں

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں رہے اب تک امید واری میں
ہاتھہ گہرا کوئی لگا قاتل زور لذت ہے زخم کاری میں
بندۂ بو تراب ہے "انشا" شک نہیں اس کی خاکساری میں

کسی کے ہجر میں ایسے ہزاروں داغ ہیں دل پر
عوض مے کے بھریں گے ہم پر طاؤس شیشے میں

خلوت میں فائدہ کیا اغیار سب بہم ہوں
سب کو ہوا بتادو بس تم ہو اور ہم ہوں

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یہاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی ہیں جو تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
یہ اپنی چال ہے افتادگی سے ان دنوں پہروں
نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار، بیٹھے ہیں

پھبن، ادا، چھب، نگاہ، سج، دھج، جمال، طرز خرام اتھوں
نہ ہو ویں اس بت کے گر پجاری تو کیوں ہو مہلے کا نام تھوں
شکیب و صبر و قرار و طاقت، نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاری الفت میں کھو کے بیٹھا ہوں میں تو اب لاکلام اتھوں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہرگھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے، اسی واسطے بس
رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں
عشق میں شرم کہاں ناصح مشفق، یہ بجا
آپ کو کیا ہے جو اس بات کا غم کرتے ہیں

نالے پہ میرے نالے کرنے لگی ہے اب تو
بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں

کوئی اس ترک جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی
کہا مگر رسم وفا آپ کے کشور میں نہیں
آج کچھ کام میں ہوں کوئی جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہدیجو کہ وہ گھر میں نہیں
میری اُمید بر آتی ہے اب "انشاء" اللہ
کون سی چیز ہے اللہ کے جو گھر میں نہیں

لیلٰی و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچیں
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچیں

تفصلات نہیں، لطف کی نگاہ نہیں
معاملہ ابھی مطلق وہ روبہ راہ نہیں

یوں چاہئے آپس میں نہ اک آن جدا ہوں
اے ولولہ شور جنوں دست و گریباں

جس پر کہ ترا سایۂ دامان قبا ہو
کیوں اس کے تصدق نہ بھلا باد صبا ہو
اس دل کی اگر پاس ترے بوئے قبا ہو
دینا ہو فرض اور تو اے باد صبا ہو

لہرا دیا صبا نے جو گل سبزہ زار کو
و و ھیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ھے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

کام فرمائے کس طرح سے دانائی کو
لگ گئی آگ یہاں صبر و شکیبائی کو
دعوے کرتا ھے غزالاں حرم کے آگے
اس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو
جی میں کیا آگیا "انشا" کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالم تنہائی کو

کہہ اتھا قیس جھٹ آنا لیلی جذبہ عشق کی مدد دیکھو

ضعف آتا ھے دل کو تھام تو لو بولیو مت بھلا سلام تو لو

کوئی اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندہ کو آزار نہ ھو
آج ھے دھوم اسیراں قفس میں کچھ اور
جا کے دیکھو تو کوئی تازہ گرفتار نہ ھو

کیوں بھلا مجھو جمال صاحب محمل نہ ہو
کیا کرے مجنوں جو اس کے بس میں اپنا دل نہ ہو
ایک اداسی کارواں پر چھا گئی اے ساربان
ٹک خبر لیجو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

کیا کام ہم کو سجدہ دیر و حرم کے ساتھ
مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھ
او جانے والے مڑکے ذرا دیکھیو ادھر
مانند سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ
یاں قدم بوسی کو جھکتا ہے ہما کا سایہ

جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اڑنے پر
اے نکہت گل تونے کیوں اتنی شتابی کی

سرگرم اختلاط رقیبوں سے ہو چکی
ناموس و ننگ و نام غرض آپ کھو چکی

واللہ میں بھی تنگ ہوں اب کاش اے صنم
جو کچھ نصیب میں ہو کہیں جلد ہو چکے

غیروں سے بات چیت ہے میرے ہی سامنے
یہ حال ہے تو خیر مجھے آپ کھوچکے

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلئے پھرکعبہ بھی ہو آویں ذرا سیر تو ہو

آپ کے اس حباب کو مہر و وفا سے ربط کیا
بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اُٹھتے ہی خفتگان خاک خواب عدم سے چونک چونک
موج نسیم کوئے یار آج تو تیرے پاس سے

سچ یہ آفت تری' یہ دھج' یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

سیر گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے اتنا
کنج عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

جوں شعلہ برق آہ نکلتی ہے جگر سے
اے ابر مژہ دیکھیں تو برسات کی ٹھہرے

گرہ حسرت کی ہر تار نفس میں پڑ گئی جس سے
یہ کیسی ہوک ہردم اے دل پردرد اُٹھتی ہے

آنے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے
اب ہے امید صرف خدا ہی کی ذات سے

کل سے تو اختلاط میں تازہ ہے اختراع
رکنے لگے ہیں آپ مری بات بات سے

مطلق ملا کے آنکھ ادھر دیکھتے نہیں
آتے نظر ہو آج بھی کم التفات سے

"انشا" نے آ لگا ہی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہے کوئی اپنی گھات سے

فنا فی اللہ کے رتبے سے پائی ہو جو آگاہی
تو کچھ جینے سے خوش ہو جی نہ کچھ مرنے کا غم کھینچ

"انشا" کی گفتگو وہ دھواں گرم ہے کہ آج
آکر بہار اس کے گلے سے لپٹ گئی

ابھی کہتا ہوں دروازے کی کنڈی کھول دو چھُپکے
نہیں تو میرا سر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے

افشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقت سحر "انشا" سورج کی کرن نکلے

نکلے ہے خوں ٹھہر ٹھہر دل کی ہر اک خراش سے
چھیڑ دو اس کو دوستو تیز قلم تراش سے

موسم گل سے دوستو جائے وہ سیر باغ کو
اٹھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہ فراش سے

شہر سے دل اچاٹ ہے آنسو نہیں اجاڑ سے
سر کو پٹکئے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے

"انشا اللہ" شاید آیا اس کوچے میں بھیڑ بہار سی ہے

کچھ تہی دستی ہی تنہا دشمن "انشا" کی نہیں
عشق و ہجر و نوجوانی گردش ایام بھی

محیط عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں تس پر
کہے ہے نا خدا یاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے

خیال ہستی موہوم دل سے دور کر "انشا"
سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس پر آہ غافل ہے

کھپ گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھ کو کیا جانے کے کیا بات خوش آئی تیری

غصہ میں ترے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

اس دل جلے کو ہجر میں اے آتش فراق
ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے

ہم صفیراں چمن دیکھئے کیا ہوتا ہے
آج صیاد پھر آیا قفس و دام لئے

کل وہ نگہ اُچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی
بے‌اختیار اس سے مری آنکھ لڑ گئی

کہا کیا آہ ناتواں تو نے آگ سی پھونک دی یہاں تو نے

گالی سہی ، ادا سہی ، چین جبیں سہی
یہ سب سہی پر ، ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھئے میں نازنیں سہی

بندگی ہم نے تو جی سے اپنے ٹھانی آپ کی
بندہ پرور خیر آگے قدر دانی آپ کی

لب پر آئی ہوئی یہ جان پھرے
یار، گر اس طرف کو آن پھرے

دل کی بھڑک نے مجھ کو گھبرا دیا عزیزو!
اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چھری سے
پھولوں کی سیج پر تو واں چاندنی میں سویا
اور رات ہم نے کاٹی یاں سخت بےکلی سے

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سو جھی
لا ہاتھ ادھر دے کہ بہت دور کی سوجھی

پہونچے ہے پر کوئی اس گل تلک "انشا" کیا دخل؟
بلبل اس رشک تمنا میں مری جاتی ہے

زمیں سے اٹھی ہے یا چرخ پر سے اتری ہے
یہ آگ عشق کی یا رب کدھر سے اتری ہے

لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چھاتی سے
الٰہی اپنا بھی روٹھا ہوا کہیں من جائے

پھر کچھ گئے ہوؤں کی مطلق خبر نہ پائی
کیا جانئے کدھر کو جاتا یہ قافلہ ہے

بار گراں اُٹھایا کس واسطے عزیزو
هستي سے کچھ عدم تک تھوڑا هي فاصله هے

یه دو روزه نشو و نما کو تو نه سمجھ که نقش بر آب هے
یه سراب هے ' یه حباب هے ' فقط ایک قصهٔ خواب هے

هے جي میں قفل خانهٔ خمار توڑئے
یعني در بہشت کو یک بار توڑئے

زنہار همت اپني سے هر گز نه هارئے
شیشے میں اس پري کو نه جب تک اُتارئے

مجنوں تو سوکھ ساکھ کے اک خار بن گیا
لیلٰے کا چهره مثل گل ورد هے سو هے

کسی نے اس کی شکایت جو کی تو میں بولا
وه کیوں نه جبر کرے کس کے اختیار میں هے

معلوم نہیں روتے هیں کس آئینه رو سے
پانی جو اترتا نہیں غنچوں کے گلو سے

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے　　وہ تو بےچاري آپ ننگی ہے

— —

اور بھڑکی ہے اشتیاق کي آگ　　اب کسے صبر و تاب باقی ہے

—

یہاں زخمي نگاہ کے جینے پر حرف ہے
ہے دل در اپنے زخم کہ سہنے پہ حرف

قصائد

حمد

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تونے کھولے
دفعتاً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق
تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا
عقل اول نے پڑھا تجھ سے بادب ہو کے سبق
کیجئے گر نظر غور بہ انواع صفات
خیرہ ہو ذہن کہے ہے یہ مسائل ہیں ادق
خلق انساں کو کیا نام یہ اس کو بخشی
ہیئت جسم کو کر کے متشکل زعلق
جلد دے لحم کي تصویر بن غازیہ سے
ایک پردے میں قوا اخذ کریں اپنا حق
ہیں سب اعصاب و شرائیں و رباط اس لئے تا
روح کي آمد و شد کو نہ رہے رنج فرق

ذوق و بصر و لمس و سمع و شم و وهم و خيال
بن كہے تو نے دئے هم كو كريم مطلق

صدقه اس بندهٔ نوا ي كى تري هم جاويں
باپ ماں هوتے هيں كب ايسے شفيق و اشفق

بحر امواج حقائق سے گزر كون سكے
هاں مگر فضل هے تيرا هي به جاے زورق

روز و شب حضرت خلاق ترے حكم ميں هيں
عرش و لوح و قلم و شش جهت و هفت طبق

حمد كے بعد به شكريه ادا كرتا هوں
شكر صد شكر هے اے حمد و ثنا كے لائق

كه مجھے دين محمد ميں كيا تو نے خلق
ورنه تھے اور بھي انواع كے اديان و طرق

مدح بادشاه

جشن و نشاط و خوش دلي و عشرت نعم
عيش و خوشي ميں چين سے خوش وقت هو بهم

فرخندگي بخت به نازاں تھے اپنے سب
هر ايك نغمه سنج تها با طوطي ارم

فيض سحاب فرح سے تھي مزرع اميد
گل گل كبھي شگفته نهيں هوتے صبح دم

بلبل كو يه طرب نه هو هرگز به فصل گل
غنچوں كو يه شگفت نهيں هوتي صبح دم

قمري كو وصل سرو كي اتني نهيں خوشي
آهو كو يه سرور نه هوے به وقت رم

جو کچھ کہ جوششیں تھی غرض ان سبھوں کے ساتھ
ممکن نہیں کہ کیجے بیاں ان سے بیش و کم
خدمت میں ان سبھوں کی کہا میں نے التماس
شادی کی وجہ کیا ہے خبر پاویں کچھ تو ہم
بارے یہ کیا نشاط ہے ہم بھی تو کچھ سنیں
خوش ہوے قدم سے یہ ہمارا بھی تازہ دم
شامل مجھے بھی کیجئے اس عیش میں کہ میں
حضار بزم خاص سے ہیں موبد کرم
دینے چلے ہیں اس کو مبارک کہ آج وہ
شاہنشہ زمانہ ہے بر مسند حشم
وہ واجب الاطاعت و مسجود خلق ہے
دوراں کے بیچ میں وہ جو ہے شاہ محترم
معنی ایک وادے الامر منکم آ
تفسیر بیچ دیکھ لو قران کی قسم
یعنی وہ شاہ عالم و قدر جہانبان
عالی گہر خجستہ سیر معدن همم
شاہ نجف نے قبضہ میں دی جس کے ذوالفقار
دو ٹکڑے جس سے ہو وے عدو بیش ہو نہ کم
جو حسن خلق اس میں ہے ہے خلق میں کہاں
ذات ستودہ الغرض اس کی ہے مغتنم
جس کے رکاب میں ہیں سلاطین روزگار
گردن کشان دہر ہیں جس کے کہ سب قدم

"مدح شہزادہ سلیمان شکوہ"

صبح دم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ

جلبھن باد بہاری سے کھلی آنکھ اُچٹ

دیکھتا کیا ہوں سرہانے ہے کھڑی ایک پری

جس کے جوبن سے ٹپکتی ہے نری گدراہٹ

عطر میں ڈوبی ہوئی زور سے بوباس اُس کی

بل بے سج دھج تری بل بے یہ تری نرماہٹ

آفتاب اس کی جبیں کے جو مقابل ہووے

صدقے ہو ہو کے کہے اُف رے تری چمکاہٹ

موتیوں سے جو بھری مانگ وہ دیکھے اُس کی

سحر سے تاروں بھری رات کی جی جائے ہٹ

حرکت اس کی تھی یوں غمزۂ چالاک کے ساتھ

رند جوں ایلتے میخانے میں لیویں کروٹ

چتون اٹکھیلی بلا نرگس جادو آنکھیں

آنکھ ایسی ہے کہ دے برق کی چشمک کو اُلٹ

شوخی اس روپ سے اس تار نظر میں کھیلے

آتا جاتا ہو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ

الغرض تھی جو اس اوصاف سے موصوف، اُس نے

اپنے مکھڑے سے دوپٹے کے مسلسل کو اُلٹ

مجھ سے سر مکھ ہو کہا، دولت بیدار ہوں میں

خواب غفلت سے بس اب چونک گلے میرے لپٹ

مجلس آراستہ ہے سالگرہ کی اس کی

جس کے ہر لحظہ دعا دینے میں ہے سب کو رٹ

پھلے وہ شاہ سلیمان کہ شکوہ اس کے سے

نیر حشمت و اقبال کو ہے چمکاہٹ

جشن شاہانہ ہے ' ہیں امرا حاضر وقت

اس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کی ہیں ٹھٹ ٹھٹ

ہے یہ دھڑکا دھل ر کوس کی آوازوں سے

سینۂ گاو زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ

سلگے ھی میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ

شرف اندوز ھوا خدمت اقدس میں جھٹ

سالگرہ بادشاہ انگلستان

بکھیاں نور کی طیار کر اے بوئے سمن

کہ ھوا کھانے کو نکلیں گے جوانان چمن

عالم اطفال نباتات پہ ھوگا کچھ ھی اور

گورے کالے سبھی دیوتیں گے نئے کپڑے پہن

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر

بیٹھ کر جلوۂ کرسی پہ دکھاوے گا پھبن

شام نارک سی کوئی ھاتھ میں لے کر ایک کیمت

ھو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن

اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر

غنچے کل سب ھی وھاں کھولیں گے بوتل کے دھن

اھل نظارہ کے آنکھوں میں نظر آویں گے

باغ میں نرگس شہلا کے ھو آنکھ چتون

اور ھي جلوے نگاھوں کو لگیں گے دینے

اودي بانات کي کرتي ھے شگوفہ سو سن

کھینچ کر تار رگ ابر بہاري سے کئي

خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن

نےنوازي کے لئے پھول کو اپني منقار

آ کے دکھلا وے گي بلبل بھی جو ھے اس کا فن

آلہ کا نذر کو شیشہ کي گھڑي لے کے حباب

یا سمن پتوں دي شیشے میں چلے گي بن ٹھن

نکہت آوے گي نکل کھول کلی کا کمرا

ساتھ ھو لے گي نزاکت بھی جو ھے اس دي بہن

حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ھونگے

اس میں ھو ویں گے پریزاد بھی سب عکس فگن

کیا تعجب ھے جو فوارون کي ھو سارنگی

رعد کے طبل بجیں ایسے کہ ھوں مست ھرن

ناچنے کو ھو کھڑي آن کے چپلا بنائي

چوکڑي بھولیں جسے دیکھ غزالان ختن

کوٹ کوٹ اس میں بھرا ھے یہ قدرت نے جمال

روشني مانگ لیں اس مکھڑے سے نسرین و پرن

یعني وہ رشک پري کہتے ھیں بجلي جس کو

تھرا ھے جس کي جدائی سے جہاں روشن

ھے وہ نک سک سے درست ایسی کہ سبحان اللہ

بل بے دھج، بل بے اکڑ، بل بے ترا متوا پن

(مثنوي ھجو پشہ)

مچھروں کو ھوا ھے اب کي یہ اوج

دب گئي جن سے مرھٹوں کی فوج

سوکھے سہمے ہوں کالے کالے ہیں

یہ بھی پر کوئی گھورے والے ہیں

ہیں تو پتہ میں صاف گھس آتے

اور لفافوں میں ہیں سما جاتے

ان کے بہلانے کی ہے یہ آواز

یار جس سے کبھو نہ ہو دم ساز

بھڑ کو ان کی ریزے ریزے ہیں

جوتے بہلدار در یہ بھڑے ہیں

تاک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل

پھڑکتے ہیں یہ صور اسر فیل

ہے سپہ پھول کر دلی ان سے

سب کو ہے ایک بے کلی ان سے

کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں

نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں

———

مصحفی

شیخ غلام ہمدانی نام۔ امروہہ کے رہنے والے۔ ابتدائی جوانی میں دہلی گئے مشہور عالم مولوی مستقیم سے درسیات پڑھے۔ دہلی قیام کے زمانہ میں ان کے گھر پر اکثر مشاعرے ہوتے تھے دہلی کی بربادی پر گھر سے نکلے۔ پہلے ٹانڈے پہونچے۔ شیخ قیام الدین قائم کے ذریعہ سے نواب محمد یار خاں کے دربار میں رسائی ہوگئی۔ انہوں نے ایک قصیدے کے صلے میں کچھ ماہانہ تنخواہ مقرر کردی۔ کچھ دنوں تک ٹانڈے میں خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ جب نواب محمد یار خاں کا زمانہ بدل گیا تو لکھنؤ گئے۔ وہاں سے دہلی اور دہلی سے پھر لکھنؤ پہونچے۔ لکھنؤ میں مرزا سلیماں شکوہ کے مصاحب خاص ہو گئے۔ مشق سخن ہر حالت میں جاری رہی اور ترقی کی طرف قدم بڑھتا گیا یہاں تک کہ ان کی استادی مسلم ہو گئی۔ اور شاعروں کے خلاف شیخ مصحفی کی طبیعت میں مسکینی اور حلم بہت تھا' اس لئے تمام شعرا ان کا ادب کرتے تھے۔

"مصحفی" کی طبیعت میں ایسی جولانی اور روانی تھی کہ وہ کسی خاص رنگ یا مخصوص صنف کی پابند نہ تھی درد' سادگی' کثرت مضامین ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ قواعد زبان۔ اصول عروض اور صحت محاورات کا بہت خیال رکھتے تھے۔

"میر" اور "سودا" کے بعد "مصحفی" کے مقابلے کا کوئی استاد نہیں گذرا

ان کے شاگردوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ صرف لکھنؤ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی - جن میں سے بیشتر نامآور اور مشہور زمانہ ہوئے - ان میں " آتش " " خلیق " ضمیر " اسیر " اپنی اپنی جگہہ خود استادان فن تسلیم کئے گئے اردو کے اٹھ دیوان اُن کے تصنیف ہیں - لیکن وہ اب کمیاب ہیں ان کے چار دیوانوں کا انتخاب رام پور میں شائع ہوا تھا -

اس انتخاب کا انتخاب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے - شیخ "مصحفی" نے ۷۶ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۴۰ ھ میں انتقال کیا اور لکھنؤ میں سپرد خاک ہوئے -

— —

انتخاب

نظارہ کروں دھر کی، کیا جلوہ گری کا
یاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
کیا لطف مقام ان کو جو مشتاق عدم ہیں
دل سوچ میں رہتا ہے ہمیشہ سفری کا
بندہ ہے ترا "مصحفی" خستہ کو یارب
محتاج طبیبوں کی نہ کر چارہ گری کا

اگر اب کی بہار آئی تو ہم ان جامہ زیبوں کو
دکھائیں گے تماشہ دھجیاں کرکے گریباں کا
نہ ہم مرہم سے کچھ واقف نہ پھاہے کو سمجھتے ہیں
ہمارے زخم پر احسان ہے تیرے نمک داں کا

بے رونقی سینہ میں ہے، اب کس کو دکھاؤں
داغوں سے بتوں کے کبھی گل زار یہی تھا
دامن کو کیا رشک چمن خوب ہی، شاباش
رونے کا حق اے دیدۂ خوں بار یہی تھا
کیوں قتل کیا "مصحفی" خستہ کو تونے
کیا چاہنے والوں میں گنہ گار یہی تھا

اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
شیخ کعبے سے اٹھ نکل باہر
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا
دل دیوانہ رات سے گم ہے
کہیں اس کا پتا نہیں ملتا

ہستی کا حساب کچھ نہ نکلا
جز عالم خواب کچھ نہ نکلا

صدقے اس مرغ گرفتار کے جاؤں کے رہیں
پھر گیا دام کے جانب جو قفس سے چھوٹا

اس کی آنکھوں کو نہ دیکھا مرے غم خواروں نے
جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا
کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا وہ رات
جو قدم آپ نے رکھا مرے سر پر رکھا

جو کس طرح کا حادثہ مجھ پر گذر چکا
تو اب تلک نہ اے دل بے تاب مرچکا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر معشوق ہے
ہے تو بیداری مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

جز آہ وہاں کوئی کرے کیا
کچھ بس نہ چلے جہاں کسی کا

سوتے ہی ہم رہ گئے افسوس ہائے
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
جادۂ شمشیر تھا یا کوئے یار
پاؤں کے رکھتے ہی وہاں سر گیا

سو جہانہ ہمیں خاک بھی کچھ بے بصری سے
یاں ورنہ ہراک ذرے میں خورشید عیاں تھا
رکھیو مجھے معذور تم اے قافلے والو
مانند جرس دل مرا لبریز فغاں تھا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اُٹھائے ہیں کیا کیا
شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا
میں اس کے حسن کے عالم کی کیا کروں تعریف
نہ پوچھ مجھ سے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

خیال یار جو شب مجھ سے ہم کنار رہا
تمام شب میں اُسی کے گلے کا ہار رہا
تہ مزار ہماری ہوئیں نہ آنکھیں بند
کہ مر کے بھی ترے آنے کا انتظار رہا

ملے نہ آکے کبھی "مصحفی" سے تم افسوس
امیدوار تمہارا امیدوار رہا

جو ہم سے وعدۂ دیدار یار ٹھہرے گا
تو کچھ نہ کچھ یہ دل بے قرار ٹھہرے گا
کرے گی تن کو بھی بے تاب، بے قراری روح
ہوا میں خاک یہ مشت غبار ٹھہرے گا
خدنگ خوردہ دل آگے سے اس کے جاتا ہے
بہ جز عدم نہ کہیں یہ شکار ٹھہرے گا
عتاب الہو تھرا رکھیں گے ہم اس کو
جو دم لبوں پہ شب انتظار ٹھہرے گا

فسانہ اک طرف، شب ہائے ہجراں کی درازی کا
قیامت، ماجرا نالوں کی ہے ہنگامہ سازی کا

ہجوم گریہ زبس رات چشم تر میں رہا
نہ ایک قطرۂ خوں صبح تک جگر میں

سمجھے نہ وہ مومن اور کافر
دل چاہئے اس کو ہر کسی کا

اب نہ فرہاد ہے نہ مجنوں ہے
رہ گیا عاشقوں کا افسانا

عالم ہمیں خوش آیا از بس کہ اس جہاں کا
آکر عدم سے بھولے نقشہ بھی ہم وہاں کا
اک جام مے کے خاطر پلکوں سے اپنی زاہد
جاروب کش رہا ہے ہر سوں درمغاں

آئینہ وہ دیکھتا ہے عکس آئینہ اسے
حال کچھ کھلتا نہیں ہے ناظر و منظور کا
معنیٔ الحق یعلوا سب جہاں پر کھل گئے
دار پر جس وقت سر اونچا ہوا منصور کا

عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا
صبح پیری میں اثر تھا مرہم کافور کا
کب کوئی سمجھے ساہے عاشق اس رخ پر نور کا
چاہئے موسے سا پروانہ چراغ طور کا

جلد آئنہ ہوا وقت مری جاں شکنی کا
یہ وقت تو ظالم نہیں پیماں شکنی کا

اس مرگ کو کب نہیں میں سمجھا
ہر دم ' دم واپسیں میں سمجھا
سب خلق کی سر نوشت پڑھ لی
اپنا نہ خط جبیں میں سمجھا

مشکل ہے کتاب حسن تیری
سمجھا نہ کبھی، کبھی میں سمجھا

صدمے سو دل نہ ہوئے ہم نے نہ جانا کیا تھا
واہ رے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا
سر کھٹکی جو سری اس کا نہ تھا مجھ کو گلہ
اے فلک وصل کی شب تجھ کو گھٹانا کیا تھا
میں نے مارا کہ مصمم تھا ابھی قصد سفر
منھ پہ یہ بات، مرے سامنے لانا کیا تھا

خلل انداز ہوئی حسرت عاشق ورنہ
غیر سے عہد محبت تو کئی بار بندھا

جلوں عشق جو مجھ سے نہ دشمنی کرتا
کبھی تو ہاتھ گریباں سے آشتی کرتا

کیا کہوں میں جو مزہ برش شمشیر میں تھا
لیک بے زخم ہی مرنا مری تقدیر میں تھا
کسی کوشش کسی تدبیر سے کیا ہونا تھا
پھر آیا وہی جو کچھ مری تقدیر میں تھا

سمجھے وہ مرغ خستہ مرے اضطراب کو
ملے میں مس کی ٹوٹ کے بھکان رہ گیا

وائے وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا

مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

اللہ رے تیرے سلسلۂ زلف کی کشش

جاتا ہے جی ادھر کو کھنچا کائنات کا

اے "مصحفی" بتوں میں ہوتی ہے یہ ندامت

دل پھر گیا نہ تھا آخر خدا سے دیکھا

تھا عرض بھی طرف دیر و حرم کیوں جائیے

اس کے کوچے میں ہمیں عمر بسر کرنا تھا

تیغ قاتل کو عبث ہاتھ یہ روکا افسوس

"مصحفی" تجھ کو یہاں سینہ سپر کرنا تھا

طرفہ رونا ہے میں اس دیدۂ تر سے گذرا

چار ہی اشکوں میں پانی مرے سر سے گذرا

لذت زخم میں بے خود تھے ہمیں کیا معلوم

آر سینے سے کہ وہ تیر سپر سے گذرا

غم خوار مرا کا بھی تو اصلا نہیں ہوتا

ہنگام مصیبت کوئی اپنا نہیں ہوتا

کیا پھر گئی بخت مری اس میں ہے شامل

جو آج کی شب صبح کا تڑکا نہیں ہوتا

جذبۂ عشق دکھاتا جو اثر اے لیلیٰ
جانب وادی مجنوں رخ محمل ہوتا

سو بہار آتے ہی ہم نے قفس آباد کیا
سایہ کرنا ہمیں منظور گلستاں میں نہ تھا

جی رات لبوں پہ آرہا تھا
مرنے میں ہمارے کیا رہا تھا

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا
مجھ پر سو اک قیامت عہد شباب لایا
اے "مصحفی" تو اب کیا منہ دیکھتا ہے دی بھی
لبریز کر کے ساقی جام شراب لایا

تمھیں اے "مصحفی" کیا ہو گیا ہے ہم سے سچ کہہ دو
یہ قصہ تم کہا کرتے ہو اب دو دو پہر کسی کا

ہاتھ خالی مرا دنیا میں جو بالکل ہوتا
تو بھی زاد سفر راہ توکل ہوتا

شعلہ جلتا ہے سب غم سے نہیں ضبط کی تاب
ہاتھ رکھتا ہے اسی واسطے دل پر اپنا

کیسی بہار میں کی طالع نے نارسائی
پر تک قفس سے اڑ کر گلزار تک نہ پہنچا

آدم کو سجدہ کا ملایک بتا دیا
یہ رفتہ رفتہ مسئلۂ مشت گل ہوا
بیٹھا جو جم کے یار کے پہلو میں دل رقیب
دم رک گیا مرا کہ وہ چھاتی کی سل ہوا

کچھ یار کے دامن کی خبر پوچھ نہ ہم سے
یہاں ہاتھ سے اپنا ہی گریباں گیا تھا

منظور کب تھا کعبہ و بتخانہ دیکھنا
دونوں جگہ تھا جلوۂ جاناں نہ دیکھنا

آنکھ اپنی سوئے در ہی رہی رات دن لگی
نظروں میں جس سے وعدۂ دیدار ہو گیا
ایسا ذرا ہوا اگر میرے یار کے
وہ بھی تو درمیان میں دیوار ہو گیا

ہم نام ہی سنتے ہیں فقط مہر و وفا کا
آنکھوں سے کہیں مہر و وفا کو نہیں دیکھا

یاروں کی فقط جنبش دامن پہ نظر ہے
افسوس کہ اس جنبش پا کو نہیں دیکھا

ملنے سے میرے یار کو انکار ہی رہا
جب تک جیا میں وعدہ دیدار ہی رہا
فرصت کبھی نہ مجھ کو گریباں دری نے دی
دست جنوں گلے کا مرے ہار ہی رہا

محشر کو تھا جو وعدۂ دیدار آپ کا
حاضر ہوا یہاں بھی گنہگار آپ کا
جس روز ہم کو سایۂ طوبیٰ میں جا ملے
اٹھے گا بار سایۂ دیوار آپ کا

یوں آپکا دل کہ جو ہم گھور رہے ہیں
اس میں تری صورت نظر آتی ہے ہمیں کیا

کچھ دیر ہے رہائی مرغ اسیر میں
جائے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا
دیکھو شبیہ عاشق و معشوق کا ورق
گویا مقابلہ ہے خزاں و بہار کا

کیوں پھڑکتا ہے قفس میں اسے آزار ہے کیا
یہ تو پوچھو ہوس مرغ گرفتار ہے کیا

پائے پر آبلہ میرے یہ سمجھتے ہی ہیں
نوک سوزے کی کسے کہتے ہیں اور خار ہے کیا

گلی سے یار کے قاصد مرا شتاب آیا
جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا

عالم ہے بہت بوستگی عاشق سے مطلع
جب سامنے خیال رخ آیا علم ہوا

دیکھنا ! ضد سب تھا صیاد نے مجھ کو کیا
باغ سب تاراج جب باد خزاں سے ہو گیا

جو خوب رو ہے اس کو خریدار ہے ضرور
یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا
بلبل قفس سے چھوٹ کے پہنچا نہ باغ تک
حسرت ہی دل میں مرغ گرفتار لے گیا

جس کی صورت آنکھ سے اوجھل کبھی ہوتی نہ تھی
اب اسی کا تشنۂ دیدار میں رہنے لگا

اے وائے آگیا مرے آرام میں خلل
خواب عدم سے اس نے یہ مجھ کو جگا دیا

مجھہ سے ناچار هیں اے مرگ ! وگرنہ هم تو
قصد کرتے نہ کبھي زیر زمیں جانے کا

گرم سفر رهے پر منزل کو هم نہ پہنچے
آوارگی نے هم کو ریگ رواں بنایا

کنج قفس میں لطف ملا جس کو وہ اسیر
چھوٹا بھی تو کبھي نہ سوئے آشیاں گیا
یاران رفتہ هم سے ملے ایسا چھپ گئے
معلوم بھی هوا نہ کدھر کارواں گیا

هوا هے دشمن جاں اب تو باغباں میرا
چمن میں رهنے نہ دے گا یہ آشیاں میرا

گردن تک آئے پھر گئي وہ تیغ آبدار
پیمانہ هوکے عمر کا معمور رہ گیا

پیري سے هوگیا هے یوں دل کا داغ ٹھنڈا
جس طرح صبح هوتے کردیں چراغ ٹھنڈا

انگڑائي لیکے اپنا مجھہ پر خمار ڈالا
کافر کی اس ادانے بس مجھہ کو مار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بار گران ہستی
یہ بوجھ سر سے ہم نے آخر اوتار ڈالا

افتاد گان وادی غربت کی سر گذشت
کرتا ہے خود بیاں لب خاموش نقش پا

عاشق کے نہ ملنے کا سبب کچھ بھی نہ ہوگا
منظور اسے لطف و غضب کچھ بھی نہ ہوگا

مہندی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا

ترے خیال کو بھی ہم نے شب نہ پہچانا
اگرچہ دیر تلک وہ دو چار ہم سے رہا

ہم اسیران قفس کو جب خبر دی تو نے آہ
لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن اے صبا

دل تڑپ میں نہیں واقف ہے شکیبائی کا
جان ہی لے گی ہماری شب تنہائی کیا
''مصحفی'' گوشے میں بیٹھا ہے جو خاموش سا آج
تیری تصویر کسی نے اسے دکھلائی کیا

رونے سے کام بس کہ شب اے ہم‌نشیں! رہا
آنکھوں پہ تا بہ صبح، سر آستیں رہا

یاران گرم رو تو سب آگے نکل گئے
اللہ رے ضعف! ان سے میں پیچھے کہیں رہا

ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
میں نیم کشتہ نگہ شرمگیں رہا

کیا میرے رنگ زرد کا چرچا ہے دہر میں
رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا

کیوں جاؤں بار بار نہ اس در پہ "مصحفی"
کھلنے میں پھرے اب تو مرا دل نہیں رہا

سور غم پنہاں سے دل اپنا جو بھر آیا
ہر نالہ آتش تھا جو لخت جگر آیا

"مصحفی" یہ مرض غم ہے، تو مر جاؤ گے
کچھ علاج دل بیمار کرو تم اپنا

جو اٹھ گیا فلک کے ستانے سے اٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اٹھ گیا

گو اب ہزار شکل سے جلوہ گری ہوئی
اپنا تو دل اس آئینہ خانے سے اٹھ گیا

باقی نہ "مصحفی" کا رہا خاک بھی نشاں
نقش قدم کی طرح زمانے سے اٹھ گیا

میں نے تو تیرے عشق میں کیا کیا نہیں کیا
سب کچھ کیا یہ پر تجھے رسوا نہیں کیا

مجھے آتا ہے رحم اس طائر بے پر کی حسرت پر
وہ اڑ سکتا نہیں اور ہے قریب آشیاں بیٹھا

بے نصیبی کا گلہ ہے کہ ہم اس دم پہنچے
گر کے جب ہاتھ سے ساقی کے سبو ٹوٹ گیا

نظر آتا ہے کہ اک روز میں اس گلشن سے
خاک اڑاتا ہوا مانند صبا جاؤں گا

پر وہ نہ اٹھایا کبھی رخسار سے اس نے
تا زیست مجھے حسرت دیدار میں رکھا

تھی فکر اہل جرم میں کس کو دوں میں قتل
اتنے میں یاد اس کو مرا نام آگیا
افسوس یہ کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب حشر لب بام آگیا

دل میں کہتے تھے ملے یار تو کچھ اس سے کہیں
مل گیا وہ تو نہ اک حرف زباں سے نکلا

خوبان خوش خرام سے شکوہ یہ ہے کہ ہائے

کچھ دھیان بھی کیا نہ کسی پائمال کا

ہاتھ سے جب کہ ترا گوشۂ داماں چھوٹا

ایک ساعت نہ کشاکش سے گریباں چھوٹا

سب کو نامے میں لکھا اس بت کافر نے سلام

آئی نوبت جو مری میں قلم انداز ہوا

سحر عشق نے لیلی کو دکھائی تاثیر

آپ مجنوں کی طرف ناقہ بہت تیز آیا

جدھر دیکھو ادھر چرچا ہے ان ہنگامہ سازوں کا

چلے فتنے کی کیا، یہاں دور ہے دامن درازوں کا

جب آنکھ اس سے لڑ گئی مر مر کے ہم بچے

پھلی ہمیں نہیں ہے سزاوار دیکھنا

تو کرے ناز اگر حسن پر اپنے ہے بجا

کہ بناکر تجھے خالق نے بہت ناز کیا

ھے یہاں کس کو دماغ؟ انجمن آرائی کا
اپنے رھنے کو مکاں چاھئے تنہائی کا
بھیج دیتا ھے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ھے مری تنہائی کا

پھر وفا ہے صبر و طاقت ھجر میں اس کے ھمیں
دل بھی اب بے طاقتی کو کام فرمانے لگا

ھم بھی بیٹھے ھیں سرراہ خدا کے تکیہ
جی میں آئے تو فقیروں سے ذرا مل لینا

ملنے میں کتنے گرم ھیں یہ ھائے دیکھنا
کشتہ ھوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا
اے باغباں نہ مجھ سے خفا ھو کہ اب چلا
اک دم خوش آگیا ھے مجھے سایہ تاک کا

کب سے کھلی ھیں آنکھیں مری انتظار میں
اے صنم منہ دکھا کہیں اے آفتاب ا

ھے تماشا کدۂ خلق، مری خاک مزار
جی میں آئے تو ذرا تو بھی یہاں ھو جانا

کوچۂ عشق میں پرسش کی نہیں بات کوئی
سہل سی بات ہے یاں جی کا زیاں ہو جانا

یہی رہتا ہے مرے سوچ میں اندیشہ مجھے
کہ میں اس در سے اٹھوں گا تو کدھر جاؤں گا
جسطرح پیش نظر سارا زمانہ گذرا
میں بھی اک رو اسی طرح گزر جاؤں گا

اک جیب تھا سو نذر کیا تیرے اے جنوں
لاؤں کہاں سے اب میں گریبان دوسرا

غرض ہر وقت روتے ہی رہے ہم دل کے ماتم میں
نہ سوکھا ایک دن رومال اپنے دیدہ تر کا

یا تو آگے دیکھ کر آئینہ شرماتے تھے ہم
یا وہ اب تصویر سا بیٹھا نظر رہنے لگا

انداز محبت نے کوئی سیکھ لے ہم سے
رکھتے ہیں جسے عشق وہی فن ہے ہمارا

مرے جنوں پہ بہت تنگ ہے فضائے جہاں
مکان چاہئے اس کو بڑی فراغت کا

اس اشک و آہ سے گر دل نہیں دھلتا تو گلشن میں
شمیم برگ گل اور قطرۂ شبنم سے کیا ہوتا

کسو مست کی لگی ہے مگر اس کے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہے میکدے میں قدح شراب الٹا

بھیجنا پاس تمہیں غیر کے دیا لازم تھا
تم نے اتنا بھی کبھی پاس ہمارا نہ کیا

اگر درد دل میں یہ لذت ہے یارو
تو میں ان طبیبوں کے درماں سے گذرا

اب دم نہ رکا ہاتھ مرا جامہ دری سے
اک چاک نیا روز گریباں میں دیکھا

دیر و حرم میں آ تو یہ معلوم ہو تجھے
الفت نے تیری گبر و مسلماں سے کیا کیا

شمع پردے میں جلی تو کیا ہوا
ہم پہ سب احوال روشن ہوگیا
کس نے پلکیں شب خدنگ انداز تھیں
دل میں ہر تارے کے روزن ہوگیا

وہ عشق و ولولہ وہ شور ہائے و ہو نہ رہا

ہوئے ضعیف ادھر ہم، ادھر وہ تو نہ رہا

ہم آپ ہی کشتے ہیں ہمیں قتل کی حاجت

یوں جی میں جو آئے تو کوئی زخم لگانا

ان آہوں سے حجاب اس آسماں کا اٹھ نہیں سکتا

غضب یہ ہے کہ پردہ درمیاں کا اٹھ نہیں سکتا

ہم اس گلشن سے اک دن آشیاں اپنا اٹھا لیں گے

دماغ اپنا تو ہم سے باغباں کا اٹھ نہیں سکتا

کعبہ و دیر میں ڈھونڈھے جو کوئی لے کے چراغ

ڈھونڈھے سے کافر نہ ملے اور نہ مسلماں مجھ سا

اے "مصحفی" آیا نہ نظر صبح کے ہوتے

کیا تو بھی شب ہجر، چراغ سحری تھا

چھوٹ سا جاتا رہا ہے دل سے میں حیران ہوں

اس نے دل آنکھیں لڑائیں مجھ سے کیا جادو کیا

ابر رحمت ! میں توقع پہ تری آیا ہوں
دھو سیاہی کو مرے نامۂ اعمال سے خوب

ہونٹھوں پہ آرہی ہے یہ جاں انتظار میں
آنا ہے آپ کو تو کہیں آئیے شتاب

ہجر میں اک آدھ گھڑی تیرا تصور بخدا ساتھ
شب مہتاب سے ہم کو وہ شب تار ہے خوب

نالۂ صبح ! یہ کیا بے ادبی کرتا ہے
پایۂ عرش معلی کا ہلانا نہیں خوب

آنے کی تیرے کہہ کے مرا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

یہ میکدہ وہ ہے کہ نہ پھر ہوش میں آیا
جس نے کہ یہاں آکے پیا جام محبت

روح کو اس تن خاکی میں ہو راحت کیوں کر
ہے وطن قید قفس مرغ گرفتار کے موت

افسوس آشیاں پہ مرے برق گر پڑی
جب فصل گل میں میں نے کئے بال و پر درست

وا حسرتا کہ قافلہ یاروں کا چل بسا
ہم سے نہیں ہوا ابھی ساز سفر درست

خوشی کو کیا کوئی ڈھونڈھے کہ نام تو بھی نہیں
وہ مدتیں ہیں ہماری دیار سے رخصت

نالہ میں اس باغ کی وہ بھی نہیں
کون ہر ساعت کرے بلبل سے بحث

دیدار ہی ہے حسرت دیدار کا علاج
محشر پہ اٹھ رہا مرے بیمار کا علاج

اٹھتے ہو جو الگ یار سے اپنا میں کہوں
سامنے رکھنے دے تو بیچ میں دیوار نہ کھینچ

چلبلی میں ہے وہ ابروئے خمدار کی طرح
چلتی آپ ہی آپ یہ تلوار کی طرح

بہار آئی خبر لے ان کی صیاد
قفس میں ہیں جو تجھ بے بال و پر بند

دیکھو! کاوش سے پلکوں کی تمھاری

ہے یاں رگ رگ میں میری نیشتر بند

نہ کی نالش پہ دیکھا ہے مسوسا

ابھی اے ''مصحفی'' رکھیں نہ لب بند

کہتا ہے مجھے صیاد! قفس کا یہ جو در بند

اڑ جاؤں قفس لے کے اگر میں نہ ہوں پر بند

پھر گئیں ہم سے یار کی آنکھیں   گردش روزگار کے مانند

شاید کہ جل کے سینہ میں دل خاک ہوگیا

دھونی ہے جو مری نفس واپسیں سے گرد

شتاب دم کو اب کیا درنگ ہے صیاد

کہ جان میری اسیری سے تنگ ہے صیاد

نہ ہوئی شاد کسی خاطر غمگیں فرہاد

دل پہ کھوں تیشہ نہ کی صورت شیریں فرہاد

صانع نے ہاتھ سے قلم صنع رکھ دیا

اس حسن لازوال کی تصویر کھینچ کر

خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشی مجھ کو
"مصحفي" میں تو اسے حال چلا دکھلا دو

ملھ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ھی چلے گئے
آوار گان عشق کو منزل کی کیا خبر
شمع شب فراق بنے ہم تو "مصحفی"
ہم دا جلوں کو عیش کی محفل کی دیا خبر

ڈرتا ھوں میں سینہ کہیں پھٹ جائے نہ تیرا
اے "مصحفي" اس طرح نہ فریاد کیا کر

بوہ کے اک دم سے نہیں گلشن ھستي کی بہار
اس سے تو سیر گلستان عدم ھے بہتر

عجب ڈھنگ ظالم کی آنکھوں کا دیکھا
نظارا فلک پر اشارا زمیں پر

کیا گردش فلک کا گلہ ھے کہ لے گئی
ہم کو تو تیری چشم کی گردش وطن سے دور

کافر مجھے نہ کہیو اے مومنان صادق
کرتا ھوں بت کو سجدے میں تو خدا سمجھ کر

شوخی میں تیری چشم کی بجلی کے ہیں یہ ڈھنگ
گاہے نظر زمیں پہ گہے آسماں پر

چین سے کیا زمیں پہ بیٹھیں ہم سر پہ یہ آسمان ہے کافر

ساتھ پیکاں کے نکل آیا جو دل لپٹا ہوا
یار پچھتایا مرے سینے سے پیکاں کھینچ کر

خاتمہ حسن حسینان کا ہوا ہے مجھ پر
تب تو صانع نے بنائی تری تصویر آخر
"مصحفی" یار کے ملنے سے نہ ہو ناامید
کبھی آنے نہیں تو دکھلائیں گے تاثیر آخر

جی تو بھر آتا ہے میرا ضبط سے اے "مصحفی"
پر حیا رونے نہیں دیتی مجھے دل کھول کر

شمع کے پاس جو آنے نہیں دیتی فانوس
گرد پروانے پھرا کرتے ہیں باہر باہر

کاش کے وہ بھی ہمارے سامنے ہی ہو چکیں
گردشیں باقی ہیں جتنی چرخ زنگاری میں اور

اس طرف ہم ہوں گے رخصت، اس طرف تو جائیو
کاٹ لے اے شمع اک شب گریہ و زاری میں اور

آسودگان خاک کی عالم کی سیر کر
کیا چپ پڑے ہیں مجلس ماتم کی سیر کر

یاد آتا ہے جس وقت وہ پیارا ترا نقشہ
روتا ہوں گلے سے تری تصویر لگا کر

قاتل سے یہ کہو کہ تماشے کا وقت ہے
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے بسمل کو بے قرار
ملنے کو اس کے کیا کہوں کل اس نے "مصحفی"
دو باتیں کر کے اور کیا دل کو بے قرار

عجب کیا کام ہے قدرت سے نکلے گو مہروں کا
رفوے شغال ہے موقوف اک ادھی کی سوزن پر

ہے مری خاک بگولے کی طرح چکر میں
دست بردار نہیں گردش افلاک ہنوز
یار مل جائے گا اتنی بھی نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کی ہے اے دل صد چاک ہنوز

نعش پر نعش چلی آتی ہے اس کوچے میں
پر سر رحم نہیں غمزہ سفاک ہنوز

اس کے ہاتھوں سے کہاں جاؤں کہ یہ جوش جنوں
دست بردار نہیں میرے گریباں سے ہنوز

بیگانگی ہے اس کی ملاقات میں ہنوز
احسرتا کہ فرق ہے دن رات میں ہنوز

شاید نہیں ہوتی مری حاجت روا ہنوز
سوے فلک دراز ہیں دست دعا ہنوز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدہ تر روز
ساون کا مہینہ ہے ترے ہجر میں ہر روز

قصہ عشق ہے وہ طول و طویل جس کا انجام ہے نہ کچھ آغاز

یار کرتا نہیں نگاہ افسوس چشم پوشی سے اس کی آہ افسوس
"مصحفی" تیغ ناز خوباں سے ہو گیا قتل بے گناہ افسوس

ہم اسیران قفس لطف چمن کیا جانیں
کون لے جاتا ہے ہم کو گل و گلزار کے پاس

یہی یہ روگ لگ گیا ہم کو
ساتھ لائے نہ تھے عدم سے مرض

وہ دن گئے کہ پیتے تھے جام شراب سرخ
اپنی معاش خون جگر پر ہے اب فقط

تو ادھر جاتا ہے اور ہے روح کی رخصت ادھر
کچھ تو کہہ لے مجھ سے اے آرام جاں وقت وداع

قصۂ عاشق رہا موقوف شب ہائے دگر
کر گئی اپنا بیاں اک رات میں افسانہ شمع

دل میں روشن ہے جو یارب داغ فرقت کا چراغ
صبح محشر تک نہ ہو گل یہ محبت کا چراغ
بے نشاں اب ہوگیا ہوں ، میں ورنہ پیش ازیں
یار کا نقش قدم تھا میری تربت کا چراغ

شعلہ اس کا مختصر خون لاکھ پروانوں کا تھا
دیکھتا گر ڈال کر منھ کو گریباں میں چراغ

تیر افگن ہیں ستارے ہجر میں دل پر مرے
بخت نے اس کو بنایا ہے نشانے کا چراغ

جب ہو چکا تمام تو حیران رہ گیا
نقاش دیکھ کر تری تصویر کی طرف

کھنچتا ہے ہر کشش میں کماں دار دل مرا
دیکھوں کماں کو کہ ترے تیر کی طرف

گردش تمہارے چشم کی دیکھیں ادھر کدھر
تکتی ہے ساری خلق اسی جام کی طرف

کام ہے کاے سے کچھ اس کو نہیں
آشنا سے آشنا ہونا ہے عشق

ماجرائے عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
سخت کافر ماجرا ہوتا ہے عشق

یہ اس کے حسن کی نیرنگیاں ہیں
نکلے برطرف کیا حسن کیا عشق

مصحفی " جاکے میں گلزار میں ناشاد آیا
نہ ہوئی نکہت گل سے بھی ہوا داری دل

ہے گرفتاری دل باعث بیماری دل
ہوں نہ بیمار اگر ہو نہ گرفتاری دل

"مصحفی" اس کو میں سرگرم وفا پاتا ہوں
ان دنوں دیکھ تو ہوا ہے اثر زاری دل

کیا کریں جا کے گلستاں میں ہم
آگ رکھ آئے آشیاں میں ہم
جان و جاناں میں کوئی فرق نہیں
ایک پردہ ہیں درمیاں میں ہم

کبھی کام اپنا کسی سے نہ نکلا بہت خلق کے در لگا آ چکے ہم

بے نام و نشاں بہت رہے ہم پردے میں نہاں بہت رہے ہم
شب گھر سے وہ ماہ رو نہ نکلا در پر نگراں بہت رہے ہم

پیدا کیا ہر ایک کو اک کام کے لئے
اس کو جفا سے کام ہے مجھ کو وفا سے کام

چھپتا ہے کیا ؟ نہ دکھلا آئینہ اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

جتنا کہ ہمیں خوار یہ رکھتا ہے شب و روز
اتنے تو گنہگار زمانہ کے نہیں ہیں ہم
ہوجائیں گے پامال گذر جائیں گے جی سے
پر سر ترے قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

مرجائیں گے اے باد صبا دور چمن سے
پر تیری طرح خاک اڑانے کے نہیں ہم

ہر طرح تیرے ہی ہیں جو کچھ بھی ہیں
آشنا ہیں خواہ بے گانے ہیں ہم

مرجاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے
کس جرم کا خواہاں ہے مرا دل، نہیں معلوم
وہ بحر یہ دریاے سرشک اپنا کہ جس کا
ملاح تو کیا نوح کو ساحل نہیں معلوم

شمع آسا قصہ سوز دل اپنا ہے دراز
صبح کردیں گر کبھی چھیڑیں اس افسانے کو ہم

یاں خبر لینے کو آیا ہے مسیحا میری
اور اب تک ہے وہاں بے خبری کا عالم

تصدق کھینچتے ہیں بس اس گلستاں میں ہم
ہے دل میں ایک دن نہ رہیں آشیاں میں ہم

کیوں جائے نہ بے پوچھے ہوئے "مصحفی" اس پاس
ناداں کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم باز پسیں ہم
دنیا میں مسافر ہیں، نہیں کوئی مکیں ہم
پہلا سا مزا اب نہ رہا عشق کہن میں
پھر دل کو لگا لیں گے نئے سر سے کہیں ہم
گر دیدۂ تحقیق سے اے "مصحفی" دیکھیں
ہیں ہر طرف اس آئنہ خانے میں ہمیں ہم

ہے بر خلاف سارا زمانہ تو کیا ہوا
کی بخت نے مدد تو وہ دلبر ہے اور ہم
دل نذر ایک یار پری وش کو کر چکے
اے "مصحفی" اب آگے مقدر ہے اور ہم

اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو کیوں
لبریز آب و رنگ ہے یہ پیرہن تمام

مرغان باغ میں مرے نالے کا شور ہے
ہر چند میں ابھی نفس نا کشیدہ ہوں

کیا گرم اختلاط کسی سے ہوں " مصحفی "
فرصت ہے زندگی کی ' بہ‌قدر شرر ہمیں

حیراں ہوں اپنے کام کی تدبیر کیا کروں
جاتی رہی ہے آہ سے تاثیر کیا کروں
دل مانگتا ہے مجھ سے، مجھے بھی نہیں ہے عذر
اتنی سی چیز ہے اسے دل‌گیر کیا کروں
بے دیکھے اس کے مجھ کو تسلی نہیں ذرا
نقاش اس کی لے کے میں تصویر کیا کروں

ہمارے طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وہ آنکھیں نہیں، اب جو ہم دیکھتے ہیں

تارے گن گن کے " مصحفی " کاٹی
سب شب انتظار آنکھوں میں

فلک جب کسی کو ہنساتا ہے مجھ پر
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں

نہ بیٹھو ابھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
کماں ہاتھ میں لو نشانے بہت ہیں

اُٹھ اے "مصحفی" کیا بیٹھا در ہے تجھ کو
پٹکنے کو سر آستانے بہت ہیں

ہستی کو مری ہستئی عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست مگر ہستئی عالم سے جدا ہوں

دشمن جاں ہوئے ہیں عالم کی
وہ جو اک مہرباں ہمارے ہیں
" مصحفی " آنسوؤں پر اتنا ناز
ایسے کیا عرش کے یہ تارے ہیں

خوش رہو بے سبب خفا ہو اگر
اے بتو تم مرے خدا تو نہیں

کچھ ڈر نہیں منزل پہ پہنچ جائیں گے ہم بھی
گو راہ ابھی دور ہے جی کاہے کو ہاریں
قصد اپنا تو ہے " مصحفی " بت خانے کی جانب
جاتے ہوں جو کعبے کو وہ کعبے کو سدھاریں

دو چار قدم جاکے پھر آتے ہیں ہمیشہ
رہتا ہے نیا روز سفر اس کی گلی میں

کبھی بہار کبھی ہے خزاں زمانے میں
ہمیشہ کون رہا ہے جواں زمانے میں

مرگئے کیا سبھی زنداں میں ترے دیوانے
آج کل نالۂ زنجیر کی وہ دھوم نہیں

ہم اپنے ساتھ لے کے چلے ہیں یہ کارواں
سو آرزوئے کشتہ ہمارے کفن میں ہیں

جان دینے میں اضطراب ہے کیا ۔ لیجئے مہرباں دیتے ہیں
لاکھ چاہا زمیں پہ بیٹھ رہیں ۔ چین کب آسماں دیتے ہیں

چھٹ گیا اپنا گریباں جب سے ۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

"مصحفی" آج تو ساقی کی خوشامد ہے ضرور
بھر کے لایا ہے مئے بے خبری شیشہ میں

آکے کوچہ میں ترے' دل کی تسلی کے لئے
روزن در ہی سے ہم آنکھ ملا جاتے ہیں

کبھی پردے سے جو وہ آنکھ لڑا جاتے ہیں
نہیں دیکھا ہے جو جلوہ' وہ دکھا جاتے ہیں

"مصحفي" درد محبت هو نہاں کیا دل میں
یار تو بات کے انداز سے پا جاتے ہیں

جیتا رہوں کہ ہجر میں مر جاؤں کیا کروں
تو ہي بتا مجھے میں کدھر جاؤں کیا کروں

جس طرح سب جہان میں کچھ ہیں
ہم بھی اپنے گمان میں کچھ ہیں
ہم بھي اس انقلاب عالم سے
آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں

خوف آتا ہے مجھے ' ہے یہ زمانہ الٹا
ہو کے بجلي نہ پڑے مجھ پہ مري آہ کہیں

نزدیک اپنے شوق کي منزل ہے دو قدم
تیزي جو پاؤں میں ہو تو راہ اس قدر نہیں

دست وپا کیا کوئي جاں باختہ مارے اس میں
بحر الفت کو جو دیکھا تو کنارا هي نہیں

ہے مئے گلگوں کي تیري ایک گلابي ' ہاتھ میں
یادل پر خوں ہے میرا اے شرابي ہاتھ میں

دل کي بے تابي سے حالت ہے یہ میري اس سال
کہ قفس کو بھي لئے ساتھ اڑا جاتا ہوں
فائدہ اور تو اس کوچے میں آنے کا نہیں
نقش پا سے فقط آنکھیں تو ملا جاتا ہوں

اشک جس وقت کہ مژگاں پہ رواں ہوتے ہیں
دل کے جوہر مري آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں

ہرشب، شب فراق میں، کہتا ہوں میں یہی
اس شب بچوں تو صبح مداواے دل کروں

رہروان سفر بادیۂ عشق اے واے
قافلہ راہ میں لٹوا کے چلے آتے ہیں

سب جہاں سے ہم کو خبر ہے بھي اور نہیں
اک واہمہ سا پیش نظر ہے بھي اور نہیں
انجام کیا ہو اس شب ہجراں کا دیکھئے
طالع سے تو امید سحر ہے بھي اور نہیں
گم گشتگاں بادیۂ عشق کے لئے
ریگ رواں کي طرح سفر ہے بھي اور نہیں

انس کہتے ہیں جسے پیرو جواں میں وہ نہیں
وہ جو اک چیز محبت ہے جہاں میں وہ نہیں

دیکھتا تھا خواب میں اس کا میں داماں ھاتھ میں
کھل گئی جو آنکھ تو پایا گریباں ھاتھ میں

کہا "مصحفی" میں رواں یاروں کی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ھیں

نے محرم چمن، نہ شناسائے باغ ھیں
ھم اپنے اس نصیب کے ھاتھوں سے داغ ھیں

عالم مکاں کا اور سے کچھ اور ھو گیا
تم آے قسمتیں درو دیوار کی پھریں

مرنا پڑا ھے مجھ کو زمانے کے رشک سے
لاکھوں ھیں اس کے طالب دیدار کیا کروں
انکار کفر عشق حمیت سے دور ھے
اب تو گلے پڑا مرے زنار کیا کروں

زباں بریدہ سے اے ھم صفیر ھم بھی ھیں
جہاں ھیں اور قفس میں اسیر، ھم بھی ھیں

ھم صفیران چمن کی انہیں حاجت کیا ھے
زمزمے کرتے ھیں جو پردۂ خاموشی میں

اس کے چتون کی شرارت سے عیاں ہوتا ہے
تیری تصویر مجھے پاس بلانے کی نہیں

ہم گرفتاربلا جی سے گذر جائیں کہیں
اس سے بہتر ہے ترے غم میں کہ مر جائیں کہیں
زیر دیوار چمن ذبح مجھے کر صیاد
شاید اڑتے ہوئے یاں سے مرے پر جائیں کہیں

مجھ کو کیا کام کہ اس کوچہ میں جاؤں اے دل
تو گرفتار ہے کچھ میں تو گرفتار نہیں

خوبرو گر دل بیمار کا چارہ نہ کریں
منع کا بھی تو طبیبوں کو اشارا نہ کریں
مصلحت ہے کہ ترے در کی سگھائیں مٹی
غش میں آئیں تو ہمیں لوگ پکارا نہ کریں

کچھ تو ملتا ہے مزا سا شب تنہائی میں
پر یہ معلوم نہیں کس سے ہم آغوش ہوں میں

یا خدا یہ چمن ہیں سب عالم ایجاد میں
کون کر اتنا اثر بھرنا نہ تھا فریاد میں

دل ایک قطرۂ خوں ' کوہ عشق بار گراں
تحمل اس کا کرے آدمی کا کام نہیں

کھاتا ہوا زمین پہ چکر پھرا ہوں میں
گردش میں آسماں کے برابر پھرا ہوں میں

از بسکہ اشک سرخ سے رنگیں ہیں پتلیاں
اپنا قفس بھی ہم کو کم از گلستاں نہیں

مذہب عشق کا عالم ہی جدا ہے ' ہم کو
کافروں میں کوئی گنتا ہے نہ دیں‌دار ہمیں

غیبت میں بھی تصور تلتا نہیں ہے اس کا
شب ہائے ہجر میں بھی ہم اس کے رو بہ رو ہیں

شغل یہ ہاتھ اسیروں کے نیا آیا ہے
ذکر بے رحمی صیاد کیا کرتے ہیں
تیری تصویر سے بہلاتے ہیں ہم دل اپنا
دل نا شاد کو یوں شاد کیا کرتے ہیں

ہم جن بتوں کے خاطر زنار باندھتے ہیں
وہ قتل پر ہمارے ' تلوار باندھتے ہیں

بیدار ہیں طالع انہیں لوگوں کے جو ہرگز
پاؤں پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اٹھائیں

رنگ رونے کا ، ہم اس شوخ کو دکھلادیں گے
آکے چمکا جو کبھی لخت جگر آنکھوں میں

"مصحفی" شہر سے دل سخت ہی تنگ آیا ہے
قصد ہوتا ہے کہ اب چل کے بیاباں دیکھوں

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت و خواری پہ روتا ہوں
میں ہوں آزردہ دل اپنی گرفتاری پہ روتا ہوں

اس کا پیچھا چھوڑتا ہے یہ دل بسمل کہاں
ہاتھ سے جاتا ہے اپنے دامن قاتل کہاں
میرے رہنے کی جگہ یہ ہستی فانی نہیں
چھوڑ کر مجھ کو گئی یہ ہستی باطل کہاں

نہ طاقت ہے کہ اس کی بزم سے اٹھ کر میں گھر جاؤں
نہ مقدور اس قدر مجھ کو کہ قرباں ہو کے مر جاؤں
ترحم ہے ضرور اے باغباں احوال پر میرے
بھلا اڑ کر کہاں گلشن سے میں بے بال و پر جاؤں

دیکھا جو اس کو غش کیا ' اب کیا مرے دل کو خبر؟
ساقی کجا! مے کس طرف؟ مجلس کدھر؟ جاناں کہاں؟

کیا جانیئے چمن میں کیا تازہ گل کھلا ہو
آئے تھے آگ رکھ کر ہم اپنے آشیاں میں

تھوڑی سے قید بھی ہے نازک تنوں کو زنداں
فریاد کر رہا ہے حسن اس کا پیرھن میں

یاس سے دیکھ رہا ہے جو رخ قاتل کو
کچھ تو ملتا ہے مزا تیغ دلے بسمل کو

اے "مصحفی" اک طرفہ خطا مجھ سے ہوئی ہے
روتھا ہوں میں جس سے وہ ملاتا نہیں مجھ کو

گل پھول وہ آئے ہیں جلانے مرے دل کو
لو اور لگے آگ لگا نے مرے دل کو
پیری میں بھی باقی ہے حسینوں کی محبت
اک روگ لگایا ہے خدا نے مرے دل کو

اس نور تجلی میں ہیں' سب برق کے انداز
سو بار کرے جلوہ تو سو بار نہاں ہو

لا اے صبا اڑا کے کوئی برگ گل ادھر
تسکین طایران گرفتار کچھ تو ہو

آئی بہار حسرت دل اب نکال دو
بلبل پھڑک پھڑک کے قفس توڑ ڈال تو
فتنے سے کہہ رہی ہے تری شوخئے خرام
میں سحر کو چلوں مرا دامن سنبھال تو

نہیں افلاس میں اب کوئی شناسا میرا
رنج غربت نظر آتا ہے وطن میں مجھ کو

آپ آئے ہیں ہمیں رخصت اگر کرنے کو
ہم بھی آمادہ ہیں دنیا سے سفر کرنے کو

ہم کہاں اور تماشائے رخ یار کہاں
حوصلہ چاہئے کچھ اس پہ نظر کرنے کو
زہر کا جام پلانے سے ہمیں کیا حاصل
اک نگہ فی ہے سو ٹکڑے جگر کرنے کو
"مصحفي"یوں تو سبھی شعر و سخن کہتے ہیں
چاہئے لطف سخن دل میں اثر کرنے کو

اے شوق سفر اس کی خبر ہم کو بھی کرنا
گر یہاں سے کوئی قافلہ جاتا ہو کہیں کو

سرگشتہ میری طرح جو رہتا ہے آسماں
ڈر ہے مجھے کہ اس کو تری جستجو نہ ہو
تیرے ہی ذات سے تو ہے وابستہ یہ طلسم
ہستی کہاں ہماری اگر ہم میں تو نہ ہو
مارے حیا کے خاک ہی میں تو تو مل گیا
اتنا بھی "مصحفی" کوئی بے آرزو نہ ہو

——

اے دل کہاں تلک یہ گراں جانیاں تری
چل دور ہو کہیں مری چھاتی کی سل نہ ہو

——

یہ کس نے مرے حق میں دعا کی تھی الٰہی
عاشق ہو تو اس کی نہ شب ہجر سحر ہو

——

ساتھ لے جائے کہاں عشق کی رسوائی کو
کور بھی تنگ ملی ہے ترے سودائی کو
اپنے کوچے سے قدم پھر نہیں بڑھنے دیتی
حیرت حسن تری پائے تماشائی کو

——

تختہ ہو چمن کا، مرا ہر تختۂ دامن
دامن میں اگر جمع کروں لخت جگر کو

——

حلقۂ بزم کی زینت تو رہی ہے تم سے
تم جہاں بیٹھے ہو مانند نگیں بیٹھے ہو

اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کی
بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھیڑو
رہنے دو پڑا "مصحفی" خاک پہ سر کو
اس غمزدۂ بے سر و ساماں کو نہ چھیڑو

کہتا ہے یہی مجھ سے ترا حسن ہمیشہ
اے برق جہاں سوز کہیں پردہ نشیں ہو
گہہ دیر میں جاتا ہوں، گہہ آتا ہوں حرم میں
پر دل کی تسلی نہ یہیں ہو نہ وہیں ہو

میں تو سمجھوں گا جو سمجھاتے ہو مجھ کو ناصحو
لیکن ان دردیدہ نظروں کو بھی سمجھایا کرو

ہم سے کیا منہ کو چھپائے ہوئے تم جاتے ہو
ہم نے پہچان لیا منھ نہ چھپاؤ جاؤ

دل تو بہت قریب ہے کر لیں گے سجدہ ہم
کعبہ جو ہم سے سیکڑوں فرسنگ ہے تو ہو

پردہ اٹھے یا نہ اٹھے اس کے چہرے سے ' مگر
یہ حجاب چشم ' یارب! درمیاں سے دور ھو

یاد آئی جو تری زلف پریشاں ' مجھ کو
صبح تک نیند نہ آئی شب ھجراں مجھ کو
میں جو کچھ ھوں سو ھوں ' کیا کام ھے ان باتوں سے
کوئی کافر کہے یا کوئی مسلماں مجھ کو

روٹھ کر بیٹھ رھوں میں وہ منانے آئیں
کاش اتنا مجھے مقدور شکیبائی ھو

علاج دل کا مرے ھے اگرچہ صبرو شکیب
میں کیا کروں جو مرا دل پر اختیار نہ ھو
چلا ھے شوق مجھے لے کے آج اس کی طرف
بڑا مزا ھو اگر دربہ پردہ دار نہ ھو
گلی گلی ھے مرا اب تو "مصحفی" چرچا
کسی کا راز نہاں یارب آشکار نہ ھو

کہا "مصحفی" میں سعی کروں روز گار میں
تقدیر گھونٹتی ھو جو تدبیر کا گلا

دل نہ سمجھو کہ فرشتوں نے جلانے کے لئے

رکھ دیا ھے مرے پہلو میں اک انگارے کو

کب تک شب فراق میں دل دردمند ہو

یارب شتاب صبح کا تارا بلند ہو

ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑ جاے پیچ کوئي

انگڑائي لے کے ناحق بل دیتے ہو کمر کو

خون ناحق ھوں، وہ کس طرح سے کھوئے مجھ کو

رھوں گردن پہ میں، دامن سے جودھوے مجھ کو

رھا ھے گل سے افزوں بیم تاراج خزاں مجھ کو

بنانا ھي نہ تھا ایسے چمن میں آشیاں مجھ کو

میں تھا ہمدرد اس کا پاس مجنوں ھي کے لے جاتا

اگر لیلیٰ کے ناقے کا بناتے ساربان مجھ کو

نکا ھوں میں بہار گل کو میں تو، لوٹ لیتا ھوں

بھلا کیا رخصت سیر چمن دے باغباں مجھ کو

پڑا ھوں شاخ سے گر کر میں برگ زرد کي صورت

خدا جانے کہاں لے جائے اب باد خزاں مجھ کو

رہا کچھ آسرا رستہ میں منزل پر پہنچنے کا
نظر آتی رہی جب تک کہ گرد کارواں مجھ کو

باغباں ہم سے تو آزردہ عبث ہوتا ہے
کرنے آئے ہیں فقط سیر گلستاں ہم تو
اب کی گر فصل گل آئے تو پے نذر جلوں
گل سے مانگیں گے نیا چاک گریباں ہم تو

شاید اس کے حسن میں باقی ہے آرایش ہنوز
روز محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو
یہ جوانی کھو کے، یوں پیری میں غفلت بڑھ گئی
صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

زلف کا بوجھ یوں کمر پہ نہ ڈال
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
اس قدر بھی بلند پروازی
اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ
''مصحفی'' یہ ستم نہ کر ناداں
خط نہ دے اپنے نامہ بر کو دیکھ

جاتا ھے لئے اشک مرے لخت جگر کو
اور مجھ سے یہ کہتا ھے مرے نامہ بری دیکھ

آنکھ ان کو نہیں ' شناخت کہاں
لوگ کچھ سمجھے ھیں' خدا ھے کچھ

صحبت ہے ترے خیال کے ساتھ
ہے ہجر مگر وصال کے ساتھ

شیخ تو کعبہ کو جا! جاؤں میں بت خانے کو
کہ تری راہ ھے وہ اور مری راہ ھے یہ
"مصحفی" سے جو یہ کہتے ھو کہ اٹھ جا در سے
اٹھ کے جائے گا کہاں بندۂ در گاہ ہے یہ

جو آشنا ھے اس سے ھے نا آشنا وہ شوخ
اور آشنا اگر ھے تو نا آشنا کے ساتھ

مانی! گلے میں اس کے' مرے ھاتھ ڈال دے
اور نام اس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ

نہ یار ہے ' نہ کوئی آشنا ہے ' میرے ساتھ
خدا کے ساتھ ہوں میں اور خدا ہے میرے ساتھ

زمانے کا چلن یکساں نہیں کچھ
کہیں کچھ ہے' کہیں کچھ ہے' کہیں کچھ
مرا جی تو بہلا بہلے کوئی دم
اسی کا ذکر کر اے ہم نشیں کچھ
غرض دونوں جہاں سے ہم ہیں آزاد
غم دنیا نہ ہم کو فکر دیں کچھ
اگر اے "مصحفی" ہو قصد تیرا
تو دور اپنا نہیں عرش بریں کچھ

نہ شریعت' نہ طریقت' نہ حقیقت' نہ مجاز
کون کافر مجھے کہتا ہے مسلمان ہے یہ

آنکھیں نہ چرا مجھ سے مری جان ادھر دیکھ
اے میں تری ان آنکھوں کے قربان ' ادھر دیکھ

مرگئے پھر بھی ہیں کھلی آنکھیں
اپنے عاشق کا انتظار تو دیکھ
مجھ کو کیا دیکھتا ہے قتل کے بعد
اپنی شمشیر آبدار تو دیکھ

روز کی خارا تراشی سخت مجبوری هے یه
عاشقی کاهے کو هے فرهاد ! مزدوری هے یه

رات آگیا کدهر سے یه کمبخت محتسب
شیشے میں میرے دل کو بھی توڑا سبو کے ساتھ
قربانیاں عهد کے همت کا هوں غلام
کرتے هیں سر کٹا کے مروت عدو کے ساتھ

داغ جگر سوخته میرے جو یه هیں
چمکیں گے شب گور میں انجم سے زیادہ

نامه بھیجا جو اسے اس نے اڑائے پرزے
دیکھئے هے ابھی قسمت میں لکھا کیا کیا کچھ
کان رکھ کر تو ذرا "مصحفی" اک بار تو سن
آتی هے دل کی دھڑکنے کی صدا کیا کیا کچھ

دل سوئے غیر اس نے کئی بار کی نگاہ
لاکھوں میں سچ هے چھپتی نهیں پیار کی نگاہ

مل گئے خاک میں ایسے که نشاں تک نه رها
پھر کوئی خاک کرے گور غریباں په نگاہ

آرزو ہے ترے دیدار کی ایسی کہ مدام
آنکھیں رہتی ہیں لگی روزن دیوار کے ساتھ
قصۂ کوتہیٔ عمر جو چھیڑا اس نے
شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھ

جتنے الفت زیادہ ہوتی ہے
دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے
دیکھتا ہوں جو تیری صورت کو
مجھ کو حسرت زیادہ ہوتی ہے

گرچہ بیزار ہے وہ مجھ سے مگر دھوکے میں
کچھ ہنسی اس کو مرے نام پر آجاتی ہے

کیا حور کا مذکور تو کرتا ہے ہمیشہ
خاموش ہو زاہد ہوس حور کسے ہے

اتنا بھی حقارت سے بتو ہم کو نہ دیکھو
اک دل تو ہے موجود اگر کچھ نہیں رکھتے

ہر ایک نے کھینچا ہمیں اپنی ہی طرف کو
ہم کش مکش گبرو مسلماں سے نہ چھوٹے

مرا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہاں تک میں پھڑ کا کہ کنج قفس میں
پروں کا مرے آشیانا ہوا ہے
ترے در پہ بیٹھا ہے گھٹنوں کو پکڑے
یہی "مصحفی" کو بہانا ہوا ہے

ہر حلقۂ زلف میں مرا دل
ہوتا ہے شکن شکن پہ صدقے

چمکا ہوا ہے فصل بہاری سے داغ دل
وہ بھی ہماری آگ پہ دامن جھٹک گئے

آئینہ خانے میں وہ جس دم گیا
آئینے خورشید نما ہو گئے

جاتا ہے مثل برق یہ سرپٹ اڑا ہوا
کتنی ! سمند عمر کی رفتار گرم ہے

رخصت بھری، ہوس عشق بتاں، کیا کیجئے
شرم آتی ہے کہ اب منھ سے فغاں کیا کیجئے

ہے نو بہار گلشن آفاق دیدنی
آنکھیں کبھی تو اے دل بے ہوش کھول دے

اشک نے راہ چشم تر لی ہے
مصلحت کچھ تو دل سے کر لی ہے
جو بلا آسماں سے آئی ہے
ہم نے وہ اپنی جان پر لی ہے
دید رخ سے ہے باغ باغ نگاہ
کیسے پھولوں سے گود بھر لی ہے
تب ڈبویا ہے قہر خالق نے
جب گناہوں سے ناؤ بھر لی ہے
میں نے بازار حسن خوباں سے
مول اک حسرت نظر لی ہے

بے امتیازی چمن دہر کیا کہوں
اس بوستاں میں قدر گل و خار ایک ہے
ہر رنج و راحت ایک اسے جس کے کان میں
صوت قفس ' ترانۂ گلزار ایک ہے

مجھ کو وہ بدنصیب کہتے ہیں
یہ بھی خوبی مرے نصیبوں کی

راہ عدم میں خاک ہوئے یا فنا ہوئے
یاران رفتہ آہ خدا جانے کیا ہوئے
اب آئینہ ہے اور بنانا ہے زلف کا
اچھا ہوا کہ تم بھی اسیر بلا ہوئے
کل تم کو آپ یاد کیا اس نے "مصحفی"
نالے شب فراق میں بارے رسا ہوئے

بات کہنا بھی کے کچھ اچھا نہیں
اس میں عاشق کا کہتا جاتا ہے جی

پردے میں جو پنہاں ہے وہ پیدا نظر آئے
کھل جائے اگر آنکھ، تماشا نظر آئے
اے دل نگہ اک روز تو اس دشمن جاں سے
تا دوستی مردم دنیا نظر آئے

یہ گم ہوئے ہیں خیال وصال جاناں میں
کہ گھر میں پھرتے ہیں ہم اپنی جستجو کرتے
ملا نہ "مصحفی" اس فتنۂ زماں کا سراغ
تمام عمر ہوئی ہم کو جستجو کرتے

چمن ہے سبزہ ہے ساقی ہے اور ہوا بھی ہے
جو یار ایسے میں آئے تو کچھ مزا بھی ہے

میں اعتماد کروں کس کی آشنائی پر
کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی ہے
دعا لکھی ہے اُسی خط میں میں نے کوئی بغور
اگر پڑھے تو دعا بھی ہے مدعا بھی ہے

کیوں نہ دیکھوں کہ بلائی ہے صنم
صورت ایسی ہی خدا نے تیری
" مصحفی " عشق کا اب نام نہ لے
جان رکھی ہے خدا نے تیری

مجھ کو پامال کر گیا ہے سہی   یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

آیا تھا میں سجدے کو ترے ملک عدم سے
سر سایے کے مانند اٹھایا نہ قدم سے

دیں اس نے گالیاں مجھے جس وقت اس گھڑی
کچھ ہو سکا نہ غیر دعا میرے ہاتھ سے

نہ تو یہ آہ ہی ہم دوش اثر ہوتی ہے
نہ شب ہجر ہی کم بخت سحر ہوتی ہے

واں بار یاب جلوہ اسي کي نگاہ ہو
آنکھوں سے اپني جو کوئي پردہ اٹھا سکے

جی سے تجھے چاہ ہے کسی کي
کیا جانے کوئی کسي کے جی کي
رونے پہ میرے ہنس رہے ہو
یہ کون سی بات ہے ہنسی کی

شاہد رہیو تو اے شب ہجر
جھپکي نہیں آنکھ "مصحفي" کی

محشر کے دن وہ آنکھ نہ کھولیں گے خواب سے
جو پاؤں تیرے کوچے میں پھیلا کے سو رہے

تن میں میرے، فقط اک دم کی ہوا باقی ہے
استخواں رہ گئے ہیں اور تو کیا باقی ہے

ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں
سر پھوڑ پھوڑ کر پس دیوار مرگئے

پھڑ کے ہیں زیر دام ہم ایسے کہ اب ہمیں
خنجر تلے تڑپنے کی طاقت نہیں رہی

رکھیگا ھے مجھے قید بلا میں یہ ھمیشہ
دل مجھ کو نہیں ' جان کا جنجال دیا ھے
اے "مصحفی" اس شوخ کی باتوں پہ نہ جانا
اس نے تو ھزاروں کو یونہیں ٹال دیا ھے

تمنائے زلف رسا ساتھ ھے — جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ھے
اسیر بلا پھر یہ ھوتا ھے کیوں — جو بندے کے ھر دم خدا ساتھ ھے
اگر اڑ کے جاے تو اے مشت خاک — چمن تک تو باد صبا ساتھ ھے
امید اس سے خلوت کی کیا ھو مجھے — ھر اک آدمی کی قضا ساتھ ھے

پھروں تری تصویر کو دیکھا شب فرقت
مجبوری میں یوں حسرت دیدار نکالی
جب خاک میں ھم مل گئے تب دیکھنے آئے
رفتار نکالی تو یہ رفتار نکالی

دل جا چکا مرا ابھی ھوش و حواس ھیں
پر دیر کیا ھے آج گئے خواہ کل گئے

کیا جانئے ؟ کسیر کہ عنقا ھے ' یہ کیا ھے
ملتی نہیں ' جو چیز زمانے میں وفا ھے

بے طرح نظر ھے ' طرف آئینہ تیری
ڈرتا ھوں تری آنکھ کہیں تجھ سے نہ لڑ جاے

دل دھڑکنے کا یہ عالم ھے کہ بے منت دست
پرزے ھو ھو کے گریبان اُڑا جاتا ھے

ھر لحظہ زلف اس کی دل مانگتی ھے مجھ سے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ھے

نہ وہ راتیں نہ وہ باتیں ' نہ وہ قصہ کہانی ھے
سر بستر فقط ھم ' یا ھماری ناتوانی ھے
بھلا میں ھاتھ دھو بیٹھوں نہ ' کیوں کر جان سے اپنی
کہ چلنے میں تمھارے ' موج دریا کی روانی ھے

ھر چند کہ ھے ھوش ربا صورت شیریں
دیکھے نہ کبھی صورت تو اگر ' جان نکل جاے

وعدہ قتل پہ رکھتا ھوں میں دل شاد اپنا
کہ اسی وعدے میں اک وعدۂ دیدار بھی ھے
مجھ سے کہتا ھے کہ گلیوں میں لئے پھر ھردم
دل بد بخت ترا کوئی خریدار بھی ھے

شرم آتی ہے اب اٹھ کر یاں سے کیا گھر جائیے
بیٹھے بیٹھے آستاں یار پر مر جائیے

سنا ہے آگ لگی ہے چمن میں ہم نفسو!
خبر تو لے دوڑی بلبل کے آشیانے کی
گلہ نہ کیجئے یاروں کی بے وفائی کا
کہ ان دنوں یہی تاثیر ہے زمانے کی

اے ساکنان کنج قفس آتی ہے بہار
ایسے میں تم بھی دھوم مچاؤ تو خوب ہے

ہزاروں مومن و کافر سجود میں ہیں یہاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ہے

حسرت پر اس مسافر بے کس کے روئیے
جو رہ گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

کبھی در کو تک کے کھڑے رہے ، کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

بے لاگ ہیں ہم ، ہم کو لگاوٹ نہیں آتی
کیا بات بنائیں کہ بناوٹ نہیں آتی

مثل آئینہ فقط وہ ہے اور اک حسرت ہے
عاشق بے سروپا کی بھی عجب صورت ہے
مجھ کو اے دوست جو چاہے تو ملا دے تجھ سے
میں تو عاجز ہوں پر اللہ میں سب طاقت ہے

ہزاروں حوادث ہیں تا زندگی ہے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے
چھپا منھ یہ ہم سے کہ مر جائیں گے ہم
مسیحا ترا دیکھنا زندگی ہے
تری بے وفائی کا شکوہ کریں کیا
خود اپنی یہاں بے وفا زندگی ہے

سفر اس دل سے کر گئے غم و درد
یار سونا مکان چھوڑ گئے

بلبل نے اشیانہ جب اپنا اٹھا لیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ہما بسے

میری اس کی جو سر راہ ملاقات ہوئی
منھ کیا اس نے ادھر، آہ ادھر میں نے کی

بام پر آکر جو شب' وہ کچھ اشارا کر گئے

کیا کہوں بس کام ہی آخر ہمارا کر گئے

سوزن کا ہے نہ کام نہ ناخن کی ہے جگہہ

کیوں کر مژہ کی پھانس جگر سے نکالئے

ہے درد عشق اس کا مداوا کروں میں کیا

اس کا علاج ہی نہیں جو دل کی چوٹ ہے

بے قراری اور بھی دل کو اگر ہو جائے گی

مجھ کو یہ ڈر ہے کہ پھر اس تک خبر ہو جائے گی

تجھ سے اے آہ سحر مجھ کو توقع تھی بڑی

یہ نہ جانا تھا کہ تو بھی بے اثر ہو جائے گی

بیکسی پر رحم آتا ہے کہ گر میں اٹھ گیا

پھر کہاں اس کا ٹھکانا در بدر ہو جائے گی

وصل کی شب کو میں اپنے دل میں سمجھا تھا دراز

یہ نہ جانا تھا کہ باتوں میں سحر ہو جائے گی

سیلاب اشک' میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا

کوئی کدھر سے رو کے کوئی کدھر سے باندھے

نسیم صبح ' چمن سے ادھر نہیں آتی
ہزار حیف کہ گل کی خبر نہیں آتی

اتھتے ہوئے بالیں سے مري ' رات مسیحا
بولا کہ خدا کے ہے یہ بیمار حوالے

دل دو دو ہاتھ سینے میں اچھل کیا مرا
کیا کیا شب فراق میں صدمے گذر گئے

تنہا نہ آسمان کي متي خراب ہے
عالم میں اک جہان کی متي خراب ہے
لیلی کي جستجو میں ہے کتنا تباہ قیس
صحرا میں اس جوان کی متي خراب ہے

خدا یا صبر دے دل کو یہاں تک راہ میں اس کي
دھرے زانو پہ سر بیٹھا رہے دو دن پہر کوئی

از بس کہ ترے حسن میں تھا مہر کا عالم
دم بھر نگہہ طالب دیدار نہ تھہری

دیکھا اسے آہ ہم نے کرلی   حسرت کی نگاہ ہم نے کرلي
نخوت سے جو کوئي پیش آیا   کج اپنے کلاہ ہم نے کر لی

کھاتا ہوں میں غم، پر مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

کارواں دور ہوا، پاؤں تھکے، جی ہارا
کون اب منزل مقصود کو پہنچائے مجھے

خار صحرائے جنوں! دست درازی سے نہ کر
چاک ہو جاتے ہیں کیا کیا مرے داماں کے

غم میں تیرے، راحت و آرام سے جاتے رہے
گھل گئے ایسے کہ ہم ہر کام سے جاتے رہے

دریا میں دل تھا دل اس نے جو بال باندھے
پھر تو بھی دل میں اپنے کیا کیا خیال باندھے

نہ پہنچو گے منزل پہ تم "مصحفی"
کیا دیر ہے اب کارواں، اٹھیے!

شب اٹھ کے محفل جاناں سے اپنے گھر کو چلے
مگر یہ کچھ نہیں معلوم ہم کدھر کو چلے

اے دیدہ ! شرط گریہ ہے ابر بہار سے
اتنا تو کیجیو کہ مری آبرو رہے

فغاں، میں جار کسل کرتا ہوں لیکن
نہیں سنتا مرا صیاد، میری

خفتگان خاک کی مجھ کو فراغت پر ہے رشک
سوتے ہیں کیا چین سے یہ، پاؤں پھیلائے ہوئے

کس ناز کا آنا ہے، کس قہر کا جانا ہے
صدقے ترے آنے کے قرباں ترے جانے کے

بس کہ سر رگڑا کیا میں آستان یار پر
ماہ نو کی طرح صرف سجدہ پیشانی ہوئی

مقتل میں تم جو آئے ہو کشتوں کو دیکھنے
اپنے شہید ناز کو پہچان لیجئے
مشکل نہیں ہے یار کا پھر وصل "مصحفی" !
مرنے کی ٹھان جی میں اگر ٹھان لیجئے

اے "مصحفی" دل جس نے اٹھایا ہے جہاں سے
اٹھتے ہوئے وہ یاں سے سبکبار اٹھا ہے

تیری محفل میں انہیں دخل نہیں ہے ورنہ
مہر و مہ آ کے یہاں آئینہ داری کرتے

دل کو دھڑکا ہے، کہاں چین سے خواب آتا ہے؟
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

کوئی اے "مصحفی" اس سے یہ کہہ دے
دعا دیتا تجھے سائل گیا ہے

اہل بصر کی جلوۂ خالق پہ ہے نظر
صورت پرست، محو تماشائے خلق ہے

مدت ہوئی کہ بیٹھے ہیں ہم انتظار میں
کیا جانے آئے آئے قیامت کہاں رہی
وہ تیر غمزہ دل سے مرے پار ہوگیا
جان ستم رسیدہ سلامت کہاں رہی

اچھے وہی رہے جو گلستاں میں مر گئے
حسرت نصیب ہم تھے کہ زنداں میں مر گئے
پہنچا نہ کام چشم کی گردش تلک دریغ
ہم اس کے ایک جنبش مژگاں میں مر گئے
نسبت درست کیجئے اب کس سے "مصحفی"
جو منتخب تھے گبرو مسلماں میں، مر گئے

بھی حسرت رہی دل میں نہ کبھی ساقی نے
اپنے ہونٹوں سے لگا کر نہ دیا جام مجھے

اے "مصحفی" سمجھیں ہیں ہم اس شوخ کو غافل
آگاہ ہے وہ خوب وفاداری دل سے

او دامن اٹھا کے جانے والے　　ہم کو بھی تو خاک سے اٹھالے
حلقے زلفوں کے تیرے رخ پر　　اک ماہ پہ اور ہزار ہالے
دل نے تو مجھے بہت ستایا　　دشمن کے پڑے نہ کوئی پالے

اس تامل کا ہوں کشتہ کہ ترا وقت خرام
پاؤں پڑتا ہے کہیں آنکھ کہیں پڑتی ہے

ہر اک رگ میں جو زخم نیشتر معلوم ہوتا ہے
مژہ کا تیرے رخ کچھ تو ادھر معلوم ہوتا ہے

افسانۂ عشق کس سے کہئے　　اس بات میں درد سر بہت ہے

اول تو قفس کا مرے در بار نہاں ہے
اور پھر بھی تو یاں طاقت پرواز کہاں ہے

روک لو ہاتھ، اب یہ بسمل   کام اپنا تمام کرنا ہے

قصۂ غم کیا لکھوں دم بھر میں میں
اس کے لکھنے کو زمانہ چاہئے

اے عشق اب کی رہ تری تاثیر کیا ہوئی
شور جنوں کدھر گیا زنجیر کیا ہوئی
دیوانہ پن کا میرے جو کرتے نہیں علاج
تدبیر کرنے والوں کی تدبیر کیا ہوئی

نہ جھپکی، نہ جھپکی، ذرا آنکھ میری
یہ شب مجھ کو اختر شماری میں گذری

آتے ہوئے گلی سے تری مثل گرد باد
ہم اپنی خاک آپ ہی برباد کرگئے

میں مرگیا پر اس نے میری طرف نہ دیکھا
ہاں جرم عاشقی کی تعزیر ہے تو یہ ہے
فرقت میں تیری اب تک جیتا رہا یہ مجنوں
ہاں سچ ہے "مصحفی" کی تقصیر ہے، تو یہ ہے

خاک بھی میری نہ پہونچی اس کے کوچے میں صبا
یوں گیا برباد میں مُشت غبار افسوس ہے
ہم صفیران چمن نے باغ کی لوٹی بہار
ہم قفس ہی میں رہے فصل بہار، افسوس ہے

عاشق سے اپنے قطع مروت نہ کیجئے
یہ بھی نہ کیجئے جو محبت نہ کیجئے

سلوک عاشق و معشوق کوئی کیا جانے
کسی کے ہاتھ سے آفت کسی کی جی پر ہے

آئے جو تیرے کوچے میں سوداگران عشق
تیرا تو کیا گیا وہی کچھ اپنا کھوگئے

گرم سخن تھے جن کی زباں ساری ساری رات
سو وہ چراغ صبح سے خاموش ہوگئے

کچھ خوب نہیں یہ خود نمائی
ہاں اے بت شوخ ! ڈر خدا سے

ہمیشہ "مصحفی" ہم راہ راہ جاتے تھے
کل اس گلی میں جو پہونچے تو راہ بھول گئے

اس زلف کا اینٹھنا تو دیکھو
ہے چھڑے بھی پیچ و تاب میں ہے
اوٹھ، ''مصحفی'' آفتاب نکلا
تو وقت سحر بھی خواب میں ہے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے   درد بے اختیار اٹھتا ہے
''مصحفی'' کو یہ ہے خیال ترا   سوتے سوتے پکار اٹھتا ہے

کاہے کو تیرے دام سے آزاد ہو کوئی
کیوں یاں سے اڑئے ? کس لئے برباد ہو کوئی ?
قاصد کوئی تم' کاہے کو بھیجوگے مرے پاس
نامہ تو وہ لکھے کہ جسے یاد ہو کوئی

اے صید فگن : تیر نہ سینے سے مرے کھینچ
پیکان کے همراہ کہیں دل نہ نکل جائے

قد قیامت' خرام آفت ہے   وہ چھلا وہ تمام آفت ہے

کس نے دکھلائی انھیں چشم غضب کیا جانئے
وہ جو جی اٹھے تھے پھر روز قیامت مر گئے

بیٹھ کر وہ جہاں سے اٹھتا ہے ایک فتنہ وہاں سے اٹھتا ہے
کشتۂ عشق یوں نہیں ہلتا مر کے کوئی یہاں سے اٹھتا ہے

خدا کے واسطے ہمدم ہمیں نہ چھیڑ اس وقت
کہ بیٹھے ہیں دل اندوہ گیں پہ ہاتھ دھرے

اے دل تہ خنجر نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
کیا کرتا ہے؟ قاتل کا کہیں ہاتھ نہ تھم لے

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے؟
نہیں معلوم کہ ماتم ہے فلک پر کس کا؟
روز کیوں چاک گریبان سحر ہوتا ہے

مانگی ہزار بار دعا پر نہ کچھ ہوا
ناچار اب دعا ہی سے ہم ہاتھ اٹھائیں گے

خوش دل سے ساکنان باغ کا عرصہ ہے تنگ
دیکھئے بلبل کا اس میں آشیاں کیوں کر رہے

سراغ قافلۂ رشک کیجئے کیوں کر
نکل گیا ہے یہ کوسوں دیار حرماں سے

ہے ماہ کہ آفتاب، کیا ہے؟
دیکھو تو تہ نقاب کیا ہے؟
سینے میں جو دل نہیں ٹھہرتا
یارب اسے اضطراب کیا ہے؟

جب جدا ہم سے یار ہوتا ہے دل بہت بے قرار ہوتا ہے

فراغت میں بتوں کی صورت دل خواہ یاد آئے
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آئے

صاف بگڑا ہوا آتا ہے مرا آئینہ رو
آج کچھ اور ہی صورت ہے خدا خیر کرے

مگر بہار کے دن ہیں کہ خود بہ خود صیاد
قفس چمن کو اڑے جاتے ہیں اسیروں کے

طاقت گئی فغاں کی، دل اب آہ کیا کرے
کیا جانے رفتہ رفتہ تری چاہ کیا کرے

نگہ ناز پسیں کی بھی ہوس مت جائیے
دل کم بخت میں ارمان نہ ہو اتنا بھی

— —

کب بھلا کوچۂ قاتل میں گذر ہے سب کا
وہی جاتا ہے وہاں، جس کی قضا آتی ہے

— —

آیا ہوں پھرتے پھرتے غنیمت مجھے سمجھ
کیا جانے پھر کدھر مجھے تقدیر پھینک دے

— —

زندانئ الفت نے دھرے تیغ گلے پر
زنداں سے نکلنے کی یہ تدبیر نکالی

— —

مقابل ہو یہ خورشید اس کے، کب اس کا یہ زہرا ہے
مگر دل سخت کرکے اک ذرا آئینہ ٹھہرا ہے

— —

اک ذرا جنبش مژگاں کی روا دار نہیں
کس کی تصویر مرے دیدۂ دیدار میں ہے

— —

تھی گرفتاری میں بھی اک لذت آسودگی
کیا کہیں ہم، کیسے پچھتائے نکل کر دام سے

— —

ڈرتا ہوں، خوشامد سے وہ مغرور نہ ہوجائے
قتل اس کو کہیں غیر کا منظور نہ ہوجائے
مجنوں کو بہت ضعف ہے صحرائے جنوں میں
یہ جامہ دری سے کہیں معذور نہ ہوجائے
اس سے بڑی محبت ہے مجھے دل سے زیادہ
رونے سے کہیں داغ جگر دور نہ ہو جائے

جہاں مجنوں پکارا بس وہیں در تک نکل آئی
صدا پہچانتی تھی آپ لیلیٰ اپنے سائل کی
ذرا خوابیدہ کان خاک کی بے ہوشیاں دیکھے
نہ کی ہوگر کسی نے سیر بدمستوں کی محفل کی

ہستی کو مٹا اپنی جو ہے وصل کا طالب
پایا ہے پیمبر نے خدا بت شکنی سے
اسباب طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن
ہمت میں سائل نہ ہوئی چرخ دنی سے

جان آنکھوں سے شب ہجر بہ دقت نکلی
بعد اک عمر کے نکلی تو یہ حسرت نکلی
شکر کی جا ہے کہ منہ سے مرے مرتے مرتے
نزع کے دم بھی نہ اس بت کی شکایت نکلی
ایک دن حشر کے دن بھی نہ دکھایا ہم کو
ہم نہ سمجھے کہ کدھر صبح قیامت نکلی

اس کي تصوير کو چھاتي سے لگايا هم نے
آہ کچھ طرز نگہہ سے وہ محبت نکلی

گرچہ سوبار مسیحا نے بلایا ہے همیں
آپ هم درد کا اپنے نهیں درماں کرتے

بندۂ خاکی جھکائے رکھہ سر تسلیم کو
طوق بار زندگی جب تک تري گردن پہ هے
جاؤ اپنے اپنے گھر جو هو چکا وہ هو چکا
حشر کا هنگامہ یارو کیوں میرے مدفن پہ هے

جو یاں هے وہ پھیلائے هوئے پاؤں پڑا هے
کیا گور غریباں بھي اک آرام کي جا هے
کیوں آج هلا جاتا هے دل بانگ جرس سے
کیا قافلے کے پیچھے کوئی آبلہ پا هے

اس وقت تو چونک اُٹھتے جو تو قبر پہ آتا
رخصت همیں اتنی بھي نہ دي خواب عدم نے

دست جنوں سرک کہ جب آئی هے فصل گل
خود چاک هوگئے هیں گریباں سئے هوئے

اک روز تیرے کوچے سے ہم مر کے اٹھیں گے
بیٹھے ہیں مصیبت کے یہ دن بھر کے اٹھیں گے
چل چل کے جو رہ جاتا ہے ہر بار گلے پر
یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اٹھیں گے
جس وقت وہ دیکھے گا تری چشم کا فتنہ
آگے نہ قدم فتنۂ محشر کے اٹھیں گے

آبادی فضائے عدم ہم سے خاک ہو
کچھ ساتھ لے گئے نہ جہان خراب سے
ٹھوکر نے تیرے پاؤں کی اے فتنۂ زماں
چونکا دیا ہے فتنۂ محشر کو خواب سے

نظر بد کا گماں مجھ کو سوئے کوکب ہے
شب کو منھ کھول نہ اپنا کہ یہ آخر شب ہے

اشک رنگیں کے سوا اور نہ کچھ ہاتھ آیا
پھول ہم چن کے یہ لائے چمن حرماں سے

پتھر میں بن گیا ستم روزگار سے
ٹوٹے گا آبلہ نہ مرا نوک خار سے
اس شعلہ رو سے گرم ہے شاید کنار غیر
آتی ہے بوئے یاس دل داغدار سے

نہ غنچہ لائی ، نہ گل ، ارمغاں ہزار افسوس
ہمیں قفس میں نسیم بہار بھول گئی

واں باد صبا جائے ، نہ قاصد کا گذارا
یاران عدم رفتہ کی کیوں نہ خبر آئے

اے ''مصحفی'' کچھ یہاں سے نہ لے جائے گا کوئی
حسرت ہی فقط سوئے عدم ساتھ چلے گی

ہوائے کوچۂ قاتل پہ جان جاتی ہے
بہار خلد بریں ہم کو کب خوش آتی ہے
دکھایا ہم کو جو پیری نے نیک و بد دیکھا
اب آگے دیکھیئے تقدیر کیا دکھاتی ہے

جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیاں ملتیں
تو ہم انہیں کو خس و خار آشیاں کرتے
نہ دی فلک نے ہمیں فرصت اس قدر ورنہ
کسی طرح تو ترے دل کو مہرباں کرتے

مرے تو دل میں نہیں کچھ، پر اس میں ہوں مجبور
اگر زبان قلم سے گلا ٹپکتا ہے

لیلی نے کہا دیکھ کے مجنوں کی نگاہیں
عاقل ہے یہ دیوانہ تو مجذوب نہیں ہے

ہے کچھ توسمجھ اس کا کہ مجھ تک نہیں آتی
وابستۂ زنجیر ہیں دیا پے اور اجل کے

خواص دور بیں آئینہ دل میں ہے عشق کے
نظر نزدیک ہی آتا ہے جو ہو دور آنکھوں سے
کہا تونے "رہ دکھا کر مجھے" دیا عذر ہے مجھ کو
بجالاؤں گا تیرا حکم تا مقدور آنکھوں سے

شانہ اک لحظہ نہ ہوتا تھا جدا گیسو سے
چند دن ربط تھا واں آئینہ و زانو سے
ساتھ پیکاں کے مری جاں نکل آئی ہے ہیں
تیر بے درد نے کھینچا جو مرے پہلو سے

"مصحفی" ہجر کبھی وصل کبھی ہوگا نصیب
یار باقی ہے نہ تا زیست ہے صحبت باقی

"مصحفی" کو بھیک اگر دیتے نہیں تو دو جواب
دیر سے کوچے میں وہ خانہ خراب استادہ ہے

"مصحفی" عود جوانی تو ہے مشکل لیکن
آپ کو وصل کی شب ہم نے جواں دیکھا ہے

وا حسرتا نصیب نے دھوکا دیا وہیں
آئی نظر جو خواب میں صورت وصال کی
محتاج سے نہ پوچھو کہ کیا تجھ کو چاہئے
مرد فقیر آپ ہے صورت سوال کی

کچھ ایسا آنکھ لگتے ہی آرام آگیا
جو صبح حشر کو بھی نہ بیدار ہم ہوئے

شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے
صورت یاس بھی بن بن کے بگڑ جاتی ہے

شب طبق میں آسماں کے بگڑے تھے میرے جو اشک
کچھ ثوابت بن گئے کچھ ان میں سیارے ہوئے
زخم سینہ پر نمک چھڑکا گئے تا صبح دم
ہجر کی شب دشمن اپنی جان کے تارے ہوئے

ہم کب سے چمن زار میں بے ہوش پڑے ہیں
معلوم نہیں گل ہے کدھر؟ خار کدھر ہے؟

پیچھے پھر کر دیکھتا ہوں بھاگتا ہوں آپ سے
اپنے سائے سے بھی مجھ کو اب تو وحشت ہوگئی
ہائے کعبہ سے پھرا اب تک نہ ہرگز "مصحفی"
اس کو کیا جانے وہاں کس رت سے صحبت ہوگئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

کر سلوک اب تو گریباں سے اے دستِ جنوں
چاک اک جھٹکے میں تا دامنِ محشر پہنچے

اے "مصحفی" ہجراں میں کیا دل کو اذیت ہے
نے یار ہی ملتا ہے نہ جاں نکلتی ہے

مانی اُن ابروؤں کی تصویر کھینچتا ہے
خورشید پر دو دستی شمشیر کھینچتا ہے
رہنے دے، تا ہو، دل کو میرے ذرا تسلی
پہلو سے میرے ظالم کیوں تیر کھینچتا ہے

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے
پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

شب فراق میں بچنا بشر کا ہے مشکل
یہ بات اور ہے آئی ہوئی قضا پھر جائے

جگر پہ صدمہ ہے غم کے مارے، تو دل میں جوش ملال بھی ہے
تپ جدائي برا برا ہو نہ چھیڑو! کچھ مجھ میں حال بھي ہے

شمع و شراب و شاهد و ساقي ہے رو بہ رو
کیا چاہے اور طالع بیدار سے کوئی
میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا اس کا کیا علاج
پھر جائے وعدہ کر کے جو اقرار سے کوئی

مخمس بر غزل " آصفي "

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیماں شکن جدا
آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
ہو وے کسی طرح سے یہ رنج و محن جدا
صورت گراں! هلاکم ازاں سیم تن جدا
سازید صورتے کہ نہ با شد زمن جدا
ہے بس کہ میري جان کو، تجھ سے جو اتحاد
تیرے سوا کسی کی نہیں میرے دل میں یاد
جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہی مراد
دور از رخت مداد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم زدیدہ، دیدہ ز سر، سر تن جدا

کی زندگی میں مجھ سے وفا میں نے گل بدن
ایسي کہ گل سے کر نہ سکے بلبل چمن
مرنے کے بعد بھي جو مرا خاک ہوگا تن
پیوند بگسلند سگت ز استخوان من
روزے کہ بند بند شود از کفن جدا

قصیدہ در معذرت انہام انشا بہ جناب مرشد زادہ شہزادہ
مرزا سلیماں شکوہ بہادر

قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے حضرت شہہ میں ہوئی نہیں تقصیر
سوائے اس کے کہ حال اپنا کچھ کہا تھا میں عرض
سو وہ بہ طور شکایت تھي آند کے تقریر
گر اس سے خاطر آقدس پہ کچھ ملال آیا
اور اس گلہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
عوض رپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں
عوض دو شالہ کے خلعت بہ شکل نقش حصیر
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب
جو ہے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر
مزاج میں یہ صفائی کہ کر لیا باور
کسي کے حق میں کسي نے جو کچھ کہ کي تقریر
مصاحب ایسے اگر کچھ کسي سے لغزش ہو
تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کرسکیں تدبیر

اگر کریں تو پھر ایسی کہ نار طیش و غضب
مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں نور آفتاب کہاں
کہاں وہ سطوت شاہی کہاں غریب فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہئے
کہاں دمیقی و دیبا کہاں پلاس و حصیر
میں اک فقیر غریب‌الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر
مرا دھن ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الست کے پہر میں بہ حرف ضمیمہ دوں تغییر
یہ افترا ہے بنایا جو منحرف مجھہ کو
یہ چاہے ہے کہ کروں شکوہ اس کا پیش وزیر
اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمد کہ ہے بشیر و نذیر
شفیع روز جزا بادشاہ او ادنیٰ
نہ کر وہ جرم پہ جس نے لکھی نہیں تعزیر
کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش ہر عاصی
تیری غلامی میں آیا ہے داد خواہ فقیر
خطا ہو میری جو پہلے ' تو کر اسیر مجھے
و گر عدو کی ' پہنا اس کو طوق اور زنجیر
اگر چہ باری " انشا " نے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازئی تقدیر
و لے غضب ہے ہوا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

کہا میں عرض کہ میں آپ اس سے در گذرا
پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و ملتظر کا ضمیر

اور ان پہ بھي جو کیا میں نے تازیانہ منع
تو ھو سکے ھے کوئی ان کي وضع کي تدبیر

ھزار شہدوں میں بیٹھیں ھزار جا پہ ملیں
پھریں ھمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر

نہ مانیں تیغ سیاست ' نہ قہر سلطاني
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر

مزاج ان کا تتھول اس قدر پڑا ھے کہ وہ
ھنسي سمجھتے ھیں اس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ھے یعني کہ اس مقام کے بیچ
جو ھووے منشي تو کچھ نثر میں کرے تسطیر

فکیف جن کو خدا نے کیا ھو موزوں طبع
اور اپنے فضل سے بخشي ھو شعر میں توقیر

یہ کرنی بات ھے سو سن کے وہ خموش رھیں
ھوا ھے مصلحتاً گو کہ تصفیہ بہ اخیر

مگر یہ بات میں مانی کہ سوانگ کا باني
اگر میں ھوں تو مجھے دیجے بدترین تعزیر

میں آپ فاقہ کش' اتنا مجھے کہاں مقدور
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش شعیر

مرے حواس پریشاں بہ ایں پریشانی
ھو جیسے لشکر بہ شکستہ کی خراب بھیر

گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی
اگر ہو پھر شرارت، بشر ہوں میں بھی شریر
جو اب ایک کے یہاں دس ہیں اور دس کے سو
نگاہ کرنی تھی اول بہ ایں قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیا
گیا ہو از پے تہدید شاعران شریر
تو کوتوال ہی بس ان سے اب سمجھ لے گا
یہ دم بہ دم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ
بلند قامتی اپنی سے متہم ہو بعیر
سو متہم مجھے ناداں نے ہجو شہ سے کہا
قباحت اس کی جو سمجھے شہہ اس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لاابالی ہے
نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا ''مصحفی'' بس اب چپ رہ
زیادہ کرنہ صداقت کا ماجرا تحریر
خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

افسوس

شیر علی نام ' دهلی میں پیدا ہوئے - گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے اور وہیں رہ پڑے '' میر حسن '' یا '' میر حیدر علی '' حیراں یا دونوں کے شاگرد تھے ' عالم ' فاضل خلیق ' اہل دل اور منکسر مزاج آدمی تھے -

ڈاکٹر گلکرسٹ کی نظر انتخاب نے صاف اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں لکھوانے کے لئے زبان دانان ریختہ ' کی جو جماعت مقرر کی تھی اس میں '' افسوس '' ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں افسوس صاحب دیوان شاعر ہیں ان کے کلام میں عاشقانہ رنگ نمایاں ہے ان کی زبان صاف اور شستہ ہے اور بیان میں درد و اثر بھی ہے -

'' افسوس '' نے سنہ ۱۸۰۹ ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

ملے ھے پانوں سے اپنے ' وہ لالہ رو ھردم
یہ مرتبہ تو دل داغ دار کا پہونچا
قفس سے چھٹنے کی امید ھی نہیں "افسوس"
حصول کیا ھے جو مژدہ بہار کا پہونچا

رات محفل میں ھر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

وہ بےوفا مجھے تو تک ایک آج مل گیا
ھر اپنے اختیار سے "افسوس" دل گیا

جس کو تیر نگہ لگا ہوگا ایک دم میں وہ مرگیا ہوگا

اس شعلہ وش کو دیکھ کے بےتاب ہوگیا
یارو بہ دل تو تھا ھی پہ سیماب ہوگیا

دل ترا بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار
بے وفاؤں سے رہی ہے تجھ کو یاری بیشتر

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر
روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

پاؤں یہ گڑے کے جوں نقش قدم پھر نہ اٹھے
خاک میں مل گئے بیٹھے جو ترے در پہ ہم

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب، لیکن
بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں

سچ ہیں یہ خود نمائیاں ، حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا ، دیکھ کے اس کے نور کو

ہنستے ہیں شب وصل میں ہم اب تو پر اک دن
اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کریں گے

صلاح جانے جو کچھ اس سے کہیو اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں اُمید
جھوٹا پھر آ کے مجھ سے مرا نامہ بر ملے
کچھ بات تم سے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

سینہ و دل کو ابھی رکھ دوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستم گر تیر اپنے ہاتھ سے
شکل اس میں کس کی ہے سچ سچ بتا "افسوس" تو
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے

عبث ہے سوچ تجھ کو نامہ بر' دے شوق سے مجھ کو
کوئی جھڑکی کوئی گالی' اگر اس کی زبانی ہے

نہیں جائیں گے اس مجلس سے ہم بے اس کے لے جائے
قسم اب کب اٹھاتے ہیں کہ ہم نے پانوں پھیلائے

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی
دیکھئے آگے کیا ہو وے

نصیر

نام شاہ نصیرالدین ' دھلي کے رھنے والے ' ان کا خاندان فقر و تصوف میں مشہور تھا ' لیکن ان کی شہرت محض شاعری کی بنا پر ھے -

شاہ " نصیر " شاہ محمدي مائل کے شاگرد تھے ' طبیعت میں زور تھا ' چند دنوں کي مشق نے استاد بنا دیا ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں رسائي تھی دربار شاھي سے کچھ علاقے جاگیر میں ملے تھے - اس لئے فراغت بھي حاصل تھی ' طلب مزید ان کو دوبار لکھنؤ لے گئی پہلي بار " مصحفی " اور " نشا " کا دور دورہ تھا ' دوسری بار " ناسخ " اور " آتش " کے نام کا ڈنکا بج رھا تھا اس لئے اِن کو وھاں فروغ نہ ھوا - لکھنؤ سے سیدھے حیدرآباد گئے ' یہ دیوان چندولال کي شہرت کمال پرستی کي کشش تھي ' وھاں اُن کی خوب قدر ھوئي -

چار مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا - آخر سنہ ۱۲۵۴ھ میں وھیں کي خاک کے سپرد ھو گئے

شاہ نصیر کے یہاں الفاظ میں جس قدر شان و شوکت ھے معاني میں اتنی بلندی نہیں - ان کي طبیعت اس درجہ مشکل پسند تھي کہ سخت سے سخت زمین اور مشکل سے مشکل قافیہ اور ردیف اختیار

کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامی سے ہر خار زار کو گلزار بنا دیتے تھے - ان کے کلام میں دلنشیں استعارے اور نادر تشبیہیں کثرت سے ملتی ہیں -

شاہ نصیر فن شعر کے مسلم‌الثبوت استاد تھے - ان کے تلامذہ میں " حیا " ' معروف " - اور " ذوق " مشہور ہیں - ایک " ذوق " ہی اُن کی اُستادی کی ایسی یادگار تھے جو دنیائے شاعری میں ہمیشہ باقی رہیگی -

---

اِنتخاب

بے کلی کیوں کر نہ ہووے اُس کی فرقت میں "نصیر"

عشق میں اس گل‌بدن کے دل ٹھکانے لگ گیا

دیر کیوں کرتا ہے پھر کیا جانئے کس کا ہو دور

ساقیا لب سے ہمارے تو لب ساغر لگا

آپ سے آئے نہیں ہم سیر کرنے باغ میں

لائی ہے باد صبا گلشن میں لپٹا کر لگا

نہیں اس دور میں تر ساقیا سنگ حوادث کا

بغل میں ہے بہ‌رنگ شیشۂ تصویر' دل میرا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت

اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہیں سکتا

وائے اے شیشۂ دل سینے میں مانند حباب

ٹھیس سے اس نفس سرد کے تو ٹوٹ گیا

کعبہ سے غرض اُس کو' نہ بتخانے سے مطلب
عاشق جو ترا' ہے نہ ادھر کا نہ اودھر کا

صبا کیا آبرو ہو اُس کی جو ہووے تنک مایہ
چمن میں قطرۂ شبنم در مکنون نہ ٹھہرے گا

کیا ہوا' گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا
بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

ساقیا دیکھ تو کیا عالم کیفیت ہے
جام گرداب ہے' مینائے مئے ناب' حباب

موج صبا کہاں ہے یہ فصل بہار میں
مجنوں کے واسطے ہے سلاسل کا اضطراب

رات اس بت کا ہوا بوسۂ رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب

دیکھا نہ تجھے' رہ گئی دیدار کی حسرت
تا مرگ نہ نکلی ترے بیمار کی حسرت

صیاد قفس کو نہ اٹھا صحن چمن سے
باقی ہے ابھی مرغ گرفتار کی حسرت

مہر ھاے داغ سے معمور ہے سینہ تمام
رو برو الله کے جائینگے ہم مصحف سمیت

دیوانہ میں وہ ہوں کہ سدا پاؤں سے میرے
سر اپنا اٹھاتی نہیں زنجیر لگا کر

سو مردے جلا دے ہے وہ اک جنبش لب سے
ملکر کوئی اعجاز مسیحا سے ہو کیوں کر
حسن رخ دل دار ہے ہر جا متجلی
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیوں کر
فردا تری فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مجھے وعدۂ فردا سے ہو کیوں کر

خیال زلف میں ہر دم " نصیر " پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

دل صید ہوا تیری پریشان نظری سے
کرتا ہے خطا ہو وے اگر تیر کو جنبش

کیوں نہ رکھے دانہ انگور کی تسبیح شیخ
لے گیا دامن کشاں مسجد سے میخانے کا شوق

حلقۂ چشم غزالاں خانہ زنجیر ہے
کھینچ کر لے جائے ہے صحرا کو دیوانے کا شوق

نہ تنہا اشک کے قطروں سے کچھ زیب گریباں ہے
یہ موتی ٹانکتا ہے دیدۂ غم ناک دامن تک

مکدر ہو کے وہ آئینہ رو جھٹکے ہے دامن کو
ہماری خاک پہونچی اڑ کے بھی کیا خاک دامن تک

کیا عدم کو سفر موسم بہار نے حیف
خزاں کے دوش پہ ہے آج گہوارۂ گل

جو بات پیش آئی تھی سو پیش آ گئی
کیا دیکھیں تیرے کشتوں کے پیشانیوں میں ہم

کیوں نہ آنکھوں سے لگا کر میں پیوں اے ساقی
ہے رقم ساقی کوثر کا لب جام پہ نام

والہ و شیفتہ و زار و حزین و مجنوں
ہم کو کیا کیا تری الفت میں ملے نام پہ نام

اے باد صبا هم نو هوا خواہ هیں تیرے
مشتاق هیں گل کے نہ طالب ہو گلستاں

تجھ سے کہا دیدۂ و دانستہ محبت کیجئے
آنکھ لڑتی ہے کہیں، نامہ و پیغام نہیں

آپ کا کون طلب گار نہیں عالم میں
ایک بندہ هی گنہگار نہیں عالم میں

برقعۂ آب رواں میں یہ ترے، جالي نہیں
پڑ گئے هیں ناوک مژگاں سے روزن آب میں

پوچھے ہے وہ کہ کس طرح شیشہ و جام کا ہے ساتھ
کہہ دے ملا کے چشم سے چشم کو ساقیا کہ یوں

چھلنی کانٹوں سے هوئے گو، مرے تلوے لیکن
دشت وحشت کی ابھی خاک چھنی خوب نہیں

" نصیر " دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی ہے
همارے اس بت خانہ خراب کے گھر میں

کیا کہوں تیرے بغیر اے ساقئی پیماں شکن
حلقۂ ماتم یہاں تھا دور ساغر رات کو

رکھتا ہے اور کیا دل ناشاد آرزو
ملنے کی ہے ترے ستم ایجاد آرزو

دم غنیمت ہے کوئی دم کی یہ صحبت ہم نشیں
تجھ سے پھر ملنا خدا جانے ہمارا ہو نہ ہو

کر ذبح اسیران قفس کو کہیں صیاد
پرواز کی طاقت نہیں تا بام کسی کو
انصاف تو کر دل میں تک اے ساقی کم ظرف
خالی کوئی دیتا ہے بھلا جام کسی کو

وہ حسن بے حجاب اُس کا ہے ہر جا جلوہ گر لیکن
تری آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہے بے خبر پردہ

رفتہ رفتہ یار کے زانو تلک پہونچا دیا
آفریں ہے تجھ کو اے تدبیر پشت آئینہ

جب رشتۂ محبت ساقی سے جوڑ بیٹھے
شیشے کو پھوڑ ڈالا ساغر کو توڑ بیٹھے

چشم سے پردۂ غفلت جو اٹھا دیکھیں گے
سب سے باھم تجھے اور سب سے جدا دیکھیں گے

اس قدر ھم نے کیا ہے تجھ کو یاد
ایک عالم کو ھماری یاد ھے

دیکھ لیتی جو اٹھاکر ترے کیا ٹوٹتے ھاتھ
لیلی ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

" نصیر " زیب مکان رونق مکیں سے ھے
فروغ خانۂ انگشتری نگیں سے ھے

راسخ

شیخ غلام علی نام، آبا و اجداد دہلی کے رہنے والے تھے، عظیم آباد (پٹنہ) ان کا مولد ہے، اسی نسبت سے راسخ عظیم آبادی مشہور تھے۔ سنہ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۱۲۲۱ھ تک مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔ سنہ ۱۲۲۲ھ میں اپنے وطن عظیم آباد میں واپس آئے، عظیم آباد اس وقت مرجع اہل کمال تھا، راسخ کی کافی عزت ہوئی، راسخ نے پہلے میر "گھسیٹا" عشق، فدوی، شروع سے اصلاح لی لیکن کچھ دنوں کے بعد جب خمخانۂ میر سے جرعہ نوشی کی تو آخر تک اسی رنگ میں مست رہے، "میر" کی شاگردی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے، جا بجا مقطع میں اس کا ذکر کیا ہے، مشہور ہے کہ "میر" نے "راسخ" کے اس شعر پر اصلاح دی تھی۔

راسخ — مرتے دم ان کا ذکر جب آیا زبان پر
نیند آ گئی ہمیں تب اسی داستان پر

میر — تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر
نیند آ گئی ہمیں تو اسی داستان پر

رسخ کے کلام میں تصوف کا عنصر غالب ہے ، وہ خود سراپا کیف اور ان کا دیوان خمخانۂ کیفیات ہے "راسخ" صوفی منش ، بزرگ صفت سوز و گداز رکھنے والے شخص تھے ، موسیقی میں بھی دخل تھا ، کہا جاتا ہے کہ موسیقی سے متاثر ہو کر بیشتر غزلیں کہی ہیں ، تمام اصناف سخن پر قادر تھے - "راسخ" نے ۷۶ برس کی عمر پاکر وفات پائی -

انتخاب

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
انہیں تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سدا پایا

دل بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھوں
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھی گریباں کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بے گانگی ہو جاے گی
آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جاے گا

لاگ اس پلک کی اتنی ہے معلوم ہے کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر میں ہے اپنے چبھا ہوا

شہادت گہ خوں ریز محبت طرفہ جا دیکھی
کہ جو مقتول تھا یاں خنجر قاتل کا مسلوں تھا

جوانی ہلس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہے
جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

تھا جی میں کہ دشواری ھجر اس سے کہیں گے
پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

بے مدعا ہوں یہ بھی ہے اک مدعائے دل
اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

انتہائے عاشقی ہے شان معشوقی کہ ہم
صید جس صیاد کے تھے وہ شکار اپنا ہوا

دور میں اس کی مست آنکھوں کے
محتسب بھی شراب خوار ہوا

بگڑی جب سب سے، تب کچھ اُن سے
اسلوب بندھا موافقت کا

رخ زیبا دیا گل کو، دل بے صبر بلبل کو
اسے خنداں کیا پیدا، اُسے نالاں کیا پیدا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا
دید کو اپنے یہ آئینہ اسے درکار تھا
دل سے آگے کیوں بڑھا تو اے طلب گار وصال
پھر ادھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

شوق کي باتوں کا کس نامہ میں اظہار نہ تھا
ہم نے کب خط انھیں لکھا کہ وہ طومار نہ تھا

برسوں رہا ہے صدمہ کش اشک و آہ دل
یہ نسخہ ہے کچھہ آب زدہ کچھہ جلا ہوا

ہوا دیوانہ ہر فرزانہ تیرا   بہت فرزانہ ہے دیوانہ تیرا

مت پوچھئے مجھہ سے حال میرا   حیرت زدہ کیا بیاں کرے گا
جاں جسم پہ اب گراں ہے اے غم   کتنا مجھے ناتواں کرے گا

معمور طرب رکھے دل' دوست نے دشمن کے
آنکھوں کو محبوں کی آنسو سے بھرا رکھا

عقل والوں کے نہ آیا پیچ میں " راسخ " کبھو
یہ بھي اس کي ذي شعوري تھی کہ سودائی رہا

پیشتر تم تھے جہاں اب سبب تسکیں ہے
اس مکاں کے درودیوار کو دیکھا کرنا

وے تھے خواہاں مرے خرابي کے   میں اسي واسطے خراب رہا

دشمنی در پردہ کي' اے واے تم نے کیا کیا
آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا

کب میرا خریدار ہو موجد وہ جفا کا
بندہ تو ہوں' ہے عیب ولے مجھ میں وفا کا

سونپا ہوا داغ ان کا تازہ ہي سدا رکھا
ہم نے اس امانت کو چھاتي سے لگا رکھا

گذرے جو وہ خیال میں تو ناز کي سی ہائے
یہ رنگ ہو کہ پھول ہو جیسے ملا ہوا

ہو ضبط آب' ٹوٹے ہوئے ظرف میں کہاں
دل چاک ہو گیا ہے جو آنسو رواں ہے اب

صورت ہمارے حال کی بگڑي سے دیکھ کر
قاصد نے ان کے آنے کی دل سے بنائي بات

زندہ ہے نام "میر" "راسخ" سے کوئی ہے شاعروں میں ایسا آج

کہاں کا دام فقط ہے تري نظر صیاد
جو چاہے صید ہوں ہم دیکھ تک ادھر صیاد

فلک تجھ سے خواہاں شاہي نہيں ہم
ہمیں کوچۂ یار کا تو گدا کر

اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے
بےاختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سي ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
شیخ اس بت شکنی پر نہ ہو اتنا مغرور
تو نے توڑا نہیں اپنا بت پندار ہنوز

بازار جہاں میں کوئی خواہاں نہیں ہے تیرا
لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنس وفا ہم

عموما کاش محو جلوہ فرمائي نہ ہوتے تم
جگہہ دل میں مرے کرتے جو ہرجائي نہ ہوتے تم
تمہاري التفات خاص ہي وجہہ جنوں تھی یاں
تماشا ہم نہ بنتے گر تماشائي نہ ہوتے تم

جز داغ ہے کیا ؟ دل حزیں میں لالہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

—

گھر سے کھو کر در پہ اپنے بیٹھنے دیتے نہیں
تم جو کہتے ہو کہ جا، یاں سے میں اب جاؤں کہاں

—

اس کا ہر برگ آئینہ روئے چمن آرا کا ہے
دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کریں
باوجود دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ
آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کریں
کچھ بھی کیفیت گراں میں ہو تو یہ سب خرقہ پوش
سبحہ و سجادہ رہن ساغر و صہبا کریں

—

"راسخ" علاقہ دل کا نہ ہو دل‌بروں کے ساتھ
تم اہل دل ہو حق میں مرے یہ دعا کرو

—

گردوں نے طرفہ قلب درد آشنا دیا ہے
یعنی ہمیں یہ شیشہ ٹوٹا ہوا دیا ہے
کتنی گراں بہا ہے پاؤں کی ان کے ٹھوکر
قیمت میں اس کی سر کو ہم نے جھکا دیا ہے

—

آہ عالم کي هم اس وضع سے حيران هوئے
دشت ياں شهر هوئے شهر بيابان هوئے
دم ميں آزاد کيا قيد سے هستي کي هميں
تيغ قاتل کے تو هم بندہ احسان هوئے

هوئے هيں هم ضعيف اب ديدني رونا همارا هے
پلک پر اپني آنسو صبح پيري کا ستارا هے

غم شريف حرم کو يہ هے کہ حيف   نہ گدائے شر اب خانہ هوئے

خواهشيں جمع تهيں دل ميں سو کيا اُن کو وداع
کوچ سے آگے هي سامان لٹايا هم نے

هوئے مغلوب شوق کار فرما آخر آخر هم
هميں تها اختيار آگے پر اب بےاختياري هے
اٹها سکتے نهيں بے طاقتي کا بار بهي اب هم
هوئے هيں ناتواں ايسے کہ جينا تک بهي بهاري هے

اگر باب اجابت تک رسا اپني دعا هوتي
تو جي ميں تها کہ خواهان دل بے مدعا هوتے

مثنوی "عشق"

اے عشق امام ہے تو میرا — دین و اسلام ہے تو میرا

تو جان ہے جسم ناتواں میں — ہووے جو نہ تو تو پھر کہاں میں

کپڑوں کے نہ بند میں رہا میں — اس قید سے ہو گیا رہا میں

پوشش سے تو میں نے ہاتھ اٹھایا — عریانی کو پیرہن بنایا

ہے طرفہ مزا تری جفا کا — جی جانتا ہے مری وفا کا

شاہوں کی تباہی تونے چاہی — کشکول بنائے تاج شاہی

تو عقل کے ہوش کھو سکے ہے — جو چاہے سو تجھ سے ہو سکے ہے

بیدار

نام میر محمدی ' دهلی کے رہنے والے مولانا فخرالدین کے مرید اور مرتضی قلی خاں کے شاگرد تھے - اپنے استاد سے زیادہ مشہور ہوے -

دهلی سے اکبرآباد چلے گئے تھے وهیں وفات پائی - صاف شعر کہتے هیں ' اور مضمون آفرینی کی کوشش کرتے هیں ان کی غزلوں میں جا بجا تصوف کی جهلک بهی دکهائی دیتی هے - فارسی کی دل‌آویز ترکیبیں استعمال کرتے هیں -

——

انتخاب

اشک سے سوز غم عشق مٹایا نہ گیا
شعلہ اس آگ کا پانی سے بجھایا نہ گیا

ایک بھی تار نہیں تا سر دامن ثابت
اس طرح چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
نظر آتی ہی نہیں صورت جاناں دل میں
عکس آئینے میں پنہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد ، رہ گیا
تیرا ہی ایک نام فقط یاد رہ گیا
کس کس کا دل نہ شاد کیا تونے اے فلک
اک میں ہی غم زدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا
" بیدار " راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس ، کوہ میں فرہاد رہ گیا

طلب میں تیری اک دن نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ ناامیدی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا

کیا ھنگامۂ گل نے مرا جوش جنوں تازہ
اودھر آئی بہار' ایدھر گریبان کا رفو توٹا

ھم خاک بھی ھوگئے پر اب تک جي سے نہ ترے غبار نکلا

کروں ھوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ھوتا تو کیا کیا کرتا

اس نے یاں تک کبھي گذر نہ کیا تونے اے آہ کچھہ اثر نہ کیا

ھو گیا کرتے ھي تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا " بیدار " یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

نہیں رھا ھے کسي کے اب اختیار میں دل
کیا ھے قصد مگر تونے دل ربائی کا
جہاں ھو نقش قدم اُس کا دیکھہ لو "بیدار"
کہ واں نشان ھے میری بھي جبہہ سائي کا

تھي جو رسوائي ھو چکی " بیدار "
پاس نا موس و ننگ کیا ھے اب

پھر سرنو سے بیاں کر! اس کو تو اے قصہ خواں
بوئے درد آتي هے مجھ کو تیرے افسانے میں آج
پھونک دی یہ آگ کس کے حسن بزم افروز نے
بحث جھگڑے کي هے باهم شمع و پروانے میں آج

هوں میں پا بند الفت صیاد کب مجھے باغ و بوستاں هے یاد

نہ تاب هجر کی رکھتا هوں نا امید وصال
خدا هی جانے کہ کیا هوگا اس کا آخر کار

آخر اے دل تونے دیکھا کیا ستم تجھ پر هوا
هم نہ کہتے تھے کہ ظالم اس سے مت کر اختلاط
آتش حسرت میں هو جاتے هیں لخت دل کباب
اُس لب مے گوں سے جب کرتا هے ساغر اختلاط
دل سے اپنے وہ خبر دار اُس کي باتوں پر نہ بھول
بے سبب کرتا نہیں هے وہ ستم گر اختلاط

اے شیخ تو اُس بت کے کوچے میں نو جاتا هے
هو جائے نہ یہ سبحہ زنار خدا حافظ

دے تو اس ابر سیہ میں جام جلدی سے مجھے
دل بھرا آتا هے مہرا دیکھ کر صہبا کا رنگ

اس آئینہ رو کے ہو مقابل — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
گو بزم میں ہم سے وہ نہ بولا — باتیں آنکھوں میں کر گئے ہم
پاتے نہیں آپ کو کہیں یاں — حیران ہیں کس کے گھر گئے ہم

فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ
اب تیرے شکار ہو گئے ہم

تیرے حیرت زدگاں اور کہاں جاتے ہیں
کہیئے گر آپ سے جاتے ہیں تو واں جاتے ہیں

ایک دم بھی نہیں قرار مجھے
اے ستمگار کیا کروں تجھ بن

انجمن ساز عیش تو ہے یہاں
اور پھر کس کی آرزو ہے یہاں

کون ہے کس سے کروں درد دل اظہار اپنا
چاہتا ہوں کہ سنو تم سو کہاں سنتے ہو

منہہ نہ پھیرا کبھی جفا سے تری
آفریں دل کو، مرحبا دل کو

ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

اپنے اوپر تو رحم کر ظالم   دیکھ مت بار بار آئینہ

"بیدار" چھپانے سے چھپتے ہیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ہیں آثار محبت کے

در پہ اے یار تیرے آ پہنچے   ڈھونڈ دل نے رہ نمائی کی

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ہے
اے نالۂ جاں سوز! یہ کیا بے اثری ہے
تیرا ہی طلبگار ہے دل دونوں جہاں میں
نے حور کا جویا ہے نہ مشتاق پری ہے

ساقی نہیں ہے ساغر مے کی ہمیں طلب
آنکھوں ہی تیری دیکھ کے بے ہوش ہو گئے

تو نہ ہووے تو اے مہ تاباں
چاندنی رات خوش نہیں آتی

ربط جو چاهے هے "بیدار" سو اُس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلي جاتي هے

رخ تاباں سے تمهارے کہ هے خورشید مثال
در و دیوار سبهي مطلع انوار هوئے

نذر میں اُس شهہ خوباں کے کروں کیا "بیدار"
دل هے سو داغ هے' جاں هے سو غم اندوختہ هے

سجاد

نام میر محمد "سجاد" اکبرآباد کے رہنے والے تھے - علم طب فن انشا اور طلسمات کے ماہر تھے "میر" نے ان کا شمار استادان فن میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے کلام میں الفاظ کی بندش کا اہتمام زیادہ ہے تاہم معنی کی دلنشینی بھی موجود ہے - ایک شعر کی نسبت کہتے ہیں کہ جی چاہتا ہے اس کو سو مرتبہ لکھوں وہ شعر یہ ہے :—

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

ان کے اشعار میں آمد کا رنگ نمایاں ہے - جہاں آورد ہے وہاں بھی بے ساختگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - محاورہ بندی ان کی خاص شان معلوم ہوتی ہے - بعض جگہ پوری مثل مصرعہ کی صورت میں باندھی ہے -

انتخاب

ساقي ! بغير جام کے جيو کا نہيں بچاؤ

جوں پھل مست آوے ہے ابر سيہ بلا

کيوں مشت گل بھی دل کی نہ رونے ميں بہہ گئي

"سجاد" مجھ کو باقي ہے چشموں سے يہ گلا

تجھ کو اے "سجاد" مہر از خدا بہر بغداد کے

اور بھي کچھ ظالموں کي دوستي نے بھول ديا

جو دل ہے گلوں سے اٹکتا ہوا   وہ کانٹا ہے جی ميں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے "سجاد" تجھ کو

کريں پر کيا ؟ خدا نے جو نہ چاہا

آتش غم نے ہم کو سرد کيا

دل پھپھولا ہوا وہ درد کيا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہے　　ہمیشہ رہے نام اللہ کا

—

اب جلائے تک آن کر ساقی　　عمر کا بھر چکا ہے پیمانا

—

عشق میں جانے کا کہیں مارا　　بے طرح دل ہوا ہے آوارا

—

"سجاد" کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی

ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

—

یار سے دل ملا وہ غیر ستی　　نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

—

لائے ہو تم میرے آگے کیا دوا　　خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

—

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف

شوق نے لکھنے کا "سجاد" نے دفتر کھولا

—

مرے دیکھ کر حال داماں کا　　پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

—

سب کی نظر سے گر کر اک دم میں پست ہو جا

گر میکشوں میں آیا زاہد تو مست ہو جا

—

کوئی جا کے قاتل کو سمجھائے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائے گا

شتابی پلا لے کہ جاتا ھے ابر جو کچھ باقی ساقی رھي ھو شراب

دل آبادي میں تنہا کھیلیے مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ھے گنج

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ھے کہ سانچ کو ھرگز نہیں ھے آنچ

بند میں مت رہ دوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتي کھول کر

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ھوا وہ دہر
جنگل میں آ بسا ھے نکل کر تمام شہر

سب ھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اھل مجلس پر

دوانے کا نہیں مطلب دوانا تو کیوں نامے پہ ھے سطروں کي زنجیر

شوق جلوں میں تیرے عوض، خاک چھب کی
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب سے وہ رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منھ کو نکلتا نہیں ہے حرف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسن اتفاق

گلی میں تری، بیٹھتے ہی سجن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

"سجاد" فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جاکے یار کے منھ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جائے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں سب مزے در کنار ہوتے ہیں

تا خدائی تک ایک کر ساقی   ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک   تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ تن پہ گذرے گی   ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیاری بھری ہوئی
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اس کی گلی میں جاتا ہوں
دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

دیکھیں طبیب دریئے دارو ہے سب نکیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تلکیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر
جان! اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں سے کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ "سجاد" کے دل کی جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے لب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں کھید چکے ہو

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز   یوسف اپنا پیرہن پہن کر رکھے

رات اس زلف کا وہ افسانہ   کہہ کوتہ بڑی کہانی ہے

ایسے ہے خدا سے پھرتی میں   بت پرستی ہے اور جوانی ہے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے   جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے منہ کس قدر جانتا ہے
یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہونچتے ترے آستاں تلک
تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ "سجاد" کے جی پر ہی عجیب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کافر کون ہوتا ہے خدا کے واسطے

ماہ رو ہیں یہ شمع محفل میں جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ہے

دیسے جنگل اجاڑ دو دیکھیں یہی "سجاد" دل میں بستی ہے

اس زمانے کی دوستی کا رنگ آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

محسن

محمد محسن نام ' " حسن " خان آرزو کے بھانجے اور " میر "
تقی میر کے شاگرد تھے ' بہ قول " قائم " نوجوانی ھی سے شعر و شاعری
کی طرف مائل تھے ' کلام کا نمونہ یہ ھے :—

انتخاب

" محسن " مروں نہ میں تو بھلا ' جی کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھی کھو چکا

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

طبع نازک کو مری ھاتھ میں رکھیو تو کہ میں
قیس و فرهاد سا دھقانی و مزدور نہیں

کیا جانے وہ شوخ کدھر ھے کدھر نہیں
مجھ کو تو تن بدن کی بھی اپنی خبر نہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رهوں میں اس بن

هو بهی اے مردن دشوار تک آسان نهیں

دورے کلمے وہ کوہ کن و قیس نے جو [illegible]

میرے جلوں کا اب تو زمانے میں شور هے

گر شیخ دوزخ میں گرمی بہت رود

میرے پاس بهی اک دم سرد هے

دل میرا وابستۂ هر تار زلف یار هے

هے تو دیوانہ پر اپنے کام میں هشیار هے

اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر

جان بر لب آمدہ حاضر هے گر درکار هے

قائم

نام شیخ قیام الدین ' چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے ' ملازمت کی وجہ سے دہلی میں قیام رہا - اس وقت دہلی کی فضا پر شاعری چھائی ہوئی تھی ' " قائم " کو بھی دہلی میں آکر مشق سخن کا شوق ہوا - ابتداء " میر درد " کو اپنا کلام دکھاتے رہے ' اس کے بعد مرزا " سودا " کے شاگرد ہو گئے - دہلی کی تباہی کے بعد "قائم" اپنے وطن میں چلے آئے ' کچھ دنوں رہکر رام پور گئے - وہاں نواب احمد یار خاں نے ان کی تنخواہ مقرر کردی جو ان کے لئے ناکافی تھی لیکن کچھ دنوں اسی پر قناعت کی ' آخرکار لکھنؤ پہونچے ' اور ان کی جو جائدادیں ضبط ہوگئی تھیں ان کی بحالی کے لئے مہاراجہ نکھت رائے کی تحریر لے کر وطن واپس ہوئے - وطن سے پھر عازم رام پور ہوئے اور سنہ ۱۲۱۰ھ میں وہیں سپرد خاک ہوئے -

" قائم " با کمال اور نازک خیال سخنور تھے - ان کی فکر رسا فطرت بلند اور طبیعت معنی یاب تھی - مضمون آفرینی اور قادرالکلامی میں " میر " اور " سودا " کے قریب پہنچ جاتے ہیں - ان کا شمار اُن لوگوں میں ہے جنھوں نے اردو شاعری کا پایہ بلند کر دیا اور ثابت

کر دیا کہ اردو زبان بھی باریک خیالات اور نازک جذبات کے اظہار کی قدرت رکھتی ہے - ان کا یہ دعوی ہے اور صحیح ہے :—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بہ زبان دکنی تھی

زبان کی اصلاح میں '' قائم '' اپنے استاد " سودا '' سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں ' حتی الوسع الفاظ ثقیل سے پرہیز کرتے ہیں' اور ترکیب کی خوبی اور بندش کی! چستی سے مضمون کو دل نشیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں -

انتخاب

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا

تیر سا اک دل سے گذر کر گیا

چھپ کے تیرے کوچے سے گذرا میں لیک

نالہ اک عالم کو خبر کر گیا

اے ابر! اپنے گریئے میں جس وقت جوش تھا

جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفاں خروش تھا

" قائم " تو اپنی ہستی نہ سمجھا کہاں تلک

اے خانماں خراب کوئی یہ بھی ہوش تھا

عار ہے ننگ کو مجھ نام سے، سبحان اللہ

کام پہونچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

عہدے سے تیرے ٔ یار! بر آیا نہ جائے گا

یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا

دل کو نہ صرف گریہ کر اے چشم اشک بار

ایسا رفیق ڈھونڈھے بھی پایا نہ جائے گا

ٹوٹا جو کعبہ ' کون سی یہہ جائے غم ہے شیخ

کچھہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

"قائم" خدا بھي ہونے کو جو جانتے ہیں ننگ

بندا تو اُن کے پاس کہایا نہ جائے گا

سنے کو دیکھے یہ ہم دیویں کس طرح ترجیح

خدا کو ہم نے سنا ، تمھیں بتاں دیکھا

غرور مجھہ کو نہیں شیخ بےگناہی کا

امیدوار ہوں میں رحمت الہی کا

ہمیشہ خوف میں رہ دل تو گو ہے بے تقصیر

بسا جرم کہیں تجھہ یہ بے گناہی کا

فلک جو دے تو خدائی تو اب نہ لے " قائم "

وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہي کا

بے دماغي سے نہ اُس تک دل رنجور گیا

مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھي دور گیا

آہ پہلو میں سے میرے دل رنجور گیا

تا کجا ضبط نفس کیجئے کہ مقدور گیا

مرے نزدیک دل سے درد پہلو اور بہتر تھا

عوض اُس چشم کے ہوتا اگر ناسور ' بہتر تھا

هریک سے راز دل کہہ کے تو یاں رسوا ہوا "قائم"
بھلا اے بے خبر یہ بھی کوئی مذکور بہتر تھا

کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہ گار نہ تھا
لیکن اتنی تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا
لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا "قائم"
شاید اس جنس کا یاں کوئی خریدار نہ تھا

عوض طرب کے گذشتوں کا ہم نے غم کھینچا
شراب اوروں نے پی اور خمار ہم کھینچا
طریق عشق میں کہہ بوالہوس سے جائیں ہیں سر
بھلا ہوا کہ تو اس راہ سے قدم کھینچا
خلش تھی مد نظر ہم سے حرف گیروں کو
سو ہم نے ہاتھ ہی لکھنے سے یک قلم کھینچا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا   ہائے چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم   کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

ہم بھی ہر طرح تری دوری میں دل شاد کیا
ہچکی گر آئی تو سمجھے ہیں کہ تھیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

وہ حال سے مرے اتنا نہ بے خبر ہوتا
اگر مرا اثر آہ' نامہ بر ہوتا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہي اور آپ من گیا

اے نزع پھر قریب ہے شام شب فراق
یہ مرحلہ تو اب تئیں یک سو نہیں کیا

جب تک ہی مثل آئینہ امکان دیکھنا
دکھلائے جو فلک سو مرے جان دیکھنا
سر سے کفن کو باندہ کے آیا ہے تجھ تلک
عاشق کا اپنے تک سر و سامان دیکھنا

قدم تو کس کا ترے کو میں پھر گیا ہوگا
گیا بھي ہوگا کسي کا تو سر گیا ہو گا
گلے سے اس کے جو "قائم" کہ لائے ہم تو کہا
یہ دل پہ نقش ہے اب تک کہ پھر گیا ہوگا

گو تغافل سے میرا کام ہوا پر بھلا تو تو نیک نام ہوا

میرے دماغ سے مانوس ہے شمیم صبا
کسی کے کوچے سے آئی مگر نسیم صبا
گل شگفتہ دیروزہ ہوں میں گلشن میں
زیادہ باد خزاں سے ہے مجھ کو بیم صبا

جب سنگ آستانہ ترا تکیہ گاہ تھا
ہم کو بھی کوئے عشق میں اک عز و جاہ تھا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

موج گرداب کی طرح ہم نے　　گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا

ہم سے بے چاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے پہ کچھ فکر ہمارا نہ کیا

رات کو چین ہے نہ دن کو تاب
دل ہے یا رب کہ پارۂ سیماب
دل گنوانا تھا اس طرح " قائم "
کیا کیا تونے ہائے خانہ خراب

نکلی اُدھر زباں سے اِدھر جی نکل گیا
کیا جانے کیا بلا تھی کچھ آواز عندلیب

دیکھئے اب کی تپ عشق سے کیوں کر بچئے
غالب آیا ہے طبیعت پہ یہ آزار بہت
" قائم " آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

رہا میں اس سے گرفتہ اک عمر تک لیکن
کیا جو خوب تامل تو کچھ نہ تھا باعث

اے وہ کہ تو کرے ہے ہر آزار کا علاج
جز مرگ کچھ بھی ہے ترے بیمار کا علاج
اے ضبط گریہ روئے کیوں کر نہ اب لہو
کچھ ہو سکا نہ دیدۂ خوں بار کا علاج

بیکسی اپنی کس کو سونپ مروں
میں تو رکھتا تھا اس کو جاں کی طرح

گردش میں ہوں میں رات دن ایام کی طرح
یہ چال ہے تو کون ہے آرام کی طرح

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گئی بہار خزاں آئی ' گل ہوئے پامال
مری رہائی میں اب کیا درنگ ہے صیاد

نے فم اُس کے نے لیا دل کو نہ کی جان پسند
اور کیا چیز ہے گھر میں جو ہو مہمان پسند

هم نشیں! کہہ لے قصہ مجنوں هم کو بهی دل کي داستاں هے یاد

بے شغل نہ زندگي بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تهوڑي هے قصہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگي بهی
اس سے جو کوئي جیا تو مرکر

بهی وفا اس مرتبہ یا بے وفائي اس قدر
آشنائي اس قدر نا آشنائي اس قدر

میں بعد مرگ بهي " قائم " چهٹا نہ گردش سے
هے میري خاک سے اس بزم میں ایاغ هنوز

گو یاں نہ کسی کو آئے افسوس — حالت تو ہے اپنی جائے افسوس

صحت کا جی میں چاؤ نہ آزار کی ہوس
ناگفتنی ہے کچھ ترے بیمار کی ہوس
طوبیٰ کی چھاؤں تجھ کو مبارک ہو زاہدا
ہے اپنی دل میں سایۂ دیوار کی ہوس

گستاخ نہ ہو خاک نشینوں سے نہ "قائم"
دیکھی ہے چھپی راکھ میں ہم بیشتر آتش

وعدہ جھوٹا بھی وہ نہیں کرتا
بس ہمیں انتظار سے کیا حظ
پونچھے آنسو نہ آستیں جو تری
دیدۂ اشکبار سے کیا حظ

شب میں چاہا کروں کچھ اُس سے سوال
بن سنے ہی کیا جواب شروع
نام سنتے ہی اس کا کہوں "قائم"
پھر کیا تونے اضطراب شروع

جان بہ لب ہے دل، نہ کھاؤں کس طرح سینے میں داغ
نزع میں رنجور کی بالیں پہ لازم ہے چراغ

کس بات پر تری میں کروں اعتبار ہائے
اقرار اک طرف ہے تو انکار اک طرف

سو دیکھی جفا پہ منہ نہ موڑا
رحمت ہے تجھے وفائے عاشق
ہجراں میں بھی مر گیا نہ "قائم"
بس بس تو اور کہائے عاشق

دل دے کے دیا میں تجھ کو جاں تک
اب اور جگر کروں کہاں تک

" دائم " جہاں کے بیچ تو آسودگی نہ ڈھونڈہ
ہر خار گلستاں میں ہمیشہ ہے پائے گل

اب کی جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجھ کو نہ منہ دکھائیں گے ہم

جب موج پہ اپنی آگئیں چشم
دریا دریا بہائیں چشم

لے پہلچیو تو صحن چمن تک ہمیں نسیم
آمادۂ سفر ہیں بہ رنگ غبار ہم

جوں شمع جلتے مرتے ہی گذری تمام عمر
رکھتا ہے کوئی ایسے بھی شام و سحر کہ ہم
"قائم" یہ کہتے تھے کہ نہ مل اِن بتوں سے گرم
اب سنگ آستاں سے تو مارے ہے سر کہ ہم

شب اس سے لگ چلا تھا میں سو ہلمس در یہ لگا کہنے
کہ ہیں باتیں یہی اس جبہ و دستار کو لازم

اچھا نو ہے "قائم" کو دبا دیں جو اسی طرح
یہ آگ کا شعلہ نہیں رکنے کا کفن میں

اب تک بھي جلوں ہاتھ اُٹھاتا نہیں مجھ سے
ہر چند گریباں کے کئی تار رہے ہیں
دیکھا ہے جنھوں نے تجھے اے یوسف خوبی
سو جاں سے تا زیست خریدار رہے ہیں
پوچھ ہم سے تو احوال خرابات کہ "قائم"
یک عمر ہم اس گھر میں بھي مختار رہے ہیں

سمجھ کے شیشہ دل کو پٹکیو اے بت مست
بہ جائے بادہ لہو ہے اس آبگینے میں

یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا "قائم"
پر اک خلش سے رہے ہے مدام سینے میں

"قائم" اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کھلے نالے سے جس کے ہے وہ آواز کہاں

کوئی مختار کہو یا کوئی مجبور ہمیں
ہم سمجھتے ہیں جہاں تک کا ہے مقدور ہمیں

جتنے اسباب تھے دنیا کے سو دیکھے "قائم"
اب وہ ہو فکر کہ ہم ترک سب اسباب کریں

دیکھا میں نہ جز سایہ بازوئے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

اپنا قصور سعی ہے ملتا جو تو نہیں
کیوں کر ملے وہ جس کی ہمیں جستجو نہیں

جور سپہر ' دوری یاران و روئے فہر
جو کچھ نہ دیکھتا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

" قائم " یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کی جو میں نماز کروں بے وضو کروں

رہنے دو میرے نقش کو ہو جائے تا غبار
لے جائیگی اڑا کے نسیم سحر کہیں
روتے ہی تو دلوں ہی کو شبنم! ادھر تو دیکھ
ٹکڑے ہے اس طرح سے کسی کا جگر نہیں

"قائم" ہو کس طرح سے بہم ربط و اختلاط
وہ اس غرور ناز میں ہم اس حجاب میں

شام شب مزار ہوئی ' صبح زندگی
لیکن شب فراق کو اب تک سحر نہیں

ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا' صبح کہیں' شام کہیں

آنا ہے تو آو ورنہ پیارے
ہم آپ سے آج جارہے ہیں

گریبان کی تو "قائم" مدتوں دھجی ازائی ہے
یہ خاطر جمع اس دن ہوئے جب سینے کو ہم چیریں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں
کہئے ہم اعتبار کرتے ہیں

نت ہوں "قائم" خموش کیا جانے
کس تہی دست کا چراغ ہوں میں

میں اس اخفا سے تیری یاد میں دل شاد کرتا ہوں
کہ خود واقف نہیں اب تک میں کس کو یاد کرتا ہوں

"قائم" اک بات میں جیتا ہے تمہاری لیکن
پرسش حال تم اوس خستہ کی کب کرتے ہو

جانے دو جو نصیب میں ہونا تھا سو ہوا
یارو خدا کے واسطے تکرار مت کرو

رہ جا کہ کہوں کا حال دل کا
آ جائیں تنک حواس مجھ کو
حیرت نے کیا ہے اک جہاں کا
جوں آئینہ روشناس مجھ کو

مری نظر میں ہے "قائم" یہ کائنات تمام
نظر میں گو کوئی لاتا نہیں یہاں مجھ کو

یہ کون طرز وفا ہے جو ہم سے کرتے ہو
مہاں خدا نہ کرے تم خدا سے ڈرتے ہو

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

شمع تک جاتے ہوئے دیکھا تھا اُس کو "قائم"
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ

جوں موج، مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے

سالہا دور کیا کرے ہے تمام آپ ہی آپ دور چلتا ہے

عذر ستم عبث ہے کہ گذرا جو کچھ ہوا
منظور گر ہے لطف تو آئندہ کیجئے

شب کو تو شغل گریہ ہے اور دن کو مشق غم
اوقات اس طرح کوئی کب تک بسر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے
کہتے ہیں لوگ گالیاں "قائم" کو دے گیا
اے کاش یہ سلوک وہ بار دگر کرے

مجھ سا بھی تری چشم کا بیمار ہے کوئی
جینے کی بھی جو شکل سے بیزار ہے کوئی

مر جائیے کسی سے الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

شب، غم سے مری جان ہی پر آن بنی تھی
جو بال بدن پر تھا سو برچھی کی انی تھی

روز و شب ہے حالت انجام مےنوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے کہا پیغام بے ہوشی مجھے
منحصر ہے شرح سوز دل یہ میری زندگی
شمع ساں مرتا ہوں گر اک دم ہو خاموشی مجھے

دامان گل تئیں ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ دے اے ہوس مجھے
ساقی نہ دیکھ مجھ کو تو مستوں کے دور میں
تک گردش نگاہ ہی تیری ہے بس مجھے
"قائم" میں عندلیب خوش آہنگ تھا یہ حیف
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

کہتے ہیں خوش دلی ہے جہاں میں، یہ سب غلط
رنج و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا جو ہر طرف
اے ہم رہان پیش قدم، تم کدھر گئے

دو چیزیں ہیں یادگار دوراں
تیرا ستم، اپنی جاں فشانی

کس کس صورت سے جلوہ گر ہے
اللہ رے نمود بے نشاں کی

دل ڈھونڈھے ہے سینے میں مرے، بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے
کیا پوچھتے ہو موجب آزردگی یار
دل لے چکے مدت ہوئی اب جاں طلبی ہے

جنوں کے ہاتھ سے گو ناتواں ہوں
گریباں تک مری تو دسترس ہے
نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت
برس گذرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

صدموں سے یاں طپش کے نہ بال ہے نہ پر ہے
اے شوق پر فشانی! کہہ تیری کیا خبر ہے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جائے ہے جی گرد سے ویرانے کی
آج کی رات میسر ہو جو اس گل کا وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

مرا پیغام ہر طرز ادائے ناز کیا سمجھے
خدا جانے یہ کیا بہکے وہ مست ناز کیا سمجھے

عوض امید کے اب دل کو یاس آئی ہے
عجب زمانے نے جي سے خلش مٹائی ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسو کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا؟ خدا نہ پھرے

نیا ہر لحظہ ہر داغ کہن ہے
بہار سینہ رشک صد چمن ہے
یہ صحرا ہے بھلا دیکھیں تو بارے
جنوں کیسا ترا دیوانہ پن ہے

صبر و قرار و ہوش و دل و دیں تو واں رہے
اے ہم نشیں یہ تو بتا ہم کہاں رہے
دل میرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے

اے گریہ دعا کر کہ شب غم بسر آوے
تا چند ہر اک اشک کی تہ میں جگر آوے

نے ناز و نہ عشوہ ہے نہ تقطیع نہ چھب ہے
دل کو جو لبھاے ہے وہ کچھ اور سبب ہے

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے
کہ دن گر رو کے گذرے ہے تو مر کر رات کٹتی ہے

ہنوز شوق دل بے قرار باقی ہے
بجھی ہے آگ ہو لیکن شرار باقی ہے

سحر ہے ، رات بیتی، مئے ہے شیشے میں، ابھی باقی
ادر کاساً و ناولہا الا یا ایہا الساقی

لبریز شوق میرا از بسکہ مو بہ مو ہے
سمجھا نہ میں یہ اب تک یہ میں ہوں یا کہ تو ہے

'' قلق '' شباب ہی کے مناسب تھا شور عشق
جانے دے اب یہ کام کہ وہ ولولے گئے

بیداب

سلتھوکھ راے نام ' " قائم " کے معاصر تھے ان کے کلام میں پختگی ' سوز و گداز اور بے ساختگی پائی جاتی ھے -

انتخاب

نہ رھے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ھم

پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ھم

اپنے مذھب میں ھے اک شرط طریق اخلاص

کچھ غرض کفر سے رکھتے ھیں نہ اسلام سے ھم

گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں

پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں

محبت کی بھی کچھ ھوتی نہیں کیا ھم نشیں راھیں

کہ خوباں یوں ھمیں دیکھ دیں ھر ان دو اس طرح چاھیں

آہ دبی سینے میں آتش کون سی بے درد نے

دل سے لے کر منھ تلک امڈا ھوا اک دود ھے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹتی ہے یاں

اب تک جو ہم نہ آئے الہی کہاں رہے

محبت اب تلک رہتی ہے یہ تا تیر مجنوں کی

کہ بن لیلے نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

عشق میں کاے عسل، کہ نہیں ہے

نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے

نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

(رباعی)

یاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے

ہل مل غیروں سے آشنا کو بھولے

دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر

اِس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

مجذوب

مرزا غلام حیدر نام ' دهلي کے رهنے والے مرزا رفیع سودا کے (متبنٰی)
اور شاگرد هیں غزل میں " سودا " کا رنگ نمایاں هے ' صفائي
میں " سودا " سے زیادہ' درد اور گداز میں کم هیں -

انتخاب

چمن میں حسن کی مے جب وہ گل اندام لے آیا
ادھر غنچہ صراحي اور ادھر گل جام لے آیا
عجب قسمت هے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئي صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا
دھڑ کا هے یہي ' کہ کیا کرے گا

پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بہ سر بام
گردش کو کرے اپني ' فراموش فلک پر

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں
خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
"سودا" کا بیٹا مجھ کو "مجذوب" جانتے ہیں

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے، اس کو تم جانو
مرا پیمان کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے! کہ شب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
"مجذوب" ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں
بندہ کبھی ہو بیٹھے ہو، گہ خدا ہو

گزرے ہے یوں خیال وطن جوں کرے ہے یاد
خو کردۂ قفس گل و گلزار گاہ گاہ
طاقت کہاں کہ حال کہے یہ طبیب سے
تھکتی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

زلفوں کو گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار
ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

اشک آنکھ میں ہو، عشق سے تو دل میں غم رہے

یہ گھر ہے وہ خراب جو آہوں سے تھم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر

صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہے

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے

یاد بھی کچھ نہیں کہاں سے چلے

طوبے کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار

جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے

ماہر

فخرالدین خاں نام ، آباو اجداد دھلی کے رھنے والے تھے ، مگر ماھر نے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا - اشرف علی فغاں کے بیٹے اور "سودا" کے شاگرد تھے -

---

انتخاب

چشم اس سے ترحم کی نہ رکھ! رو رو کے " ماھر "
کب پوچھے ھے وہ دیدۂ خوں بار کسو کا

جو اس کے در پہ بیٹھے ھیں ، سمجھتے ھیں وہ در کس کا
ھوے جو اس کے آوارہ وہ کہتے ھیں کہ گھر کس کا

میں تو مانوں ترا سخن ناصح
پر ، نہیں دل پہ اختیار اپنا

مدت ھوئی کہ دل کی مجھ تک خبر نہ پہونچی
ملتا نہیں نشاں کچھ اس بے نشاں سے مجھ کو

تو تو کب اعتبار مانے ہے جس پہ گذرے ہے سو ہي جانے ہے

سبز و خرم تر و تازہ ہے گلستاں ہر چند

تو ہی جب پاس نہ ہو کیوں کہ یہ شاداب لگے

کوئي نہ بہلا کام ہوا عمر میں ہم سے

امید ہے بخشش کي مگر تیرے کرم سے

ممتاز

حافظ فضلو نام ' سودا کے شاگرد تھے ان کا وطن دھلی تھا مگر کچھ دنوں دکھن میں بھی قیام کر لیا تھا --

ممتاز کي زبان میں صفائي اور رواني ' بیان میں درد و اثر اور تشبیہات و تمثیلات میں جدت و ندرت ھے -

---

انتخاب

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا

ھنوز حوصلہ باقی ھے آشنائی کا

قفس میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا

میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا

جفائے یار نے کس طرح کردیا مایوس

اور ان کی خاطر امید وار میں کیا تھا

ترے ھی واسطے آئے عدم سے ھم یہاں تک

وگر نہ ھستئی نا پائیدار میں کیا تھا

کیوں کہ سر سبز ھو شاھی و گدائي کی ھوس

رہ گئي آہ مرے دل میں خدائی کي ھوس

بال و پر توڑ کے جب تونے قفس کو سونپا
وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس

گذرا کبھی شاید کہ وہ بے باک چمن میں
آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں

جو کیفیت نہ ہو مستی میں کیا خمار میں ہو
جو رنگ و بو نہ ہو گل میں تو کیا بہار میں ہو
نہ کر تو صدر نصیحت کا ہم پر اے "ممتاز"
سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی وہ کچھ تمھارا ناز یہ
اس کا کیا انجام ہو گا جس کا ہے آغاز یہ

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ
یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ

ہمارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے
کہ جیسے پانی کے چہرہ کے غبار اٹھتا ہے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار ہے
میرا ہی دست دعا منھ پر مرے دیوار ہے

هدایت

هدایت‌اللہ نام، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے، خواجہ میر درد کے شاگرد اور معتقد تھے، غزلوں کے علاوہ رباعیاں، اور بنارس کی تعریف میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے - شاعری کی طرح طبابت میں بھی مشہور تھے میر قدرت‌اللہ قاسم ان کے ارشد تلامذہ میں تھے -

ہدایت اعلی درجے کے غزل گو شاعر ہیں ، انسانی فطرت کا انھوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے - دلی حالت کے وہ نازک تغیرات جو عام نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اُن کی باریک بیں نگاہیں اُن کو دیکھ لیتی ہیں اور وہ ان کو عام فہم اور پر اثر انداز میں بیان کر سکتے ہیں - اُن کے منتخب کلام میں " میر " کی شاعری کا لطف ملتا ہے -

ہدایت نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں اپنے صبر
ہماری گزرے گی کیوں کر الٰہی کیا ہوگا

دیکھ اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
بس میری جان! دوھی پیالوں میں چھک گیا

دیکھا نہیں ہے ہم نے " ہدایت " کو ان دنوں
شاید کسی جگہ پہ دل اس کا اٹک گیا

ہے آدمی تو بھی قید حیات ان دنوں
کسی نے خوب کہا ہے موا سو چھوٹ گیا

آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں
یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

کچھ ان دنوں ہے حال " ہدایت " ترا تباہ
کہوں میری جان! کیا تجھے آزار ہو گیا

اک دن بھي مهربان نه وہ بے وفا هوا
اے آہ و نالۂ سحری تم کو کیا هوا ؟

رها مرتے مرتے مجھے غم اسي کا
نہیں بعد میرے کوئي بیکسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
میں ملنے دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

روئے هے کیا جواني په اپني که بے خبر
شب کیا گذر گئي ہے که اب دن بھی ڈھل گیا
لب پر هزار حرف شکایت کا تھا هجوم
مکھڑے کو دیکھتے ہی په کچھ دل بہل گیا

هر لخت دل گلے کا مرے هار هو گیا
گل تھا پر اپني چشم میں یه خار هوگیا
هے کس کے جي میں خواهش سیر چمن یہاں
سینه تمام داغوں سے گلزار هو گیا

جاتا رها هوں آپ بھی میں اپني یاد سے
کیا جانئے که کس نے فراموش کر دیا
مجلس میں رات اس کي " هدایت " نے سوز دل
یاں تک کہا که شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رہا، جہان میں ، نے جام رہ گیا
مردوں کا اس جگہہ میں مگر نام رہ گیا
کوئی پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک
پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا

نہ صحن باغ میں لگتا ہے جی نہ صحرا میں
ہوا ہوں آہ میں یارب کس انجمن سے جدا

نہ ملے کارواں سے ہم اے واے ، کُرچہ کتنا جرس پکار رہا

جس دم زباں پہ یار! ترا نام ہو گیا
کچھ دل کو چین ، جان کو آرام ہوگیا

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھہ کو ہٹانے نہ دیا

یار، ہم میں ہے "ہدایت" جلوہ گر
جس طرح ہو گوہر یکتا میں آب
یہ نہیں معلوم ہرگز آپ کو
آب میں دریا ہے یا دریا میں آب

تیری زلفوں کی کچھہ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گزری ساری رات

دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر "ہدایت" چشم تر کا کیا علاج

کٹتی ہی نہیں یہ ہجر کی شب یارب کیا آج سوگئی صبح

تونے گر قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

کس دل جلے کی خاک سے گزری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں میں نسیم بہار کو

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے تھیس' نکہت گل سے دماغ کو

کرتا نہیں ہے جانے کو دل' کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یاں رہے

کیا خاک کو کہیں مری' گلشن میں جا نہ تھی
پر چشم تجھ سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی

ضعف سے بیٹھا ہوں جوں نقش قدم تو کیا ہوا
گرد باد آسا مری طینت میں ہے آوارگی

موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے
مل گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے

دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہ تھا
چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور ہے

گر نت یہی جور اور جفا ہے بندے کا بھی اے بتاں خدا ہے

فرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے
کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی
وگر نہ فائدہ اس کو مرے ستانے سے
میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقۂ در
یہ سر لگا ہے مرا، اس کے آستانے سے

آنکھوں نے تری جس کے تئیں مست کیا ہو
وہ شورقیامت سے بھی ہشیار نہ ہووے

کیا کہوں تجھ سے "ھدایت'' کہ مری شام و سحر
یاد میں زلف و رخِ یار نے کیوں کر گزری
دن گزرتا ھے مجھے روزِ قیامت سے دراز
رات گزری تو شبِ مرگ سے بدتر گزری

پختہ مغزان جنوں سے ھر کسی کو جنگ ھے
جو ثمر پکا سو پامال جفائے سنگ ھے
عشق نے تیرے، مجھے یاں تک کیا ھے ناتواں
تا بہ لب آنا نفس کو راہ صد فرسنگ ھے
ان دنوں کچھ تو "ھدایت'' ھو گیا ھے زرد سا
ظاھرا عاشق کسی پر ھے، ترا کیا رنگ ھے؟

صدقے ترے گل‌عذار! جی سے اک جی سے نہیں ھزار جی سے

گھر سے نکلے ھے تو جی ساتھ نکل جاتا ھے
کوئی قامت ھے کہ یہ آہ دل محزوں ھے

چشمۂ خوں ھے، دامن دریا آستیں کس نے یاں نچوڑی ھے؟

ایک وہ ماہ رو غائب ھے نظر سے ورنہ
وھی تارے ھیں، وھی ماہ، وھی گردوں ھے

خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسا کیا ھے؟ دم آوے نہ آوے

غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن
پھر اپنا یاں قدم آوے نہ آوے

گویا کہ تیرے ہجر میں، میں مر گیا ہوں رات
تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

صبا کوچے سے اس کے، مت اٹھانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گلفام پر بیٹھے

شب ہجراں میں تری، صبح کے ہوتے ہوتے
استخواں شمع صفت بہ گئے روتے روتے

ہمیں نشیب و فراز زمانہ سے کیا کام
جو سر بلند ہیں ان کو ہے فکر پستی کی

جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
کس کی مجلس سے ہم اداس گئے

ہوس

مرزا محمد تقی خاں نام ' " ہوس " تخلص نواب مرزا علی خاں
کے بیٹے اور نواب آصف الدولہ کے قریبی عزیز تھے وطن فیض آباد اور
مسکن لکھنؤ تھا - نہایت فارغ البال اور خوش حال تھے " ہوس "
" مصحفی " کے شاگرد تھے مگر استاد کے طرز کی تقلید نہیں کی .
اپنا راستہ الگ بنایا ان کے یہاں آمد کم آورد زیادہ ہے پھر بھی ان
کلام لطف سے خالی نہیں - عبارت کی چستی اور فارسی ترکیبوں کی
کثرت میں اپنے اکثر ہم عصروں سے بڑھے ہوئے ہیں -

انتخاب

مہر معنی میں نے جب کاغذ پہ نور افشاں کیا
مطلع صبح قیامت مطلع دیواں کیا
اک تبسم کو نہ فرصت لب تک آنے کی ملی
کس قدر اس گل نے پاس خوبی دنداں کیا

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا
الان توکلت علی اللہ تعالیٰ
آنکھوں سے لہو آنے لگا اشک کی جاگہ
نیرنگیٔ الفت نے عجب رنگ نکالا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوف فنا ہم کو
ہستی سے ”عوض“ اپنی بہتر تھا عدم اپنا

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا
خواب میں ہم نے تمہیں دیر تلک پیار کیا
شرم کی اوٹ ہے سب کام بنا جاتا تھا
ذوق بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

بهیج ڈالا ھے مجھے ھاتھہ خوش اسلوبوں کے

اس کا بندہ ھوں انہیں جس طرح سے دار کیا

ے دست جنوں کچھہ تو موئے پر بھي مدد کر

بد نامی وحشت ھے گریبان کفن کا

حسن کو ھوتي ھجوم عاشقاں کي گر خبر

تو جلو خانہ کو صحرائے قیامت مانگتا

جو اڑتا تو گماں طاقت کا ھوتا ھم صفیروں کو

ھجوم ضعف نے چہرے پہ مہرے رنگ ٹھہرایا

زباں طاعناں سے اے "ھوس" کیونکر بچیں کہا ھو

جنوں عشق نے ھم کو حریف ننگ ٹھہرایا

پائے تلاش پہلے ھي منزل میں رہ گیا

جي اشتیاق خنجر قاتل میں رہ گیا

کام اپنا تو تمام کیا یاس نے "ھوس"

شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا

ھم سے وا رفتۂ الفت ھیں بہت کم پیدا

ھاتھہ سے کھو نہ ھمیں ھونگے نہ پھر ھم پیدا

میں بھی ہوں باعث ایجاد "ہوس" اک شے کا
میری خاطر مرے خالق نے کیا غم پیدا

اگرچہ آج ہے بالیں سنگ و بستر خاک
کبھی تو سر مرا آغوش یار میں بھی تھا

بلبل نے کڑھایا نہ غم گل نے رلایا
ہم کو تو فقط اس کے تغافل نے رلایا

جگر پہ داغ ہوا یار کی جدائی کا
یہ داغ جی سے نہ جاوے کا آشنائی کا

شمع ' پروانے پہ مصروف ہے ' گل ' بلبل پر
حسن ہر رنگ میں پاتا ہے خریدار اپنا

سونپے ہے داغ ' دیکھ لئے میرے ' خلق نے
وحشت میں پھاڑ کر میں گریباں خجل ہوا

جی اس کے در سوا ' نہیں لگتا کہیں ذرا
فرصت دے ناتوانی تو جاویں وہیں ذرا

منزل میں جہاں کی ' نہ ہوا دل سے جدا غم
اس راہ میں کیا یار سفر ہم کو ملا تھا
کہتا تھا اُسے کوئی " ہوس " اور کوئی مجنوں
کل دشت میں اک خاک بہ سر ہم کو ملا تھا

——

ایسے آنے سے تو قاصد تو نہ آیا ہوتا
کیسی امید میں تونے مجھے مایوس کیا

——

سینے میں تڑپتا ہے پڑا ' برق کے مانند
کچھ حال نہ پوچھو دل بے صبر و سکوں کا

——

آتی نہیں چمن سے یہ' سوئے قفس کبھی
روکا ہے بخت بد نے نسیم رواں کو کیا

——

کسی کا روکنا وحشت میں جو مجھ کو نہ بھاتا تھا
جنوں میں میں نے سر ہر خار دامن گیر کا توڑا

——

نقش پائے رفتگاں کا سلسلہ جاتا رہا
ہم تو تھک کر رہ گئے اور قافلہ جاتا رہا
ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوۂ درد فراق
مسکرا کر اس نے دیکھا سب گلا جاتا رہا

——

عہد طفلي سے غم عشق ہے دمساز اپنا
قیس وارفتہ کا انجام ہے آغاز اپنا
پاس ناموس محبت سے کبھو آہ نہ کي
نادم مرگ کسی پر نہ کھلا راز اپنا

غفلت هي میں هم خوش تھے' بیداری کا اک غم تھا
هنگام شباب ' اپنا کیا خواب کا عالم تھا

مشت پر بلبل نالاں کے جو برباد هیں سب
هاتھہ پر هاتھہ دھرے سوچ میں صیاد هیں سب

ستا نہ هم کو دم نزع اے تصور یار
چلے هیں هوکے هم اپنے دیار کو رخصت

نہیں ''هوس'' ! وقت جوش مستی' قد خمیدہ سے کچھہ حیا کر
بتوں کا بندہ رهے گا کب تک ? خدا خدا کر? خدا خدا کر
کہاں کی نیند آگئي الہی مسافران رہ عدم کو
کچھہ ایسے سوے کہ پھر نہ جونکے تھکے هم ان کو جگا جگا کر

طفلی کو یاد کرلے! جنازے کو دیکھہ لے
آغاز بھی ہے دوش پر ' انجام دوش پر

همارے شہر میں ھے عام راہ و رسم خود داري
نہ ھویاں جذب مقناطیس، دست انداز آھن پر
زمین مزرع الفت ' بہار ستان آتش ھے
یہاں پروانہ کرتا ھے شرر کا کام خرمن پر

دیدنی ھے حسن اس بت کا کہ کیا کیا صنعتیں
خرچ کی ھیں صانع قدرت نے اس تصویر پر

گزرا جو اس پہ ' موج نسیم سحر کا ھے
جاتا ھے مثل آب رواں تو سن بہار

ھر ساعت و ھر لحظہ فزوں ھے الم عشق
ھم سے تو اٹھائے نہیں جاتے ستم عشق

کس سوختہ کي خاک سے اٹھا ھے بگولا
اک شعلہ جوالہ ہے پہونچا پس محمل

یہي کہتي تھی لیلی سوختہ جاں' نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
غم قیس سوا مجھے غم نہیں کچھ، اسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم

دل نے کی ھے مشق ضبط آہ و زاری ان دنوں
طایر بے آشیاں ھے بیقراري ان دنوں

ناز پر ورد چمن تھے ' اب اسیر دام هیں
کچھہ تو اے صیاد کر خاطر هماري ان دنوں

وصل کا دن هے ' ولے آنکھوں کے میري سامنے
هے کھڑے شب‌هاے هجراں کي سیاهي کیا کروں
ٹکڑے ٹکڑے دل هوا جاتا هے پہلو میں "هوس"
ذبح کرتی هے بتوں کي کم نگاهي کیا کروں

هے جو نالاں هم صفیران چمن کی یاد میں
اک مزا هے عندلیب زار کي فریاد میں

لے گئي هے دور از خود رفتگي ان سے همیں
مدتیں گذریں که اب هم آپ میں آتے نہیں
اس کے جاتے هی هوا هے مضطرب کیسا "هوس"
هجر بھي هوتا هے لیکن اتنا گھبراتے نہیں

سوا غم کے نه کچھه دیکھا' به جز حسرت نه کچھه پایا
عدم سے ساتھه اپنے هم عجب تقدیر لائے هیں
همیں پرسش سے تھا کیا کام؟ هیں هم لوگ دیوانے
صف محشر میں هم کو یار بے تقصیر لائے هیں

خواه وه قید رکھیں خواه وه آزاد کریں
هم کو طاقت نه رهي اتني که فریاد کریں

دل سے کہہ جاکے اسیروں کی طرف سے یہ صبا
قید سے چھوٹیں تو پھر ہم چمن آباد کریں
نام لیلے سے ترے ہم کو حیا آتی ہے
رو بہ رو کس کے ؟ ترا شکوہ بیداد کریں

گر کوئی مانع نہ ہو واں سجدہ کرنے کا مجھے
آستاں یار پر برسوں جبیں سائی کروں

محمل نشیں ناز کو مطلق خبر نہیں
کس کس کی خاک ہوتی ہے پامال کارواں ؟

اے باد صبا ہوئے گی بلبل کو ندامت
لے جا نہ تو خاکستر پروانہ چمن میں

پھرے گلشن سے میں نے پھول کب چن چن کے داماں میں
یہاں تو عمر بھر جھگڑا رہا دست و گریباں میں

بلبل کو ترنم نے گرفتار کیا ہے
ہر تار نفس ہے اسے زنجیر قفس میں

گئی ہے عفو کی امید ' گاہ قتل کا بیم
کھڑے ہیں تیرے گلیھ گار دیکھئے کیا ہو

نہ آشنا ہیں موافق ' نہ دوست ہیں غمخوار
فلک ہے درپے آزار دیکھئے کیا ہو

لطف شب وصل اے دل ! اس دم مجھے حاصل ہو
اک چاند بغل میں ہو' اک چاند مقابل ہو

صحرا میں جلوں کے مجھے نخچیر بناؤ
دل کو مرے ' اس کا ھدف تیر بناؤ
اے ملعمو کیا قصر و محل کرتے ہو' تم طرح
ٹوٹے ہوئے دل کی مرے ' تعمیر بناؤ

دیکھو نہ پریشانی مری' آئینہ لے کر
آشفتگی زلف پریشاں کو تو دیکھو

میں چراغ سر رہ ہوں نہیں صرصر در کار
قتل کرنے کو ہے بس جنبش داماں مجھ کو

دکھائے رنج پیری کے ' اجل تیرے تغافل نے
تجھے آنا تھا پہلے ' آہ تو انجام کار آئی
نہ پایا وقت اے زاھد کوئی میں نے عبادت کا
شب ھجراں ہوئی آخر تو صبح انتظار آئی

اللہ رے بد مزاجی ! کرتا ہے عاشقوں سے
وہ گفتگو کہ جس میں الفت کی بو نہ آوے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشان شباب باقی ہے

ہوے آج بوڑھے جوانی میں کیا تھے
جب اٹھتے تھے زانو سے ہاتھ آشنا تھے
جہاں کی تو ہر چیز میں اک مزا تھا
نہ سمجھے کہ کس شے کے ہم مبتلا تھے
بلا کر بگاڑا ہمیں کیوں ؟ جہاں میں
یہ سب حرف کیا سہو کلک قضا تھے
خدا جانے دنیا میں کس کو تھی راحت
" ہوس " ہم تو جھلے سے اپنے خفا تھے

مرگیا غصے میں حاجت بھی نہ تلوار کی تھی
کیا مری موت بھی مرضی میں مرے یار کی تھی
یاد ایام توانائی و آغاز جنوں
وہ بھی کیا دن تھے کہ طاقت مری رفتار کی

کبھی زلف دن کو جو کھول دی ، تو نمود ہے شب تار کی
جو نقاب شب کو الٹ دیا تو سحر ہے فصل بہار کی

توبۂ مے کا چلے هیں داغ هم دل پر لئے
سامنے آئیں نہ حوریں هاتھ میں ساغر لئے

هو حکم باغباں ' تو پڑے بلبل اسیر
پژ مردہ پھول باغ سے دو چار توڑئیے

نیند بھر کوئی نہ سویا مرے زنداں میں کبھی
صلح اک دم نہ هوئی دست و گریباں میں کبھی
قیس و فرهاد نہیں هائے میں کس سے پوچھوں
نیند آتی هے کسی کو شب هجراں میں کبھی
باغباں باقی هے اب بھی کوئی تنکا کہ نہیں
آشیاں هم نے بنایا تھا گلستاں میں کبھی

رونے میں رات هجر کی ساری گذر گئی
گذری بری ' پہ یوں هی هماری گذر گئی

تم جو غافل رهے الفت کے گرفتاروں سے
سر پٹک مرگئے زندان کی دیواروں سے
زینت پائے جنوں اس سے زیادہ کیا هو
آبلے سب گھر سفتہ بنے خاروں سے
داغ دل ' سوز جگر ' کاوش غم ' درد فراق
بیشتر مرتے هیں عاشق انھیں آزاروں سے

کیا کیا نہ رنج هم پہ ' ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے
رخصت کے وقت هم نے "هوس" آہ تو نہ کی
صدمے هماری جان پہ ممکن گزر گئے

دامن میں رکھا بھر کر یوں لخت جگر هم نے
یہ باغ محبت کے پائے هیں ثمر هم نے

قفس سے چھوٹنے کی هے خوشی' پر ساتھہ یہ ڈر هے
هماری ناتوانی پھر نہ هم کو دام هو جاوے

فدوی

مرزا محمد علی نام اور عرف پھجو تھا - شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے ' آخر میں ترک وطن کر کے عظیم‌آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی - مشہور بزرگ شاہ گھسیٹا کے معتقد اور شاگرد تھے علم موسیقی میں بھی مہارت رکھے تھے -

اشعار میں بندش کی چستی اور زبان کی شیرینی ہے ' محاورہ بندی اور معانی و مضامین کی تلاش میں الفاظ کی چنداں پروا نہیں کرتے ہیں - بعض اشعار میں ترنم خاص طور پر نمایاں ہے -

---

انتخاب

هم کو تو وفا سے نہیں اے یار ! گزرنا

پر تو بھی جفا سے نہ ستم گار ' گزرنا

تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا ؟

کو کرے کوئی بند بند جدا

کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا

جو اب آنا ادھر کا شاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا

یار تیرا کدھر خیال گیا

گلا آپس میں آگے بھی کبھو تھا

تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا ؟

به رنگ آئینه جو آب‌جو تھا
وہ پانی پانی اس کے رو به رو تھا

تک اثر ہو زبان میں پیدا
پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے ہم جہان میں پیدا

کیا تسلی کر گیا تھا یار اس دل کو مرے
یہ تو کچھ جاتے ہی اس کے اور گھبرانے لگا

کون اس سے یہ کہے، "کیوں قتل عالم کو کیا"
کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا

دل سے یہ دور رہے آج کی شب ہوگی صبح
شب فرقت ہے خدا جانے کہ کب ہوگی صبح

بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح
ہم سب طرح ترے ہیں، سمجھ تو کسی طرح

مجھ سوختہ دل کو نہ کہہ پیکر طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

ہر طرح ہم اس کے ہیں دل و جان سے "فدوی"
وہ خواہ ہمیں یاد کرے خواہ فراموش

عاشق کی کچھ نہیں ہے دل و جاں سوا بساط
اے دوست امتحان نہ کر اس کی کیا بساط

گیا وہ زمانہ، ہوا اور عالم
نہ وہ دن، نہ وہ دل، نہ وہ تو، نہ وہ ہم

چشم بد دور، عجب آنکھیں ہیں
قتل کرتی ہیں غضب آنکھیں ہیں

کچھ خوش آتا نہیں بغیر ترے
زندگانی عذاب ہے تجھ بن

وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا مہر کا عار ہے

گو تجھ کو نہ اعتبار ہو وے
کافر ہو جسے قرار ہو وے

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات تل گئي
دیوانے فکر آج کي کر کل کی کل گئي

ٹک ساتھ ہو حسرت دل مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دزدیدہ نگھ نے تري بندہ کیا مجھ کو
اِس آن کے ' اس ڈھب کے' اس انداز کے صدقے

دل ہے ازل سے تختہ مشق ستم گراں
تقدیر کے لکھے کو کوئي کب مٹا سکے

کس دل جلے کي ٹھري تئیں بد دعا لگي
اے شمع اب تو آہ ترے سرپہ آ لگی

ملے وہ غیروں سے مہروش جو ' ہمیں کب آتا ہے رشک اس کا
یہ ڈھلتي پھرتي ہے چھاؤں ''فدوي'' کبھی ادھر ہے کبھي اُدھر ہے

تری ' هم نے تاثیر بس آہ دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

میں دل اور جان حاضر هوں ' پر تو اس کو کیا جانے
مرے دل میں تو یہ کچھہ هے ترے دل کي خدا جانے
همیں تو عین راحت هے جو کچھہ تري عنایت هے
گرفتار جفا هو وے جفا کو جو جفا جانے

محسن

مرزا حسین علی نام ، جرأت کے شاگرد تھے ، لکھنؤ میں تعلیم
اور تربیت پائی تھی ان کی غزلوں میں آورد زیادہ ہے ۔۔

انتخاب

اپنا تو درد عشق سے بس کام ہو چکا
گر غم یہی ہے تو ہمیں آرام ہو چکا

ناصح تو نصیحت نہ سنا ! میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا ! میں نہیں سنتا
اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا ، میں نہیں سنتا
بیمارئ غم سے کوئی جیتا ہے طبیبو !
کیوں مجھ کو بتاتے ہو دوا ، میں نہیں سنتا
کیوں پہلے نہ آنے کی خبر اس کے سنادی
پیغام بر اب کچھ نہ سنا ! میں نہیں سنتا

کیا حرف ؟ یارب ! اس کے دھن سے نکل گیا

سنتے ھی جس کے جي مرا، سن سے نکل گیا

چھوڑا قفس سے تب ھمیں صیاد نے آہ

جب موسم بہار چمن سے نکل گیا

تیرے جلے بلے کو ، رکھیں خاک قبر میں

شعلہ سا ایک تھا سو کفن سے نکل گیا

مت اپنا سنا غم دل افگار کسي کو

مرجائیں گے ورنہ ابھی دو چار تڑپ کر

سیر گل کو وہ بھی آیا تھا ، ھوا مجھ کو یقیں

ٹکڑے ٹکڑے باغ میں گل کا گریباں دیکھ کر

آ گیا غش میں وہ افراط نزاکت کے سبب

سخت محجوب ھوئے ھم تو اسے مار کے پھول

اس سے یہ روٹھنا میرا نہ ستم لائے کہیں

نہ دل اس یار کا اغیار سے مل جا کہیں

نشۂ مے میں ، نہ دیکھو آئینہ لے کر پیارے

غرہ حسن تجھے اور نہ بہکائے کہیں

ٹکٹکي اس کی طرف اس لئے میں باندھے ھوں

کہ دم نزع مری آنکھ نہ پھر جائے کہیں

دم کسی شکل ٹھہرتا نہیں اب اے "محدت"
ٹھہرے جینے کی جو ملنے کی وہ ٹھہرائے کہیں

کیا اس کی کہوں حالت دشوار ہے اب صحت
خاموش ہے کچھ تیرا بیمار کئی دن سے

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کی
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

ہے انکھڑیوں میں نیند تو اک کام کیجئے
یہ بھی تو گھر ہے آپ کا آرام کیجئے
اس زندگی سے کھینچئے "محدت" گر اپنا ہاتھ
پھیلا کے پاؤں ذوق سے آرام کیجئے

مت اتہا ان کو جو ہیں ظلم اٹھانے والے
جیتے جی واے ترے ہم نہیں جانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مرگئے گھڑیال بجانے والے

غضنفر

غضنفر علی خاں نام ' لکھنؤ کے رہنے والے جرأت کے شاگرد تھے - کلام میں صفائی اور روانی ہے - محاورہ بندی کا خیال زیادہ ہے - واردات عشق کے علاوہ دوسرے مضامین بہت کم نظم آتے ہیں -

---

انتخاب

حال کہنے دی بھی اب طاقت نہیں اے ہمدمو!
کیا کہیں تم کیا حال وہ ظالم ہمارا کر گیا

نام سے جس مرنے والے کے تمہیں اب تک ہے ننگ
سچ تو یہ ہے نام وہ سب میں تمہارا کر گیا

آغاز صحبت ہی میں دنیا سے اٹھے ہم
صد شکر اٹھایا نہ کچھ احسان کسی کا

دیکھنے کو مرے بیمار کے لوگ آئے ہیں
ایسے میں آکے ذرا تو بھی نظارا کرنا

شکوا کروں آہ کیا کسي کا — کوئي نہيں آشنا کسی کا
مذکور جو رات تھا کسی کا — کچھ ہرش نہ تھا بجا کسی کا
محتاج کسي کو اے "غضنفر" — ہرگز نہ کرے خدا کسي کا

تا دم زيست نہ اس شوخ کا در چھوڑوں گا
آخر اک روز ميں اپنا اسے کر چھوڑوں گا
جب تلک اس کے بھی دو چار نہ آنسو نکليں
آہ رونا نہ ميں اے ديدۂ تر چھوڑوں گا

غالباً مرگ ہی آني ہے اب اپني کہ جو آہ
نظر آتا نہيں تصوير سحر کا نقشا

جاتے ہيں وہاں سے گر کہيں ہم
ہر پھر کے پھر اتے ہيں وہيں ہم
صد حيف کہ کنج بيکسی ميں
کوئي نہيں اور ہيں ' ہميں ہم
خاموشي کي مہر ہے دہن پر
ہيں حلقۂ غم ميں جوں نگيں ہم
آيا نہ وہ شوخ اور گئے آہ
حسرت هي بھرے تہ زميں ہم
تکتے رہے جانب در اے وائے
مر مر کے بوقت واپسيں ہم

قسمت میں تو ھجر ھے " غضنفر "

اب وہ ھے تو آپ میں نہیں ھم

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ھے اب اپنا آزار

ھیں تو چنگے بھلے، پر لگتے ھیں بیزار سے ھم

بے توقع ھوئے از بسکہ ھر اک بات سے ھم

دست‌بردار ھیں اب سب کی ملاقات سے ھم

اب تو ھم بیٹھے ھیں خاموش " غضنفر " گویا

آشنا تھے ھی نہیں حرف و حکایات سے ھم

تصور میں ھو اس سے دو بدو ھم

کیا کرتے ھیں پہروں گفتگو ھم

کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں

تو گویا بیٹھے تھے بس ھو بہ ھو ھم

نہ کاٹے کٹیں اور نہ مارے مریں

تمھیں پر یہ عاشق تمھارے مریں

مریضوں کا نہ مرے ھے چارہ یہی

چھٹیں دکھ سے گر، یہ بچارے مریں

میں نے مانا تو مجھ سے کام نہ رکھ
پر مجھے عاشقوں میں نام نہ رکھ
قاصد جو تھا ہو اس نے ' کہدے
اس کا باقی کوئی پیام نہ رکھ

سونا فراق یار میں خواب و خیال ہے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ہے

میری ایذا کے جو رہتا ہے وہ درپے دن رات
کچھ تو اس کو بھی ستانے سے ہے حاصل میرے

نالہ و شور و فغاں تھا ' آہ و زاری رات تھی
کلبۂ تنہائی میں کیا کیا بے قراری رات تھی
بے دلی سے کل نہ تھی کل شام سے لے تا سحر
ایک سی حالت دل مضطر کی ساری رات تھی
صبر دیدنا و غم دیں دونوں بھولے تھے اسے
اک فقط دل کو تمہاری یادگاری رات تھی
بار رونے کا نہ ٹوٹا جب تلک ٹوٹا نہ دم
شدت غم سے یہ حالت مجھ پہ طاری رات تھی
تیرے آنے کی توقع تھی جو دل کو بعد مرگ
نا امیدی میں عجب امید واری رات تھی

جس میں نری طلب ہو اس جستجو کے صدقے
ہو جس میں ذکر تیرا اس گفتگو کے صدقے

جائیے واں تو کہیں کوچۂ دلبر والے
اس طرف راہ نہیں او دل مضطر والے

جس کے بن دیکھے نہیں زیست کا اسلوب کوئی
بد تو کیا اس کو کہوں، ہے وہ عرض خوب کوئی

مطلوب نہ ہاتھ آئے تو طالب کی ہے خامی
دیکھیں تو بھلا ہم سے وہ کیوں کر نہیں ملتے
بے دید ہیں کیا ملک عدم کے بھی مسافر
جاتے ہیں تو برسوں میں پھر آ کر نہیں ملتے

نصرت

نصرت تخلص تھا ' جرأت کے شاگرد تھے - الفاظ ثقیل سے پرھیز کرتے ھیں ان کی طبیعت کا میلان سلاست اور محاورہ بندی کی طرف معلوم ھوتا ھے -

انتخاب

ھر برگ شجر کو ھے ترے نام کی تسبیح
ھر رنگ میں عالم کو ترے دھیان میں دیکھا
اول تو تجھے کعبہ و بت‌خانے میں ڈھونڈھا
دیکھا تو پھر آخر دل حیران میں دیکھا

ھوس کسی کو جو دیکھنے کی ھو موج بے انتہائے دریا
تو آکے چشموں کو دیکھے میری کہ یاں سے ھے ابتدائے دریا
دروں گرداب اب تو جاکر پھنسی ھے کشتی ھماری یارب
سرشک یاس اب نہیں ھیں آنکھوں سے کیا کہیں ماجرائے دریا

بات وہ حق کے سوا اور نہ کچھ کہتا تھا
کیوں سر دار پہ ناحق سر منصور کٹا

——

بن ترے آئے پریشاں ہیں سبھی سامان عیش
مے کہیں، مطرب کہیں، ساقی کہیں، ساغر کہیں
کارواں عشق سے بچھڑا میں اب جاؤں کدھر
گم صدائے زنگ ہے اور چل بسے رہبر کہیں

——

ہو صبر کو کیا قرار دل میں ہے ہم سے خفا وہ یار دل میں

——

جس کو غم عشق گل‌رخاں ہو کب اسکو ہوائے بوستاں ہو
وہ دوست جو مہرباں ہو کیا غم گو دشمن جاں مرا، جہاں ہو

——

طبیبوں نے جو دیکھا نبض کو میری تو یہ بولے
یہ جاوےگا تمہارے جی کے ساتھ آزار دیکھو گے
نہ دوگے شربت دیدار گر بیمار کو اپنے
تو جی دیگا تمہارا طالب دیدار دیکھو گے

——

لچھمي نرائن، صاحب و شفیق

لچھمي نرائن نام، صاحب و شفیق تخلص، اورنگ آباد دکن کے رھنے والے تھے - ان کے والد لاله منسا رام عرصے تک سلطنت دکن میں صدرالصدور کے پیشکار تھے سنه ۱۸۵۸ ھ میں پیدا ھوے، مولوي شیخ عبدالقادر سے کتب درسی پڑھیں، فن شعر مین علامه میر غلام علي " آزاد " بلگرامی کے شاگرد ھوے، پہلے " صاحب " تخلص کیا جب میر محمد مسیح " صاحب " کا شہرہ ھوا تو آزاد کے مشورے سے شفیق تخلص اختیار کیا چنانچه پہلے دیوان میں صاحب اور دوسرے میں شفیق تخلص ملتا ھے -

ان کي زبان ان کے دکن ھمعصروں کے مقابلے میں بہت صاف ھے لیکن یه شاعري میں کوئی خاص درجه نہیں رکھتے ان کے بہت سے شعروں کي بناء لفاظی پر ھے ایسے شعر انتخاب میں نہیں لے گئے ھیں -

-----

انتخاب

شمع پر پروانہ جل کر راکھ ہو
عاشقی کا نام روشن کر گیا

قباحت ہے بڑے غمزے سے آکر پھر کے ہٹ جانا
جھجک کر مسکرا کر دیکھ کر ہنس کر لپٹ جانا

ان وفاؤں کا یہ بدلا ہے ملا یا قسمت
ہم چلے، تم کو تو اب کر کے دعا یا قسمت

باغباں ہم کو نہیں واللہ کچھ گل سے غرض
ہیں گے مشتاق صدائے شور بلبل سے غرض

کم رکھے جی دل میں اپنے گل رخاں کا اختلاط
جی میں لے چھوڑے گا چنکی ان بتاں کا اختلاط

بہار آئی جلوں نے سر اٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

جیوں جلا آگ کا آتش ستي هوتا هے بھلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا هے کا عشق

مرا دل لیلے هی تک آشنا تھا
تري آنکھیں پھرانے کے تصدق

دل الجھتا هے مرا جیوں جیوں که سلجھے هیں وہ بال
کیا مچے گي دیکھئے کاکل کے کھل جانے میں دھوم

کس طرح بیمار دل کی هم شفا چاهیں که آج
پڑ گئی هے اس کي آنکھوں سیتی مے خانے میں دھوم

کیا کریں عرض حال تیرے پاس
هم کو دل نهیں تجھے دماغ نهیں

اب حیات حق میں سخن گو کے هے سخن
باقی هے میرے بعد یهي یاد گار کچھ

اس طور تھج گئے هیں نین کس کی یاد میں
نرگس کو هے چمن میں مگر انتظار کچھ

مت کوئی روشن کرو تربت پہ مجنوں کے چراغ
روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

کہو باتیں بنا تم اب و لیکن   تمہارا دل کہیں جاتا رہا ہے

ہمیں کنج چمن میں چھوڑ کر صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے یا ناشاد جاتا ہے

اگر وہ شعلہ خو تک پردہ ملھ سے دور کر دیوے
پتنگے جل مریں اور شمع کو بے نور کر دیوے

خاک سے اس کی نرگس اگتی ہے
جو ترا منتظر ہو مرتا ہے

ہر جہت باد صبا سے یہ قدم کا فیض ہے
مرقد بلبل پہ گل جو یوں چراغاں ہو گئے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

چکوریں ماہ کے اور بلبلیں گلزار کے صدقے
کوئی قربان کس کا ھے میں اپنے یار کے صدقے

خدا کسي کو کسي سانھ آشنا نہ کرے
اگر کرے تو قیامت تلک جدا نہ کرے

کیا ھوا ھے کس طرح کا ابر ھے
جس کو دل چاھے نہ ھو کیا جبر ھے

اختر

محمد صادق خاں نام۔ ہمدان کے رہنے والے تھے مگر ترک وطن کر کے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ مرزا قتیل کے شاگرد تھے - اردو اور فارسي دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - ان کی شاعری کا اس قدر شہرہ ہوا کہ غازي الدین حیدر فرماں روائے اودھ نے ان کو ملک الشعرا کا خطاب دیا ' عالم و فاضل شخص تھے - اختر عالم و فاضل نکتہ رس دقیق نظر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے شعبدہ بازی میں بھی کمال رکھتے تھے -

خیالات کي بلندي ' مضامین کا تنوع بندش کي چستی فارسي ترکیبوں کی دل آویزي اور بیان کی متانت " اختر " کی شاعری کے خصوصیات ہیں -

اختر نے " مصحفي " اور " انشا " سے لے کر " وزیر " اور " صبا " تک کا زمانہ دیکھا تھا - انھوں نے سنہ ۱۸۵۸ع میں اِنتقال کیا -

اِنتخاب

تھی کرم سے چشم بخشش قہر سے خوف عقاب
دل میں اپنے عمر بھر حشر امید و بیم تھا

اگرچہ روز جاں کاہ اجل بھی تیرہ ہے لیکن
ترقی پر ہے کچھ بخت سیہ شب ہائے ہجراں کا

شب جو اپنا نالہ دل بسکہ سیر آہنگ تھا
زندگی کا عرصہ یاروں پر نہایت تنگ تھا
زندگی میں دیکھتے کیا خاک ہم اس کو یہاں
عمر بھر آئینہ دل پر ہوس کا زنگ تھا

کوثر سے بھی نہ اس کے بجھی سوزالعطش
مشتاق ہے گلو ترے خنجر کی آب کا
رو تیرا درمیاں ہے کروں کیا خموش ہوں
ورنہ میں ایک بند نہ رکھتا نقاب کا

لطف بے حد سے ترے سب دشمن جاں ہوگئے
ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

دل مجھ کو ھائے بے کس و بے چارہ کر گیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا
برسوں میں آیا تھا جو وہ دم بھر کے واسطے
آنکھوں کو وقف حیرت نظارہ کر گیا

پائے بند زینت دنیا دل روشن نہیں
رنگ دل مانع ہوا شبنم کی کب پرواز کا

طمع سے آبرو برباد یوں ھوتی ھے دنیا میں
جلا دیتا ھے جیسے آب گوھر شعلۂ آتش

آئینۂ اندیشہ نمائے دل " اختر "
ھے پیچ و خم حلقۂ گیسو سے ترے داغ

کس چشم کی گردش کا تھا مارا ھوا " اختر "
خاک اس کی بگولے سے جو ھے ھم سفر اب تک

کھینچے لئے جاتا ھے مجھے ساتھ جو اپنے
شاید کشش یار ھے اب راہ بر دل

کشور عشق میں بیکار ھے اعجاز مسیح
لوگ یاں مرگ سے امید شفا رکھتے ھیں

جان دے بیٹھیں تو دیکھے نہ کبھی آنکھ اٹھا
ایسے بے دید سے ہم چشم وفا رکھتے ہیں

خرام یار سے اسودگان خاک اٹھ بیٹھے
یہ چلنا کیا ہے؟ آشوب قیامت اس کو کہتے ہیں

قتل عاشق سے ہے تیغ یار منھ موڑے ہوئے
کون گردن سے اتارے آہ بار عاشقاں

خون ناحق کا دکھا دیتے مجھے محشر میں رنگ
پر کریں کیا تیرا فریادی ' کوئی بسمل نہیں
تاب کیا فریاد کی اس کو جدائی یار سے
اس قدر ہے مضمحل سینہ میں گویا دل نہیں

آتش دل سے جو بلبل جل گئی گلشن میں آہ
رہ گیا اس سے نشان آشیان سوختہ
عمر جو گذری سو گذری فکر باقی کیجئے
ہے یہ آتش ' یادگار کاروان سوختہ

دوری سے تری ' ہر صحرائے رشک گلستاں
آنکھوں میں مری باد صبا شعلہ فشاں ہے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیران قفس
کچھہ ہوا اڑتی سی سنی ہے کہ بہار آئی ہے

لبوں تک آہ کا آنا ہے دشوار
یہ زوروں پر ہے اپنی ناتوانی
کیا ہے امتداد ہم نے جہان میں
کہ بڑھ نہ سکے قدر عہد زندگانی

الفت اس کی ہر جگہہ میرے لئے تعمیر ہے
جاؤں صحرا کو تو واں بھی خانۂ زنجیر ہے
جو مقدر ہے وہی ہوتا ہے ظاہر سعی سے
صورت تدبیر یاں در پردۂ تقدیر ہے

ہے رگ جاں تک جو اپنی موج زن خون جنوں
یہ بہار نشتر مژگاں کا کس کے جوش ہے

عجب ڈھب کی یہ تعمیر خراب آباد ہستی ہے
کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی یاں کی پستی ہے
تردد کیوں تمہیں اے ساکنان ملک ہستی ہے
عدم کی راہ سیدھی ہے بلندی ہے نہ پستی ہے
وصال اس کا عوض مرنے کے گر ٹھہرے غنیمت ہے
متاع وصل جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے
حصول جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھہ کر تقدیر ہنستی ہے

سمجھ ہر ایک کو ہشیار ہم آئے تھے یاں "اختر"
بہ چشم غور جو دیکھا تو متوالوں کي بستي ہے

دوستی کا حال کیا پوچھے ہے اے ناکردہ کار
دیکھ میرا سینہ مالا مال داغ دوستی سے ہے

اُدھر قاصد گیا ہے ' اور اِدھر جاتا ہے جی اپنا
جواب نامہ تک کس کو امید زندگانی ہے
نہ پوچھو بے قراري کا مری' راتوں کو اب عالم
دل مضطر ہے' میں ہوں' اس دلکی کی پاسبانی ہے

گو زر نہ ہو' پر مایۂ ہمت کی بہ دولت
گنجینہ ارباب کرم خانۂ دل ہے

شہیدی

کرامت علی نام ' شہیدی تخلص وطن بریلی تھا مگر لکھنؤ میں پرورش پائی - پہلے مصحفی سے اصلاح لی جب ان کا انتقال ہو گیا تو شاہ نصیر سے مشورہ کرنے لگے -

آدمی بذلہ سنج ' اور یارباش اور آزاد تھے ' آزادی وارستگی تک پہونچ گئی تھی -

شہیدی ' سرکار انگریزی کے محکمۂ کمسریٹ میں ملازم تھے ' اس خدمت سے کنارہ کش ہونے کے بعد پھر کہیں ملازمت نہیں کی ' وہ ایک بذلہ سنج - یار باش - آزاد منش اور وارستہ مزاج آدمی تھے - دھلی ' اجمیر ' پنجاب ' بھوپال ' گجرات میں ان کے احباب بہت تھے ' وہ اکثر ان شہروں کا دورہ کیا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کے یہاں مہمان رہتے تھے -

" شہیدی " کا دل سراپا درد و عشق تھا - ان کی طبیعت کا میلان عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کی طرف تھا - وہ سچے عاشق رسول تھے ' اس لئے نعت میں جو کچھ کہتے تھے دل کی زبان سے کہتے تھے اور نئی نئی باتیں پیدا کرتے تھے ' ان کی غزل میں سوز و

گداز کي کمي نهيں هے - زبان صاف و شسته هے اور طبيعت دريا کي روانی رکهتی هے - سنگلاخ زمينوں کو پامال کرکے چهوڑتے هيں اور مشکل طرحوں ميں سه غزله اور چو غزله لکهہ کر اپنی قادرالکلامي کا ثبوت ديتے هيں -

شهيدی نے ۴ صفر سنه ١٢٥٦ھ کو مدينه کے راستے ميں انتقال کيا -

شوق وصال، سینے میں آزار بن گیا
میں خواهش طبیب میں بیمار بن گیا

تیرے خیال نے مرے دل کو کیا فگار
طالع کے انقلاب سے گل، خار بن گیا

هر گل تف جگر سے مرے، مضمحل هوا
لے جا کے خلد میں مجھے رضواں خجل هوا

مجھے عذاب جهنم که بت پرست هوں میں
وہ بت، بهشت میں دعوی جسے خدائی کا

بتوں کا سجدہ مری سر نوشت میں کب تھا
که عزم، کعبہ کے در پر هو جبهہ سائی کا

دیکھ کر مجھ کو پھڑک جائے نہ صیاد کا دم
چھپتے دیکھا مرا خود میں تہ دام آیا

اب نہ سن! گر میں کروں تیرے تغافل کا گلہ
بات کیا صبح کا بھولا هوا گر شام آیا

قیس! هوتی تف لیلی هي میں ناقے کی مہار
گر پری چہرہ مرا رونق محمل هوتا

سچ هے ناصح که ضرر دل کا هے خوں رونے میں
خوں نہ روتا مرے سینے میں اگر دل هوتا

پلٹی صورت سے تجھے عشق نہیں ہے ورنہ
در و دیوار سے آئینہ مقابل ہوتا

تصور عاشق بے تاب نے دل میں جہاں باندھا
نقاب اس شرمگیں نے اپنے چہرے پر وہاں باندھا

یہ عاصی رہے نار میں یا الٰہی
بہشت بریں میں وہ کافر نہ ہوگا

اب "شہیدی" سے تو ہے ضبط جنوں بس دشوار
دامن یار ہی چھوٹا تو گریباں کس کا

سن کے میری مرگ کا آوازہ ' وحشت نے کہا
اٹھ گیا دنیا سے وارث خانۂ زنجیر کا
دیکھ لے جو چاہے میرے صفحۂ دل میں تجھے
فرط حیرت سے ہوں آئینہ تری تصویر کا
کر کے میں قطع تعلق سب میں دیوانہ بنا
وہ بڑا عاقل ہے جو بستہ ہوا زنجیر کا

لاؤں گا زباں پر تری بیداد نہ ہرگز
بے رحم' تجھے خلق میں مشہور کروں کیا

هو جاے گا چپ' سن کے مرا حرف تمنا
نادان ہے اُسے اور بھي مغرور کروں کیا

عاشقوں میں قابل کشتن نہ تھا میرے سوا
میں ہوا قتل اور کمر سے یار کی خنجر کھلا

کرتے ہو نیم نگہہ پر ' مرے دل کا سودا
نہ خریدو یہ ابھي اور بھی ارزاں ہوگا

مرے پہلو سے جاتے ہو یہ کہہ کر دم میں آتا ہوں
تمھارا وعدہ سچ پر یاں بھروسا کس کو ہے دم کا

صنم پھر خدا رکھے دے اپنا ہاتھ سینے پر
ہمارا زخم دل محتاج ہے ان روزوں مرہم کا

شکر ہے خانۂ زنداں کی شکایت نہ رہي
جاکے صحرا میں بھی دیوانہ ترا تنگ رہا
حیف صیاد نے گن گن کے گرفتار کئے
نہ گلستاں میں کوئی مرغ خوش آہنگ رہا
عار تھا ہر کس و ناکس سے مقابل ہونا
شکر صد شکر مرے آئینے پر زنگ رہا

اغیار کا منھ تھا مجھے محفل سے اٹھانے
سچ یوں ہے تری رنجش بے جا نے اٹھایا
بیمار محبت کو اب اللہ شفا دے
سنتے ہیں کہ ہاتھ اُس سے مسیحا نے اٹھایا

ہجر میں جینے سے مرنا وصل میں مجھ کو قبول
یہ سخن پروانہ کہہ کر شمع سوزاں پر گرا

دن رہائی کے قریب آئے "شہیدی" شاید
خود بخود آج مرا طوق گلو ٹوٹ پڑا

خود بخود آتا ہے گریہ ہر گھڑی   عاشقی نے طفل خو ہم کو کیا
اُس کی بے رحمی کا شکوہ ہے عبث   کب کسی نے رو برو ہم کو کیا
اے "شہیدی" شوق وصل یار نے   جسم و جاں سب آرزو ہم کو کیا

بھروسا کس کو تھا فرقت کی شب میں زندگانی کا
ملایا تجھ سے پھر، ممنوں ہوں اپنی سخت جانی کا
ذرا کاندھا تو دے لو تم بھی تا عالم میں شہرہ ہو
ہماری جاں فشانی کا، تمہاری قدر دانی کا

آشیاں سے صحن گلشن تک بچھے ہیں لاکھ دام
کاش ہو موج ہوا زنجیر پائے عندلیب

آئے تھے لے لے کے کوڑے محتسب
بن گئے مستوں کے گھوڑے محتسب
گر ہمارے میکدے میں ہو گذار
خم کے بدلے توبہ توڑے محتسب

— —

چشم ساقی کے ہوئی دور میں یہ عام شراب
قاضی شہر کو ملنے لگی بے دام شراب

———

وعدۂ رویت کا ہے موقوف نرا فردا پر
آہ کچھ چارا نہیں حسرت دیدار سے آج

———

ہوے عشاق نوازی کے وہ دل سے مصروف
ہائے مقبول ہوئی مری دعا میرے بعد

———

سیکھ لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز
برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

———

تونے اے دل! سینۂ پر داغ سے جنبش نہ کی
یار کی محفل میں گل پہونچا گلستاں چھوڑ کر

———

اس ایک پھول نے روشن کیا ہے گلخن کو
جہان تیرہ کو ہے عشق کے شرار سے فیض

———

مدت سے رزو ھے ترے پیرھن کی بو
اے کاش ایک صبح کرے وہ صبا غلط

چمن میں سبزۂ بیگانہ میں تھا
مرے اتھتے ھوئی وہ انجمن صاف
کدورت دل کی آتي ھے زباں پر
کہے انساں نہ رنجش میں سخن صاف

مجھ کو تم ھے پسند تجھ کو رقیب
میرے اور تیرے انتخاب میں فرق
سینہ پر سل دھری گئی پس مرگ
نہ ھوا دل کے اضطراب میں فرق
کم ھے میری وفا سے تیری جفا
روز محشر نہ ھو حساب میں فرق

ھمارے عشق کو تو اے جنوں نہ رسوا کر
کہ پیرھن کے سبب سینے کے ھیں پنہاں چاک

ھم نے دیکھا ھے تماشا آمد سیلاب کا
کب کسي کے روکے سے رکتا ھے جب آتا ھے دل
بے قراري دل کي میں کیوں کر جتاؤں یار کو
سینے پر جب ھاتھ رکھتا ھے تھہر جاتا ھے دل

خواهاں کام جاں هیں، تن آسانیوں میں هم
تا زندگی رهیں کے پشیمانیوں میں هم
اس خود نما کا آئینه خانه تها دو جہاں
مرنے کے بعد بهي رهے حیرانیوں میں هم
دیکها کبهي نه خار کي دامن کشی کا لطف
صحرا کي سیر کو گئے عریانیوں میں هم
آب بقا خضر کو مبارک رهے همیں
کافی هے جام زهر که هیں فانیوں میں هم
ناخواندگي سے کهتے هیں نامه کے میرے حرف
یارب نه کیوں لکهے گئے پیشانیوں میں هم

فردوس کي گل گشت کو بهی چلتے هیں رضواں
دوزخ میں ذرا سینک لیں یه دامن ترهم
یارب هو برا تفرقه انداز فلک کا
مشتاق اُدهر یار هے بے تاب اِدهر هم

طالع خفته مرے کہتے هیں شور حشر سے
چونک اٹهیں عالم کے مردے پر نه هوں بیدار هم
انتہاے عشق میں هونا هے کافر ایک دن
تار تار جیب سے بنوا رکهیں زنار هم
گهر همارے آج وه خورشید پیکر آئے گا
دیکهتے هیں شام میں کچهه صبح کے آثار هم

مے فروش اپنا سبو اب ہم سے اٹھواتا نہیں

ایک دن غفلت میں کہہ بیٹھے تھے ہیں ہشیار ہم

رو رہے ہیں یہ جو منہہ ڈھانکے سرھانے اس کے

زندگی میں تھے انہیں کے طالب دیدار ہم

ہم نے آنکھیں موند لیں دنیا کا پردہ کھل گیا

بیٹھے ارباب بصورت جام جم دیکھا کریں

طرفہ صحبت ہے ' ہماری شکل سے بیزار ہم

اپنی یہ خواہش تمھیں ہم دم بہ دم دیکھا کریں

شیخ خلوت میں مریدوں سے کرے جو تلقین

رند چرچا سر بازار کیا کرتے ہیں

ایک ہے حسرت و امید مرے مذہب میں

جب سے طالب ہوں ترا ' کچھ مجھے مطلوب نہیں

انداز ترک عشق عبث رو بروے یار

ناصح ! رفو کتاں دو نہ در ماہتاب میں

آیا تھا عیادت کے لئے یار کئی دن

میں کیوں نہ رہا اور بھی بیمار کئی دن

کیا ملاحت رخ جاناں میں ہے اللہ اللہ
آگیا جس کے تصور سے مزا آنکھوں میں
سات پردوں میں اگر رہنے سے ہے شوق تجھے
یہ بھی اک منظر پاکیزہ ہے آ آنکھوں میں

جا ہمرہ رقیب نہ سیر چمن کو تو
ظالم نہ تازہ کر مرے داغ کہن کو تو
مجنوں کسی کی چشم کا شاید بندھا ہے دھیان
پہروں سے تک رہا ہے کھڑا کیوں ہرن کو تو
حسرت کشوں کا اور ہی درجہ ہے عشق میں
پرویز آپ سا نہ سمجھ کوہ کن کو تو

جانب مسجد نہیں جاتا ہوں میں بہر نماز
صندل بت خانہ جب تک زیب پشانی نہ ہو

سرو سے قد پہ اٹھا ہاتھ جو انگڑائی کو
مستزاد اُس نے کیا مصرعہ رعنائی کو

فراق یار میں چنداں نہیں ہوں میں مجبور
ہر آن مرگ مری میرے اختیار میں ہے
پلٹ گیا وہ پری نیم راہ سے سو بار
عجب اثر دل وحشی کے اضطرار میں ہے

صبر کا ناصح نہیں یارا مجھے　　چارہ گری نے تری، مارا مجھے

دل کے جانے کا "شہیدی" حادثہ ایسا نہیں

کچھ نہ رونے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

نہ رکھ آنکھوں پہ میری، آستین لطف اے ہمدم

کہ اشک سرخ کے ہمراہ دل کا غم نکلتا ہے

"شہیدی" سے نہیں واقف مگر اتنا تو واقف ہیں

کہ راتوں کو کوئی کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے

جی چاہے گا جسکو اُسے چاہا نہ کریں گے

ہم عشق و ہوس کو کبھی یکجا نہ کریں گے

مرے گھر آکے یوں دامن کشاں وہ گل گذر جاتا

نہ میرا ہاتھ نکلا ضعف کے باعث گریباں سے

یار نے گوش "شہیدی" میں کہا وقت وداع

رو لے دو آنسو فراق جسم و جاں کا وقت ہے

اے دل! نکال اپنے سب ارماں شب وصال

ہنگام صبح تک مجھے مہلت اجل سے ہے

هم دل افسردوں کي تکليف " شهيدي " هے عبث
اور کر ديں گے دم سرد سے محفل ٹهنڈي

آکر غم صنم نے يهاں تک کيا هجوم
پائي نه ميں نے کعبے ميں فرصت نماز کي

کيا هي يه پرهن کا بوجه ' مجهه کو هے لاکهه من کا بوجهه
جاں کو گراں هے تن کا بوجه ' جسم کو روح بار هے

ياد بندے کي اُسے هے يا نهيں کس کو خبر
ياد اُس کي تو خدا کا شکر هردم هے مجهے

قتل کرتا هے مجهے وه اپنا عاشق جان کر
هاتهه سے اسکے گلے پر پهيرے ' خنجر ديا چلے

پهينک دي هاتهه سے احوال قيامت کي کتاب
سن کے واعظ نے بيان شب هجراں هم سے

اس پند سے دل ' ناصح ديں دار نه توڑے
بت توڑ نے ميں کعبے کي ديوار نه توڑے

اور غافل ہوئے سن سن کے ہمارا احوال
ان کو نیند آگئی عشاق کے افسانوں سے
تیرے خرقے نے چھپایا ہے "شہیدی" تجھ کو
یار بے عیب کو پردہ نہیں عریانوں سے

شکر دیدار صنم کی آرزو دونوں کو ہے
یاں زباں کو آنکھیں' آنکھوں کو زباں درکا ہے
مل چکا صندل جبیں پر درد سر جاتا رہا
اس مسیحا دم کی خاک آستاں درکار ہے

مشام بلبل میں رشک گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے
ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ ' نسیم چھو بھی نہیں گئی
"شہیدی" اتنی گماں پرستی کہ نشہ میں بھوا بیٹھے ہستی
ہوئی ہے اس مے سے تم کو مستی جو تا گلو بھی نہیں گئی ہے

صوم و صلوۃ سے مجھے دن رات کام ہے
تیرے فراق میں مئے و نغمہ حرام ہے

بس تجھی پر ہے نگاہ اپنی پری خانے میں
اس قدر ہوش ابھی ہیں ترے دیوانے میں

رومال معطر ہے محبت کی جو بو سے
یہ ہمدے بسایا ہے " شہیدی " کے لہو سے

(نامہ)

سر دفتر اشتیاق کیشاں
شیر ازہ خاطر پریشاں

تازیست نہ ہو تمہیں کوئی غم
غم کھانے کو ایک ہم ہیں کیا کم

اپنی ہے یہی دعا خدا سے
تم خوش رہو ہم موے بلا سے

انجم سے جو شب شمار غم ہے
دن کو مجھے کاروبار غم ہے

کس سے کہوں آہ حال اپنا
فرقت میں ہوا وصال اپنا

سوز تپ غم سے ہوں بہ جاں میں
جلنے میں علم ہوں شمع ساں میں

قطعہ

اک روز وقت پا کے جو کی میں نے اُس سے عرض
آزردہ خاطروں کے ستانے سے فائدہ

بولے کہ واقعی بڑے بیدادگر ہیں ہم
ہم نے کسی کو دل کے لگانے سے فائدہ

امیر

محمد یار خاں نام ، رام پور کے رہنے والے خاندانی نواب اور صاحب جاہ تھے - آبائی جائداد کی آمدنی علاوہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ نواب شجاع الدولہ کی وراثت سے ان کو ملتا تھا " امیر " ذہین ، نبی مروت ، سخی اور عالی حوصلہ امیر تھے ، فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے اردو شاعری کی طرف توجہ کی تھوڑے ہی دنوں میں اچھا کہنے لگے ، "قائم" اور "مصحفی" دونوں سے تلمذ تھا "مصحفی" سے آخر تک فیض حاصل کرتے رہے - شعرا کا ہجوم رہتا تھا - سنہ ۱۷۷۲ع میں وفات پائی -

" امیر " کے کلام پر " مصحفی " کا رنگ خاص ہے ، غزل میں واردات اور اخلاقیات دونوں اچھے اسلوب سے نظم کرتے ہیں -

انتخاب

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا
یارب برا ہو اس دل خانہ خراب کا

جس سر میں ہے حیوں حباب دعوے
واں زیر کلاہ کچھ نہ نکلا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

کہاں کی عمر؟ کس کی زیست؟ یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا اک نفس کا

داغ دل لے چلے گلی سے تری
چاہئے کچھ نشان کی خاطر

ہے فردا کا یہ وعدہ، کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہی کل

کہوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل موج
جائیں اے کس طرف کو ہیں آئے کہاں سے ہم

ماہیت خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر دام کہاں

جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہے سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر! کسی بے دل سے مت کہیو

گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک باد کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے

مسرور

شیخ میر بخش نام ' شیخ " مصحفي " کے شاگرد کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے ' دهلي کی سیاحت بهي کی تهي - بلند مضامین پیدا کرنے کی کوشش کرتے هیں ' ایسا معلوم هوتا هے که ان کي خواهش کے مطابق الفاظ نهیں ملتے تغزل کا رنگ اچها هے ' مضمون افید-ریلي میں " مصحفي " کا انداز نمایاں هے حتی‌الوسع کوئی لفظ بیکار نهیں لاتے ' زبان بهی شسته هے ترکیب صاف اور بندش چست هوتي هے ' بے ساختگی سے معلوم هوتا هے که دل چوٹ کهایا هوا هے -

---

انتخاب

گھونگھٹ کا شرم پر ہے حجاب اور دوسرا
پردے میں رخ ہے' رخ پہ نقاب اور دوسرا

تا ٹھہر کي نہ آہ دل نار سا نے کیا
آنا تھا جلد دیر لگائي قضا نے کیا
دست جنوں کے هاتھ سے "مسرور" دیکھنا
پھیلائے پاؤں اس مرے چاک قبا نے کیا

بزم خوباں سے جو میں رات بہ‌صد یاس اٹھا
درد بے ساختہ اک دل کے میرے پاس اٹھا

اس حسن کی داد اس دل دل گیر سے لوں گا
آنکھوں کا مزا میں تری تصویر سے لوں گا

بت خانہ کو اس بت کے جھکي ساری خدائي
اس سال بھلا طوف حرم کون کرے گا

بیٹھے تھے کس خوشی سے سنانے کو حال دل
وہ بھی بیان رات کو سارا نہ ہوسکا

قافلے والوں کی اللہ کرے خیر کہیں
گم ہے کچھ آج کے دن بانگ درا کیا باعث

پہلو سے لے گئے دل دل گیر کھینچ کر
اچھا سلوک تم نے کیا تیر کھینچ کر

تو مجھ سے دشمنی بھی فلک اس قدر نہ کر
کس نے کہا ہے ہجر کی شب کو سحر نہ کر
مرنے کو زندگی تو سمجھ درد عشق میں
"مسرور" اپنی جان کا ہرگز خطر نہ کر

اے دل تو مے عشق کو ہشیاری سے پینا
گر پڑتے ہیں اس بزم میں مے خوار سنبھل کر

فرصت نہیں ہے درد جگر کو تو کیا کریں
مقدور بھی تو اس کی دوا کر چکے ہیں ہم

چمن میں زمزمہ سنجی کروں میں کیسے صبا
قفس میں قید مرے ہم صفیر کتنے ہیں

لگائیں کیوں نہ ہم آنکھوں سے ان کے ہاتھوں کو
جو چلتے دم ترا دامن سنبھال دیتے ہیں

بے اثر نالوں سے کچھ اب تو نکلتا نہیں کام
ہم انہیں گرد رہ بے اثری کرتے ہیں

دن وصل کے ' رنج شب غم بھول گئے ہیں
یہ خوش ہیں کہ اپنے تئیں ہم بھول گئے ہیں
جس دن سے گئے اپنی خبر تک نہیں بھیجی
شاید ہمیں یاران عدم بھول گئے ہیں
یا راحت و رنج اب ہے مساوات ہمیں کو
یا آپ ہی کچھ طرز ستم بھول گئے ہیں
کچھ ہوش ٹھکانے ہوں تو لیں نام کسی کا
ہم دے کے کہیں دل کی رقم بھول گئے ہیں

وہ کبھی بھولے سے ہم کو یاد بھی کرتے نہیں
جن کی خاطر ہوش کیا ہم دل گنوائے بیٹھے ہیں

اے جوش اشک وقفہ کوئی دم ضرور ہے
کب تک لئے ان آنکھوں پہ ہم آستیں رہیں

باهیں گلے میں ڈور کے کس طرح ڈال دوں
گر حکم ہو تو آپ کا دامن سنبھال دوں

طلوع ہو کہیں صبح مراد جلد کہ ہم
جگر کو تھامے شب انتظار بیٹھے ہیں

ہر تان پہ دل کھینچے نہ کس طرح وہ "مسرور"
اللہ نے بخشی ہے یہ تاثیر گلے میں

بے چین دل کرے ہے مرے تن کو ' کیا کروں
اے دوستو! بغل کے میں دشمن کو کیا کروں

سر کو پٹک پٹک شب ہجراں کہوں ہوں میں
خنجر پہ رکھ دوں جاکے میں گردن کو کیا کروں

مل رہیں گے زیست گر باقی ہے پھر اے ہمدمو
اب تو جاتے ہیں' جدھر میرا خدا لے جائے ہے

اے دست جنوں اس کا لگا دے تو ٹھکانا
دم تنگ مرا میرے گریباں کے تلے ہے

پڑھتا ہے کھڑا فاتحہ وہ فتنۂ دوراں
محشر کہیں برپا مرے مدفن سے نہ ہوے

سانولی دیکھ کے صورت کسی متوالے کی
گو مسلمان ہوں بول اٹھتا ہوں جے کالی کی

ٹکڑے ٹکڑے کئے دامن کے تو اے دست جنوں
رحم کر اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئی

تدبیر بس اب اس کی ذرا ہم سے نہ ہوگی
اے درد جگر تیری دوا ہم سے نہ ہوگی

وہ اپنی جاں فشانیاں ساری نہ بھولئے
سب بھولئے پہ یاد ہماری نہ بھولئے

یہ گر کے شمع پہ پروانے رات کہتے تھے
سمجھ لے دل میں کہ ہے گرم انجمن ہم سے

کس کام کي هے بے مئے و معشوق زندگي

افسوس دن شباب کے یوں رائگاں چلے

کهہ دو ! مجنوں سے کہ پھرتا هے تو کیا دل تھامے

ناقہ اٹھتا هے ذرا لیلے کا محمل تھامے

عیشی

طالب علي خاں نام ، لکھنؤ کے رھنے والے " مصحفي " کے شاگرد تھے فارسي میں ' قتیل " سے اصلاح لیتے تھے - فارسي اور اُردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے مگر دونوں دیوان نایاب ھیں - بعض اور کتابیں بھي ان کی تصنیف سے تھیں مگر اب نہیں ملتیں- "عیشی" کے کلام میں آورد کا رنگ غالب ھے مگر بیاں میں وہ زور اور بندش میں وہ چستي ھے کہ معمولي خیالوں میں رفعت اور بے مزہ باتوں میں لذت پیدا ھو جاتی ھے - فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت ملتی ھیں - کہیں کہیں " مصحفی " کا رنگ جھلک جاتا ھے -

---

انتخاب

ہے قصور اے ہم نشیں سرتا سر اپنی دید کا
ورنہ ہر ذرے میں تاباں نور ہے خورشید کا

گر حصول مدعا ہو ، ور نہ ہو ہم شاد ہیں
وقف برق یاس ہے خرمن یہاں امید کا

باغ فانی کے گلوں پر ہے یہہ رنگ دل‌پذیر
ہوگا کیا عالم بہار گلشن جاوید کا

دل میں آتا ہے نظر وہ جس نے دل پیدا کیا
جلوہ پیرا ہے جمال اس جام میں جمشید کا

سب کو رقیب کہئیے کس کس سے رشک کیجے
خورشید وار اس کا جلوہ کہاں نہ ٹھہرا

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہوکے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا

ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح
مے کشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

رنگ تاثیر بھی نالوں کو وھی دیتا کاش
جس نے سینے میں کیا یہ دل نالاں پیدا
داغ تنہائی سے جلنے کو ھوئے ھم "عیشی"
صورت شمع سر گور غریباں پیدا

کون پا بند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس تنگ جوانی تہا جو زنداں میں نہ تھا
چشم پوشي هے عبث مجھ سے کہ مانند سر شک
دیکھتا مجھ کو کہ اک جنبش مژگاں میں نہ تھا
"عیشي" اس مے کدے میں کب همیں لائي تقدیر
درد بھي جب کہ خم بادہ پرستاں میں نہ تھا

لذتیں چشم تماشا کو ملیں یاں کیا کیا
یاد آوے گا کوئي دل میں گلستاں کیا کیا
اول شام خبر موت نے لي ورنہ همیں
رنج کیا جانے دکھاتی شب هجراں کیا کیا
آمد عشق هی میں صبر نے رخصت مانگي
اس سے رکھتا تھا توقع دل ناداں کیا کیا

دشمن و دوست سے اُلفت هے ز بس کام اپنا
محتسب تھامے جو ساقی سے گرے جام اپنا

تنہا میں اس جہان کی منزل میں رہ گیا
اور داغ ہم رہان سفر' دل میں رہ گیا
" عیشی " مشابہت رخ جاناں سی تھی اُسے
پر داغ عارض مہ کامل میں رہ گیا

گلچیں کا دل جلا نہ کبھی اس کے حال پر
تاثیر آہ بلبل نالاں سے دور تھا
دھویا نہ اس کے دامن دل سے غبار کیں
جوش سرشک دیدۂ گریاں سے دور تھا

مزرع امید کی خشکی تھی ہمت کو قبول
آسماں سے پر نہ میں باران رحمت مانگتا
گر دل دیوانہ کی مقبول ہوتی حق دعا
میں لٹانے کے لئے گلزار جنت مانگتا

ناکامی قسمت ہمیں تب بزم میں لائی
خالی سر خم کرچکے جب بادہ کشاں بلند
یاں صورت نے دم ہے تن زار میں "عیشی"
زنہار نہ ہوں گے لب فریاد و فغاں بلند

وفاداری مری کب اس جفا کاری کے قابل تھی
ستم گر تونے محبوبوں کا کھویا اعتبار آخر

یہ قسمت دیکھئے صیاد جب آزاد کرنے کو
لگا پر کھولنے میرے ، ہوئی فصل بہار آخر
اسیر دام ہستی کو نہیں طول امل لازم
کہ ہو جاتی ہے پل میں یہ حیات مستعار آخر

نے کبھی روئے نہ پٹکا سر کو کاہے سنگ پر
مفت اپنا خوں ہوا جرم شکست رنگ پر
کیسے مشتاق نوا ہیں گوش ہائے اہل بزم
کیا مصیبت پڑ گئی مرغان خوش آہنگ پر

ہیں زلف تابدار کے زندانیوں میں ہم
رہتے ہیں الجھے سخت پریشانیوں میں ہم
خون اس کے ہاتھ میں دم تکبیر بھر گیا
محشر تلک رہیں گے پشیمانیوں میں ہم

تبسم سے نہیں لب آشنا اپنے کبھو برسوں
ہنسے زخم نہاں گاہ ، سو روئے ہیں لہو برسوں
نہ اپنے نے ہمیں پوچھا نہ بیگانے نے وحشت میں
بہ رنگ گل رہا چاک گریباں بے رفو برسوں

یہی وحشت ہو تو اک دن لگاکر آگ گلشن میں
پڑے ہوں گے لپیٹے منھ کسی صحرا کے دامن میں

کرے کیا امتیاز کفر و دیں چشم حقیقت بیں
وہی تسبیح کا رشتہ ہے زنار برہمن میں

سخن اس کے عجائب لطف لکنت میں دکھاتے ہیں
نزاکت سے زباں پر حرف کیا کیا لڑکھڑاتے ہیں

فریاد کس کے ہاتھ سے کیجئے کہ جادۂ وار
راہ وفا میں ہم ہوئے پامال کارواں

اپنا کیا ذکر نیست و بود کریں   بے نمودی کی کیا نمود کریں

گریہ نے فرصت نہ دی یار کے دیدار کی
ڈوب گئے لے کے ہم دل کی امنگ آب میں

زیست کی امید کیا رکھوں کہ سینے میں ترے
ایک بھی پیکاں بے لذت جگر کھٹکتا نہیں
سر گرانی اتنی بیمار محبت سے نہ کر
ایک دو دن سے اب اس کو بو تر کھٹکتا نہیں

رونقیں آبادیاں کیا کیا چمن کی یاد ہیں
بوے گل کی طرح ہم گلشن کے خانہ زاد ہیں

بھکا کدھر کدھر پھرا ' میں کہاں کہاں
افسوس مجھ کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

تا چند سر کو پھوڑئیے دیوار باغ سے
رونق چمن کی لے گئی باد خزاں کہاں

مانند سایہ تا فلک اپنا عروج ہے
اُفتادگی سے پہونچے ہم آخر کہاں کہاں

نالہ سو بے اثر ہے دعا ہے سو نا قبول
کیا جانئے آگیا تھا وہ نا مہرباں کہاں

لانا ادھر نہ بوئے گل اے موج باد صبح
میں کم دماغ اور یہ بار گراں کہاں

بے رحم باغبان ہے اور بے وفا بہار
باندھا تھا ہم نے آ کے عبث آشیاں کہاں

جنوں نے پائے وحشت آشنا باہر نکالے ہیں
مرے دامن سے ٹانکو عرصۂ محشر کے دامن کو

گریباں گیر گردوں ہے غبار راہ محرومی
کسی کی خاک سے جھٹکا کسی ظالم نے دامن کو

نہ دیکھا ناز بیدان چمن کا ساتھ " عیشی "
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل گراں گوش و چمن صورت حیرانی ہے
کس گلستاں میں ہمیں حکم غزل خوانی ہے

کف افسوس بہم ملتے ہیں مژگاں یعنی

آخر اس دید کا انجام پشیمانی ہے

قطع کر رشتۂ احباب تعلق "عیشی"

ترک جمعیت دل بے سر و سامانی ہے

پر خطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے

خضر توفیق ازل وقت مدد گاری ہے

بختیاری ہے جسے ہو مرض عشق نصیب

لاکھ دردوں کی دوا ایک یہ بیماری ہے

نالۂ مرغ چمن سن کے میں خوں روتا ہوں

بسکہ دل شیفتۂ لذت غم خواری ہے

گو ہر اشک ہوں بکتا ہوں کہاں میں "عیشی"

نا مرادی سے مجھے چشم خریداری ہے

نہ پہنچا ساتھ یاران سفر کے ناتوانی سے

میں سر پٹکا کیا اک عمر سنگ سخت جانی سے

مرید مرشد ہمت ہوں میں میری طریقت میں

کفن بھی ساتھ لاتا ننگ ہے دنیائے فانی سے

شراب عشق کا ساغر دیا ہے مجھ کو ساقی نے

نہ اٹھوں گا میں محشر کو بھی اپنی سر گرانی سے

همیں وہ راہ بتلائی ہے خضر عشق نے "عیشی"
نشان رفتگاں پیدا ہے جس میں بے نشانی سے

یہ تصور نے ترے جلوہ گری دکھلائی
کہ مرے اشک میں دیتی ہے پری دکھلائی

صلح کس سے تھی کہ دل وابستہ تھا آرام سے
کس سے اب بگڑی کہ ہر دم عافیت سے جنگ ہے

سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے
یہ بھی ہم نخل محبت کے ثمر دیکھ چکے
دیکھو "عیشی" کہیں بدنام نہ ہو بیٹھ کے یاں
بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

بے اثر نکلیں جو کہیں ناصح نے تدبیریں نئی
رات توڑیں تھے دیوانے نے زنجیریں کئی

وہاں صیاد ظالم سان پر خنجر چڑھاتا ہے
اسیر دام یاں پا بند امید رہائی ہے
بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ہم گلشن میں رہتے ہیں
نہ الفت باغباں سے ہے نہ گل سے آشنائی ہے

اتھایا اپنا سر بیمار نے کیوں اپنی بالیں سے
مگر شاید کسی کے پاؤں کی آواز آئی ھے

جب سے وہ رشک گلستاں پئے گلگشت آیا
ہر دم اک تازہ خلل رونق گلزار میں ھے

عشق کے رنج یہی ھیں تو ھم
ایک دن جی سے گذر جاویں گے
کم ہوئی بانگ جرس بھی یارب
ھم سے وا ماندہ کدھر جاویں گے
ننگ سے ھاتھ اتھا کر آخر
نام ھم عشق میں کر جاویں گے
لوگ کیا سن کے کہیں گے دم نزع
آپ بالیں سے اگر جاویں گے
تا چمن دوش صبا پر صیاد
میرے اکھڑے ہوئے پر جاویں گے

چشم کس ترک کی شمشیر لئے پھرتی ھے
کہ قضا حسرت تکبیر لئے پھرتی ھے
کوئی اس فصل میں دیوانہ ہوا ھے شاید
کہ ہوا ھاتھ میں زنجیر لئے پھرتی ھے

بوئے گل ہوں میری عریانی کے درپے کیوں ہے چرخ
آپ کب رہنا مجھے منظور پیراہن میں ہے
ایک مجسم ناتوانی ہے یہاں سرتا قدم
لوگ کہتے ہیں ' تن رنجور پیراہن میں ہے

تجھ کو اے رنج گراں جانی ! خدا غارت کرے
عاقبت ہم بار دل ہوئے عزیزاں ہو گئے
استخواں ہی کچھ فقط یاں خنجر پہلو نہیں
خوں کے قطرے بھی رگوں میں میری پیکاں ہوگئے

کبھی صیاد چھیڑے ' ہاتھ گاہے باغباں ڈالے
چمن میں کیا سمجھ کر کوئی طرح آشیاں ڈالے
بنا کر مجھ کو سر سے تا قدم ایک ضعف کا پتلا
قضا نے دوش پر کیا کیا مرے بار گراں ڈالے
وفاداری وہ دکھلاؤں کہ خود کھینچے پشیمانی
خدا سے چاہتا ہوں تو بنائے امتحاں ڈالے
ہجوم ناتوانی کم نہیں تسخیر " عیشی " کو
کوئی کیوں پاؤں میں ایسے کے زنجیر گراں ڈالے

کاش اے رخنۂ دیوار چمن تیری طرح
دور سے ہم بھی تماشائے گلستاں کرتے
دی اجل نے نہ اماں ورنہ دکھاتے وہ وفا
کہ تجھے تیری جفاؤں سے پشیماں کرتے

هر گام ' پائے سعي میں سو خار توڑئے
سر رشتۂ جستجو کا نہ زنہار توڑئے

هر جام' رشک ساغر جمشید ہے ہمیں
ابـاد ساقیا! تری بزم طرب رہے

جـلا دے طـور او سـوز نہـانی
اوٹھـائے کـون نـاز لـن تـراني
کہاں هم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیـم صبـح تـري مهـربانـي
شـراب صاف کا دے جام ساقي
مکـدر هے ز لال زنـدگـانـی
نہ پھري زمیں سدا اے محملت عشق
اوٹھاني تھی ترے صدے حوادی
کیا خاک در مے خانہ مجھ کو
جـز اک اللـہ دور آسمـانـی
شب غم میں مواجل جل کے "عیشی"
سنا هے شمع محفل کی زباني

هستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

غافل

منور خاں نام، فقیر محمد خاں گویا کے دوست، لکھنؤ کے رہنے والے - مصحفی کے شاگرد تھے - "غافل" ایک خوش گو شاعر ہیں ان کا کلام حشو و زوائد سے پاک ہے - ان کی زبان میں شیرینی اور طرز ادا میں دل نشینی ہے، ان کی شاعری درد سے خالی نہیں ہے مگر انبساطی کیفیت نمایاں ہے - ان کی بعض غزلیں عوام تک میں مشہور ہیں -

---

انتخاب

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

دوستی کا بھی تجھے پاس نہ آیا، ہے ہے
تونے دشمن سے کیا مرا گلا، میرے بعد

گرم بازاری الفت ہے مجھی سے ورنہ
کوئی لینے کا نہیں نام وفا، میرے بعد

منھ پہ لے دامن گل روئیں گے مرغان چمن
باغ میں خاک اڑائے گی صبا میرے بعد

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

تجھ کو اے بلبل مبارک ہو یہ سامان بہار
دم کے دم مثل صبا ہیں ہم تو مہمان بہار
آب و رنگ گل ہمارے گریۂ خونیں سے ہے
دیدۂ پر خوں ہے اپنا ' مہر سامان بہار

آتش جو ہمارے تن پر داغ کی بھڑ کی
دامن سے بجھائی تو گریباں میں لگی آگ

جلوہ برق کم نما ہیں ہم
ہے جو ہستی یہی تو کیا ہیں ہم
وصل میں بھی نہیں مجال سخن
اس رسائی پہ نارسا ہیں ہم
چلونوں میں وہ شوخ کہتا ہے
قہر ہیں' فتنہ ہیں ' بلا ہیں ہم
خوف محشر ہے کیا ہمیں "غافل"
پیرو آل مصطفی ہیں ہم

صدمۂ ہجر مری جان' اٹھانے کی نہیں
تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی
پیرہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

مبتلا رنج مکافات میں فرزانے ہیں
پرسش حشر سے فارغ ہیں، جو دیوانے ہیں

شب فراق میں بھلائیں کس سے دل اپنا
نہ ہم دموں میں کوئی ہے نہ ہم نشینوں میں
جہاں جہاں عرق افشاں وہ ماہ رو گذرا
چمک رہے ہیں ستارے سے اُن زمینوں میں

اللہ رے شرم حسن کہ مجنوں کو دیکھ کر
چھپ چھپ گیا ہے ناقہ لیلی غبار میں

تراشح خوں سے گوشۂ داماں ہے ان دنوں
کیا آب و رنگ پر یہ گلستاں ہے ان دنوں
باہر ہیں اپنے جامے سے دیوانگان عشق
از بسکہ جوش فصل بہاراں ہے ان دنوں
بیدار بخت ہمسا زمانے میں کون ہے
بالین خواب زانوے جاناں ہی ان دنوں

نگاہ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
کسی کی کچھ نہیں چلتی ہی جب تقدیر پھرتی ہے
تری تلوار کا منہہ ہم سے پھر جائے تو پھر جائے
ہماری آنکھ کب قاتل نہ شمشیر پھرتی ہے

کبھی تو کھینچ لائے گی اُسے گور غریباں تک
که مدت سے هماری خاک دامن گیر پھرتی ہے
مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
زلیخا هر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے

چمن کوچۂ جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی هوئی جو باد صبا آتی ہے
صبح کس طرح سے هوگی شب دیجور فراق
نه تو نیند آتی ہے مجھ کو نه قضا آتی ہے

دورنگی ذرا باغ دنیا کی دیکھو
جو روتی ہے شبنم تو هنستی کلی ہے
کہیں آنسوؤں سے نه دھو ڈالیں آنکھیں
ابھی خاک اُس در کی منھ سے ملی ہے

مے خوردہ جو وہ نرگس شہلا نظر آئے
تو صبح گلستاں کا تماشا نظر آئے
اُٹھ جائے جو غفلت کا در چشم سے پردا
اس آئینۂ دل هی میں کیا کیا نظر آئے

مانع سیر عدم تار نفس هیں اپنے
کٹتی زنجیر تو هم قصد بیاباں کرتے

هم نے جو دل میں ٹھانی تھی وہ بات کر گئے
نام فراق سنتے ہی جی سے گذر گئے
کب اُن سبک رووں کا نشان قدم ملے
جو اس چمن سے مثل نسیم سحر گئے
"غافل" پہ مہرباں نہ ہوا وہ شباب میں
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

مخمور

محمد جعفر نام ، لکھنؤ کے رہنے والے ، مصحفی کے شاگرد تھے ۔
ان کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی ان کی زبان کی صفائی اور روانی ہے ۔
ان کے یہاں ایسے الفاظ بہت کم ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہوگئے ۔

انتخاب

یہ بے قراری ہوئی شب کہ کوئے جاناں میں
ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا

وہ لب میگوں جو یاد آئے مجھے " مخمور " رات
میں لب ساغر سے لب اپنا ملا کر رہ گیا

آیا دو چند مجھ کو نظر حسن روئے یار
عینک کا کام روزن دیوار نے کیا

سوجھتا ھی نہیں کچھ تیرے تصور سے مجھے
ایک سا حال ھے بے ھوشي و ھشیاری کا

کیا لخت جگر پارۂ آتش ھے خدا یا
آنکھوں سے نکلتی ھے جو مژگاں میں لگی آگ

ترے چمن کي روش باغباں نہیں معلوم
اسیر تازہ ھوں طرز فغاں نہیں معلوم
کیا ھے شرم محبت نے ایسا پوشیدہ
کہ مجھ کو بھی مرا راز نہاں نہیں معلوم

سحر شمع شبستاں ھوں میں
شام پروانۂ سوزاں ھوں میں
دیکھ اے گل مرے داغوں کي بہار
اک تماشائے گلستاں ھوں میں

یاروں سے میں گو جدا رھا ھوں پر دل سے تو آشنا رھا ھوں
گلشن اک مدرسہ ھے میرا بلبل کو سبق پڑھا رھا ھوں

فکر یاروں کو مرے جیب سلانے کي نہیں
اور یہ کیا ھے جو تاثیر زمانے کی نہیں

خدا کے فضل و کرم پر نگاہ کرتے ہیں
گناہ گار ہیں، لاکھوں گناہ کرتے ہیں

چشمک تھی غضب، سحر نگہ، قہر اشارا
کافر تری ہر ایک ادا لے گئی جی کو

آمد آمد ہے بہاراں کی جنوں کا جوش ہے
پھاندئے دیوار گلشن توڑئے زنجیر کو

مال دنیا چھوڑ جائیں گے جہاں میں بادشاہ
قبر میں بھی فقر کی دولت گدا کے ساتھ ہے

انگور کے سایہ تلے میں مست رہا بیٹھ
شاید کوئی دانہ مری تقدیر سے ٹپکے

جان جاتی ہے شب ہجر، نہ یار آتا ہے
نہ تو موت آتی ہے، نہ دل کو قرار آتا ہے
کیا چلی جاتی ہے ناقے کو بڑھائے لیلیٰ!
پیچھے پیچھے ترے مجنوں کا غبار آتا ہے

اس ہستی موہوم پہ کیا ناز کریں ہم
ہے ایک کف خاک سے بنیاد ہماری

غم ہو تو امید رکھ خوشی کی
رونا بھی دلیل ہے ہنسی کی
ہر ایک نفس کی آمد و شد
دیتی ہے خبر روا روی کی

چاہئے اتنا ہو استغنا گدا کے واسطے
ہاتھ بھی اپنے نہ پھیلائے دعا کے واسطے

قید خانہ ہوگا میخانہ فراق یار میں
موج مے میرے لئے زنجیر پا ہو جائے گی

طیاری ہو رہی ہے مینا و مئے و جام کی "مخمور"
ایام قریب آئے ہیں توبہ شکنی کے

تنہا

شیخ محمد عیسیٰ نام ' دھلی کے رھلے والے تھے ' مگر دھلي کي سکونت چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا - ان کا خاندان شرافت اور نجابت میں مشہور تھا -

'' تنہا '' ' '' مصحفي '' کے نہایت عزیز و رشید شاگرد تھے - وہ بذلہ سنج ' خلیق اور سلیم‌الطبع شخص تھے -

غزل میں گداز ہے لیکن زبان '' مصحفي '' سے پہلے کی معلوم ہوتي ہے وھي تک وھي دوانا '' میر تقي '' اور مرزا سودا کي زبان ہے تاھم سادگی میں بہت کچھ کہہ جاتے ھیں -

سنہ ۱۲۲۲ھ میں ڈاکوؤں نے مار ڈالا - غزلوں کے علاوہ مثنوي مخمس اور رباعیاں بھي لکھي ھیں ' لیکن وہ قابل ذکر نہیں -

غزلوں کي تعداد بھي ۵۸ سے زیادہ نہیں -

انتخاب

گو قافلے سے یارو "تنہا" رہا ہے پیچھے
دن تو ابھی بہت ہے، کیا ڈر ہے جا ملے گا

ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دوانا
"تنہا" ہے فقط آپ کی صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں تک دامن کو اٹھا، ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا
خاک اس کی تو یوں برباد نہ دے، جو راہ میں تیری خاک ہوا

بازار دہر میں ہوں میں وہ جنس نا قبول
جس کو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں
افسوس کی جگہ ہے یہ "تنہا" کہ چھٹ گیا
ہاتھ اس کا آ کے میرے کئی بار ہاتھ میں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے "تنہا"
ہم کوئی اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

خانہ آباد' چھوڑ تیری گلی　　ہم کس اجڑے ہوئے نگر جاویں

چشم تر گور غریباں پہ نہ کی
ابر رحمت اِسے کیا کہتے ہیں

ساقی نے دیا تھا جو' معلوم نہیں مجھ کو
جام مے گل‌گوں تھا' یا دام گرفتاری

میں جو روتھا تو ملا کر مجھے وہ یوں بولا
کہیے کیا کرتے ؟ جو تم کو نہ ملاتا کوئی

گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد' تیرے ہاتھ سے
وہ نہ کر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے

پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری لے گیا
جب ہوئے صیاد ! ہم آزاد تیرے ہاتھ سے

ہے جی میں اس کے کاکل پر خم کو دیکھئے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

لے کے ہر دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی

نا توانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی

رو بہ و غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

جوشش

شیخ محمد روشن نام ' جسونت راے ناگر کي اولاد میں تھے - علم

عروض میں کافی دخل تھا کہتے ھیں کہ خواجہ "میر درد" کے پیرو تھے '
لیکن ان کا کلام " درد " کی خصوصیات سے خالی ھے بہرحال اپنے رنگ
میں اچھا کہتے ھیں ان کے کلام میں خاص طرح کی چاشني ضرور ھے -

انتخاب

جي سیر میں گلزار کی' تن کنج قفس میں
یہ صید گرفتار اِدھر کا نہ اُدھر کا

سر اُس کی تیغ سے جب تک جدا نہ ھو وے گا
کسی طرح سے حق اُسکا ادا نہ ھو وے گا
دل و جگر ھي پہ آفت نہیں فقط " جوشش "
جو ھے یہي ترا رونا تو کیا نہ ھو وے گا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھئے ہم ہیں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کی پیاسی ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہیں ہم

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جب تک بہ رنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑئے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رو بہ رو ہے

کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے
اس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانا مجھے

ریحان

دیا کرشن نام ' شاہ آباد کے رہنے والے تھے ' مگر ایک مدت تک لکھنؤ میں قیام رہا -

عام طور پر مصحفی کے شاگرد مشہور ہیں' مولف خمخانۂ جاوید نے " مونس " شاگرد " مصحفی " کا شاگرد لکھا ہے -

واجد علی شاہ کے زمانے میں راجہ الفت رائے کے بخشی تھے نازک مزاج ' اور وضعدار تھے ' علمی استعداد معقول تھی غزل میں اخلاقی مضامین کا عنصر غالب ہے ' روانی اور صفائی بھی ہے ' لفظی پابندیوں سے دامن بچاتے ہیں -

سنہ ۱۸۸۵ع میں وفات پائی -

رند و زاهد کي لڑائی کو نه جانے کم کوئي
خون کي ندي بہے گی خلد میں کوثر کے پاس

اور جینے کي آرزو کیا ہو ؟ کیا بنایا اگر جئے اب تک

مرے بس میں کبھی اے دلربا ایسا نه آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کرلیتے ہیں قابو میں پرایا دل

سچ ہے که نر دبان حقیقت، مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نه ہو راہ پر صنم

زندگی کس طرح اے "ریحان" کٹے
عاشقی سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

آنکھوں پر اختیار ہے، اچھا نه روؤں گا
کچھ، آپ میرے دل کو بھي سمجھاتے جاتے ہیں ؟

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں هم بھي کیا میٹھي بات کہتے ہیں

یه بھی اسی کی اے بت بے رحم شان ہے
بندہ خدا کا ہوکے میں سجدہ ترا کروں

سوال کرتے نہیں ، گو زبان رکھتے ہیں
کدائے عشق بھی کیا آن بان رکھتے ہیں

سنا ہم نے کانوں سے عنقا کا نام
وفا دار ، آنکھوں سے دیکھا نہیں

کیا مرض ہے درد دل ، جس کی دوا ہوتی نہیں
جب تلک مرتا نہیں کوئی شفا ہوتی نہیں

صحبت کا لطف اے دل آپس میں تب عیاں ہو
معشوق قدرداں ہو ، عاشق مزاج داں ہو

کہئے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میری
آپ بھی جاتے ہو ، دل کو بھی لئے جاتے ہو

جال میں تو پھانستے آیا ہے مجھ دیوانے کو
کیا سنوں ؟ ناصح ! تری الجھی ہوئی تقریر کو

مجنوں کے آب رشک سے تر ہے تمام دشت
پھیلے نہ پاؤں ناقے کا ، اے ساربان دیکھ !

دل رنجیدہ کہتا ہے نہ بولوں یار سے لیکن
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آہی جاتی ہے

—

پیام وصل دلبر لے کے جب قاصد پھرا میرا
پلٹ کر لب سے پھر سینے میں جان بے قرار آئی

—

اے جان مرے ہزار طرح [illegible] [illegible] سہی
تھوڑی سی زندگی میں مصیبت بڑی سہی

صحت نامہ جواھر سخن جلد دوم

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۱-	شعر	شعرا
۸-	شعروں	شاعروں
۱۰-	شفارش	سفارش
۹-	افتار	رفتار
۱۳-	حسن	چسں
۷-	لالھہ	لاکھہ
۱۴-	ابیات غزل میں تاثیر	ابیات و غزل میں حسن تاثیر
۱۷-	ھے	وھي
۵-	دقت	واسوخت
۱۰-	تھي قسمت	محبت
۱۳-۲	مذکور	مرکوز
۳-۲	خوشبو	خوشبو کا
۱۰-۲	یہ	پہ
۱۸-۲	کی	کے
۱-۲	تب	جب
۱۳-۲	نچھوڑا	نہ چھوڑا
۱۵-۲	حق	عشق
۱ ۱	برتن	برق
۱۲-	چشم	خشم
۷-	کہا	گھا
۷-	بدراہ	دلخواہ
۱۴-	ھے ھے	کے ھے
۱۶-	جھکا دوں گا	جھکاؤں گا
۲-	تلک	تک
۱۵-	جفا	خفا
۱۱-	چا	چار
۳-	ھے معلوم نہیں	سب کچھہ ھے معلوم ھمیں
۱۳-	س	آس
۱۱-۱	ھوا	موا
۳-۱	سفیر	سفر

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۹-۱۳۲	باغ صحرا	باغ و صحرا
۱۰-۱۳۲	صحرا	سودا
۴-۱۴۴	یہ ساز	نماز
۱۸ ۱۴۷	بھی	تو
۸-۱۷۰	چشم	خشم
۱۰-۱۷۴	دل یا	دل ھے یا
۱۱-۱۷۴	پہچان	پہچاں
۱۳-۱۷۵	کرنے سے	کرلے تو
۳ ۱۸۱	قطعہ	×
۱۱-۱۸۹	خاک	چاک
۸-۱۹۰	غیرت	عبرت
۱۲-۱۹۰	کرلي	کرے
۱۷-۱۹۰	کی	کے
۱-۱۹۳	قطعہ	×
۵-۱۹۳	لئے	ھے
۶-۱۹۳	از جاوے	اڑا جاوے
۷ ۱۹۳	یا کوئی	یا کوئی بلادي ھے
۱۷-۲۰۴	کھل چلے	کھل چلے ھیں
۸-۲۰۵	یاں سے ھم	ھم یاں سے
۱۵-۲۱۸	کیا	کہا
۴-۲۲۴	ھوں	ھو
۳-۲۲۵	سب	کس
۱-۲۲۶	دغ	داغ
۱۰-۲۲۹	یار	یارا
۲-۲۳۶	الس	ایسی
۱۸-۲۳۷	آگئی	آگہی
۳-۲۴۳	قدر منزلت	قدرو منزلت
۱۳-۲۴۳	ھستي	عرصۂ ھستی
۱۹-۲۴۳	کہیں اور خوب کہیں	کہا اور خوب کہا
۸-۲۴۴	انواع سنجي	انواع سخن سنجی
۶-۲۴۵	۱۸۹۵	۱۱۹۵

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲-۲۲۶	حرف	صرف
۱۵-۲۲۷	شکستہ پائي	شکستہ بالی
۳-۹۲۴	چھانی	چھاتی
۴-۲۴۹	بانی	باتی
۹ ۲۵۴	اشک	رشک
۱۱-۲۶۰	کو	کا
۱۳-۲۶۵	نہیں	نہیں ہے
۱۲-۲۶۷	یہ	×
۴ ۲۷۴	ذرا	ذرہ
۱۴ ۲۸۱	کہاں کہ	کہاں ہے کہ
۹-۳۰۴	دور رہا	دوراہا
۱۰ ۳۱۲	آئے	آئی
۳ ۳۲۵	کمہت خانے	کمہت خامہ
۱۳-۳۲۵	گل گوں	گلگوں
۲۳-۳۳۰	حسبت	جست
۲۳-۳۳۰	کلیم	حکیم
۱۸ ۳ ۲	مقل	اقل
۲۲ ۳۳۲	تعدال	یتعدال
۸ ۳۳۳	قووت	قوت
۱۷ ۳۳۳	نیسا	نیساں
۱۷-۳۴۲	راهي	رهي
۲۵ ۳۴۹	وصف	دست
۲۰ ۳۵۳	مکر	فکر
۳-۳۵۵	امام عسکري	امام حسن عسکری
۸-۳۵۵	پوهیں	پوہے
۱۶-۳۵۵	۳۶	۳۹
۷-۳۵۶	خوشی	خوشی سے
۸-۳۵۶	محاصرین	معاصرین
۱۳-۳۵۷	دیکھیے	دیکھیے کہ
۲۰-۳۵۷	مجازی	مجازی کا
۲۲-۳۵۷	مجار	مجاز
۱۰-۳۵۸	شیریں	شریلي
۱۳-۳۶۹	سایہ‌ار	سایہ دار
۱۰-۳۹۵	ثرب	شرب
۷-۳۹۶	گفتگو کو	گفتگو کر
۵-۳۹۹	ضمیر	خمیر
۱۰-۳۹۹	کا	کے
۸-۴۰۰	اگر	اگر میرے
۸-۴۰۰	نہ تھا	نہ ہوتا
۱۹-۴۱۳	لائیں ہم	لائے ہیں ہم
۴-۴۱۴	کیا	کب سے
۱۶-۴۱۵	یا کریں	یا نہ کریں
۱ ۴۲۴	جاں بار	جاں باز
۹-۴۳۵	پردھے	پردے
۲۴-۴۳۷	موسریوں	مولسریوں
۱ ۴۳۸	موسریوں	مولسریوں
۶ ۴۳۹	وات	رات
۵-۴۴۱	نظریں	نذریں
۱۸ ۴۴۲	اک اک کی	رک رک کے
۲۱-۴۴۳	اشک	رشک
۴-۴۴۴	مکیں	ملیں
۱۴ ۴۴۶	سب دل	سب کے دل
۵ ۴۵۴	فطرت تھا	فطرت میں تھا
۱۳ ۴۵۴	میر	میر سوز
۱۷-۴۵۴	صور	صورت
۸-۴۶۲	جھکتا	جھٹکتا
۱۳-۴۶۷	نصاے	نصائح
۱-۴۶۸	ناقدي	ناقدري
۱۲ ۴۶۹	تیورے	تیوري
۲۰-۴۸۲	هلدوستان	هلدستان
۶-۴۸۴	آتی	آتے
۶-۴۸۶	گل	گھائل
۷-۴۸۶	دیکھو	دیکھیو
۸-۴۸۶	بوسے	بوسي
۱۶-۴۸۸	راہ لي	راہ لے
۸-۴۸۹	ترن	ترے

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۵-۴۹۰	درد	دور
۵-۵۰۳	بھی	یہی
۱۵-۵۰۴	یر	پر
۱۸-۵۰۴	تم دیکھہ کے	دیکھہ لیجیو
۸-۵۱۰	انظار	انتظار
۱۲-۵۱۰	کیا کھول	کیا کہوں
۳-۵۱۳	جیتے	جپتے
۱۶-۵۱۳	درد بام	دروبام
۶-۵۱۸	درد دیوار	درو دیوار
۱۱-۵۱۸	ھي	ھے
۱۵-۵۲۵	سب	شب
۱۴-۵۳۹	کنچھہ بات	کنچھہ تو مجھہ سے بات
۸-۵۴۲	یکتا ھے	یکتاے
۱۷-۵۴۸	کس ھے	کس کو ھے
۱۰-۵۴۹	پڑتا	پڑتا ھے
۷-۵۵۲	تھاھلوز	تاھلوز
۱۲-۵۵۶	پھر کے	پھر سے
۱۳-۵۶۱	ھو چکي	ھو چکے
۴-۵۶۲	سور تو ھو	سور تو ھے
۷-۵۶۲	اُٹھتے ھی	اُٹھتے ھیں
۸-۵۶۲	تورے پاس	توري پاس
۵-۵۶۲	حباب	حجاب
۶-۵۶۲	سچ	سج
۲-۵۶۷	سے	ھے
۱۰-۵۶۸	بادب ھو کے	مؤدب ھو
۲۲-۵۶۹	تھی	تھے
۱۲-۵۶۹	طرق	فرق
۱۴-۵۶۹	عشرت نعم	عشرت و نعم
۱۷-۵۶۹	با	یا
۱۳-۵۷۰	وادے الامر ملکم	واولی الامر ملکم آ
۲۴-۵۷۱	نرگس جادو	نرگس جادو
۲۳-۵۷۱	لت	رت
۳-۵۷۲	ھیں امرا	ھیں سب مرا

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۴-۵۷۲	فوجوں کی	فوجوں کے
۴-۵۹۲	غت غت	غت کے غت
۱۶-۵۷۲	سی	سے
۱۶-۵۷۲	کیت	بیت
۱۷-۵۷۳	یہ قدرت	ید قدرت
۱۰-۵۷۴	اسرفیل	اسرافیل
۲-۵۷۵	دھلي قیام	دھلی کے قیام
۲-۵۷۷	سمری	سکری
۴-۵۷۷	سکري	سفری
۱۸-۵۷۹	ارظار	انتظار
۵۸۰ ۳-۴-۶-۸-۱۰	تھرے گا	تھہرے گا
۱۱-۵۸۴	کسي	کس
۱۵-۵۸۴	تب	تپ
۱۳-۶۰۸	تصدبع	تصدیع
۵-۶۱۱	کي	کے
۹-۶۱۲	چھت	پھت
۱-۶۲۹	ازو	آرزو
۵-۶۳۰	مدے	ترے
۱۴-۶۳۲	پھر ھیں	پھرتے ھیں
۸-۶۴۰	عالم ھوں	عالم میں
۱۶-۶۴۰	اپنے کلاہ	اپنی کلاہ
۱۳-۶۴۳	وھي رھے	رھے وھي
۱-۶۴۹	رشک	اشک
۱-۶۵۰	ناز پسیں	باز پسیں
۱۱-۶۶۰	انشا کے	انشائے
۸-۶۷۲	پھونی	پھنچی
۹-۶۷۴	کم طرف	کم ظرف
۱۴-۶۸۰	مرے	مری
۱۱-۶۸۱	سے	سي
۱۸-۷۰۶	اُس چ‍م	اِس چشم
۷-۷۰۸	ھي	ھے
۴-۷۲۷	بیٹا مجھہ کو	سن کے بیٹا
۸-۷۲۷	مرا پیماں	مرے پیماں میں

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴-۷۲۷	بیٹھے ہو	بیٹھے، ہے تو
۱۷-۷۲۷	یہ	سب
۲-۷۲۸	تھم	تم
۱-۷۳۱	فضلو	فضل، علي
۱۲-۷۳۱	اُن کي	اپنی
۷-۷۳۲	صبر	جبر
۸-۷۳۴	ان دنوں	اِک زنداں
۱۴-۷۶۱	مل جا کہیں	مل جاے کہیں
۱۰-۷۶۲	ذوق	شوق
۱۲-۷۶۲	واے	درسے
۴-۷۶۳	نظم آتے ھوں	نظم کرتے ھیں
۲-۷۸۴	آئیلہ	آئیلے
۱۲ ۷۸۸	ے	رھے
۱-۷۸۹	رزو	آرزو
۵-۷۹۴	پرھن	پھرھن
۳-۷۹۷	آمدنی علاوہ	اٌمدنی کے علاوہ
۴-۷۹۷	وراثت	سرکار
۱-۸۰۰	مہر بخش	پھر بخش
۱۳ ۸۰۲	بھی	بھر
۵-۸۰۵	متوالے	متوالی
۲-۸۲۴	جعفہ	جعفہ
۷-۸۳۱	اوو	میں
۴-۸۳۱	روبہ و	روبرو